صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے اختلافات کی نوعیت اور
اُمتِ مسلمہ کے کتاب وسنت پر مشتمل نظریئے کی توضیح

مُشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اور

راہِ اعتدال

جلد اوّل

از قلم

قائد اہلسنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

ادارہ مظہر التحقیق لاہور
0321-4145543
0322-8464167

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین ہونے والے اختلافات کی نوعیت اور
اُمتِ مسلمہ کے کتاب و سنت پر مشتمل نظریئے کی توضیح

مُشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اور

راہِ اعتدال

جلد اوّل

از قلم
قائد اہلسنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

ادارہ مظہر التحقیق لاہور
0321-4145543
0322-8464167

خوبصورت، تحقیقی اور معیاری مطبوعات کے ذریعے علم کی خدمت میں مصروف

ادارہ مظہر التحقیق لاہور

نام کتاب.........مشاجرات صحابہؓ اور راہ اعتدال (جلد اوّل)

از قلم.........مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

ناشر.........ادارہ مظہر التحقیق، لاہور 0321-4145543

سنِ اشاعت......نومبر ۲۰۱۳ء

ملنے کے پتے

قاری عبدالرؤف نعمانی، خطیب جامع مسجد میاں برکت علی مدینہ بازار اچھرہ لاہور 0300-4273864

مولانا عبدالجبار سلفی، جامعہ مسجد ختم نبوت ملتان روڈ کھاڑک، لاہور 0322-8464167

مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار لاہور، 0423-7228272

مکتبہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، 5 غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 0315-7833863

مکتبہ اہلسنت، رسول پلازہ امین پور بازار فیصل آباد، 0321-7837313

دفتر تحریک خدام اہل سنت مدنی مسجد چکوال 0313-5128490

دفتر ماہنامہ حق چار یار، اچھرہ لاہور 042-37593080

مکتبہ عشرہ مبشرہ اُردو بازار لاہور 0300-6175026

مکتبہ حنیفہ نزد جامع مسجد گنبد والی جہلم شہر، 0300-8302928

فہرست مضامین

مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ

بشارت الدارین کی عبارت ۷۸

بسمہٖ تعالیٰ

عرضِ ناشر

ادارہ مظہر التحقیق کی نئی کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ (خلیفۂ مجاز مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تقریباً تیس قسطوں پر مشتمل مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے بارہ اقساط مولانا قاضی شمس الدین درویش اور اٹھارہ قسطیں ابو ریحان مولانا عبد الغفور سیالکوٹی کی غلط فہمیوں کے ازالہ میں ہیں۔ اس سے قبل حضرت رحمہ اللہ کی نادر اور بڑی کتب ہمارے ادارہ سے طبع ہو کر آپ تک پہنچ گئی ہیں۔ حضرت کے مضامین و مقالات اور خطبات پر کام زور و شور سے جاری ہے۔ علاوہ ازیں مولانا عبد الجبار سلفی صاحب سوانح حیات پر بھی کام کر رہے ہیں...... بتوفیق ایزدی یہ سارے امور ہم نے نمٹانے ہیں۔ ابھی دو ماہ قبل ان مضامین کو "مشاجرات صحابہؓ اور راہِ اعتدال" کے نام سے مجموعہ شائع کرنے کا مشورہ ہوا تو ساتھ ہی مقالات کے ترتیب اور کمپوزنگ پر کام بھی شروع کروا دیا گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر ہے۔ مولانا سلفی صاحب کا مقدمہ اس موضوع کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ممد و مفید ثابت ہوگا، اس لئے بغور اس کا مطالعہ کر لیا جاوے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ ہم دھیرے دھیرے حضرت رحمہ اللہ کی دیگر علمی خدمات بھی آپ کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

خاک پائے خدام
قاری عبد الرؤف نعمانی
خطیب جامع مسجد میاں برکت علی، اچھرہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا قاضی مظہر حسینؒ

سُنی شعور کو توانائی دینے والی من موہنی شخصیت

جہاں زندگی ہوگی وہاں جھگڑے اور اختلاف بھی ہوں گے۔ سارے جھمیلے زندگی کے ساتھ ہیں، زندگی ختم ہوتے ہی قصے تمام ہو جاتے ہیں۔ بقول غالب

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

صرف دو جماعتیں ایسی ہیں جن میں باہم جھگڑے نہیں ہوتے۔

(۱) ملائکہ (۲) انبیاء علیہم السلام

ایک زمانہ اور ایک ہی جگہ پر درجنوں انبیاء علیہم السلام بھی جمع ہو جائیں تو اُن میں معاصرت و منافرت تو درکنار اختلاف رائے کی بنیاد پر بھی کھینچا تانی نہیں ہوتی۔ دو افراد یا دو طبقات کے باہمی ٹکراؤ سے جھگڑا ہوتا ہے۔ بڑے کا چھوٹے کا وقتی طور پر ڈانٹ دینا جبکہ وہ ڈانٹ بھی دینِ الٰہی کی بلادستی کے لئے ہو تو اسے جھگڑا یا لڑائی نہیں کہتے۔ اس لئے ہمارے اس دعوے کی بنیاد پر کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مثال پیش نہ کر دے کہ یہ دو نبی کیوں لڑ پڑے تھے؟ ایک نبی سراپائے جلال ہو اور دوسرا آگے سے سراپائے جمال بن کر۔ ”یا بنَ اُمَّ لَا تَاخُذْ بِلِحْیَتِی وَلَا برأسی“ کہہ دے تو یہ لڑائی نہیں یہ تو عجز و نیاز کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بڑا مقدس طبقہ حضرات صحابہ کرامؓ کا ہے۔ صحابہ کرام کی محبت و عقیدت میں اس امت کے اہلِ علم کے سر ہمیشہ سے جھکے نظر آتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے جب پوچھا گیا کہ ”کمینہ“ آدمی کون ہوتا ہے۔ تو انہوں نے ارشاد فرمایا ”کمینہ وہ شخص ہے جو صحابہ کرامؓ کو بُرا کہے۔ کیونکہ وہ پوری امت کے سب سے بڑے محسن ہیں جن کے ذریعہ دولتِ ایمان و شریعت اِن کو پہنچی ہے۔“ (تفسیر معارف القرآن جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۶۱۵)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت الشیخ مجدد الف ثانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"الصحابة كلهم كانوا في كمالات النبوة كان كل من راى النبي ﷺ نظرة مع الايمان يستغرق في كمالات النبوة. (تفسیر مظہری، جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۶)

(ترجمہ) جملہ اصحاب رسول کمالات نبوت میں مستغرق تھے، جس کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ بنظرِ ایمان دیکھا، وہ کمالاتِ نبوت میں ڈوب گیا۔

سبحان اللہ! کیسی رس بھری عبارت ہے، جس کے ایک ایک لفظ سے ایمانی خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ قرآن مجید کی آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ المومنين" کی تفسیر میں بھی علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے "مؤمنین" سے مراد صحابہ کرامؓ لیئے ہیں۔ بہر کیف عظمتِ صحابہ اور فضائل صحابہؓ پر بلا مبالغ لاکھوں صفحات کا ریکارڈ موجود ہے اور سب سے بڑھ کر تو کلامِ الٰہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کے مومن کامل ہونے کی جگہ جگہ گواہی دی ہے۔ یہاں فضائل صحابہ پر آیاتِ قرآنی احادیث نبوی، یا اقوالِ سلف کا ذخیرہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد امت کی افضل ترین جماعت یہی ہے مگر عصمت صرف خاصہ انبیاء ہے۔ صحابہ کرامؓ مومین کاملین اور "افضل امت بعد الانبیاء" ہونے کے باوصف معصوم نہیں ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم الانبیاء" ہیں، یہ فتنۂ مزرائیت پر ضرب کاری ہے اور حضور علیہ السلام "خاتم المعصومین" بھی ہیں، یہ جملہ فتنۂ رفض پر بہت بھاری ہے۔ اکیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجراءِ عصمت کا اقرار بھی ایک گونہ انکار ختم نبوت ہے، اہل تشیع اجراءِ عصمت کے قائل ہیں۔ مگر اہل السنت والجماعت باوجودیکہ صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں، انہیں معصوم نہیں سمجھتے۔ جب صحابہ کرام معصوم نہیں تو لامحالہ بشری کمزوریوں اور شخصی عیوب سے وہ پاک نہیں تھے، مگر انابت الی اللہ اور خشیتِ الٰہی کے اُس مقام پر تھے کہ اُن کے جیتے جی قرآن مجید میں ان کے جنتی ہونے کا من جانب اللہ پروانہ جاری کر دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ مدرسہ اسلام میں تربیت پانے والی سب سے پہلی جماعت تھی۔ تکوینی طور پر اُن سے لغزشیں کروا کر اصلاحِ احوال کی سبیل لگائی گئی۔ اُن کے ظاہر و باطن کو صحبتِ رسولؐ نے اتنا اُجلا اور روشن کر دیا تھا کہ سورج، چاند، ستارے بھی صحابہؓ کے قدموں کے دھول سے کرنیں پانے لگے۔ صحابہ کرامؓ میں باہمی اختلافات ہوئے، مگر وہ انتظامی اختلافات تھے۔ دینی و مذہبی نہیں۔ فروعات میں علمی آراء کے ٹکراؤ سے تو فہم و بصیرت کو مزید وسعت ملتی ہے اس لئے اُن میں صواب و خطاء کی حد تک اختلافات تھے، اور اگر انتظامی اختلافات بعض مواقع پر

شدت اختیار کر گئے تو اس میں اہل السنّت والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ بیانِ واقعہ کی حد تک اُن پر بحث کی گنجائش ہے، بایں صورت کہ کسی صحابی کی تنقیص لازم نہ آئے۔ مشاجراتِ صحابہ، یعنی صحابہ کرام کے باہمی جھگڑوں میں کسی ایک جماعت کی حمایت کر کے بقیہ اصحاب کی بدگوئی کرنا شیعیت، خارجیت اور ناصبیت ہے۔ اور امرِ واقعہ کے طور پر محض تاریخی واقعات کو بیان کر کے تمام اصحاب رسول کو جزو ایمان جاننا ''سُنّیت'' ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول ہر مسلمان کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

''تلک دماء طهر اللّٰه ایدینا فلا نلوث السنتا بها''

اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے ہاتھوں کو ان کے مطہر خون سے محفوظ رکھا تو اب ہم اُن کی بدگوئی کر کے اپنی زبانیں کیوں ملوث کریں۔

حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین (۱۹۱۴ء.....۲۰۰۴ء) نے اپنے والد گرامی ابو الفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ سے ابتدائی علوم حاصل کیئے، پھر مختلف جگہوں پر تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے اور اعلیٰ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین مدنیؒ سے دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔ بعد ازاں خلعتِ خلافت سے نوازے گئے اور تعلیم سے فراغت کے بعد پوری زندگی یکسوئی اور مستقل مزاجی کے ساتھ خدمتِ دین میں مصروف ہو گئے۔ حضرت اقدسؒ کا بنیادی موضوع تحفظِ اہل السنّت والجماعت تھا۔ آپ کی رگ رگ میں صحابہ کرامؓ کی محبت رچ بس گئی تھی اور صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمتوں کا دفاع کرنے میں آپؒ کے قلم نے اپنوں بیگانوں کا قطعاً لحاظ نہ کیا۔ فکر اسلاف کی آبیاری ساری زندگی آپ کا مشن رہا اور آپ نے اپنے کاز کو معتدل و متوازن دھارے میں ملتِ اسلامیہ کے سپرد کیا۔

حضرت اقدسؒ باطل فتنوں کا تعاقب اور احقاقِ حق کا کام عبادت سمجھ کر کرتے تھے جس طرح آپؒ نے دشمنانِ صحابہ کو چت گرایا اور قریہ قریہ بستی بستی گھوم کر سُنی مذہب کی اشاعت کی ایسے ہی ''مشاجرات صحابہؓ'' کی بحثوں میں الجھ کر خارجی و ناصبی جراثیموں کا شکار ہونیوالے بھی آپ سے بچ نہ سکے۔ چنانچہ مولانا شمس الدین درویش (ہری پور، ہزارہ) اور ابو ریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے حمایت یزید اور مشاجرات کے موضوع پر ٹھوکریں کھائیں۔ حضرت اقدس نے جب علمی و تحقیقی بنیادوں پر دو ضخیم جلدیں ''خارجی فتنہ'' تصنیف کر کے شائع کیں تو بعض حضرات بلا سوچے سمجھے چیں بجبیں ہو گئے۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحب ''نقیب ختم

نبوت ملتان میں قلمی جولانیاں دکھاتے گئے اور حضرت اقدسؒ سے نقد و نقد ماہ نامہ "حق چار یار" لاہور میں جواب وصول کرتے گئے۔ حضرت اقدسؒ نے مولانا شمس الدین درویش کے جواب میں تقریباً بارہ قسطوں میں مشتمل مضمون سپردِ قلم کیا، جو درویش صاحب کی وفات کی وجہ سے آگے نہ چل سکا، ماہ نامہ، نقیب ختم نبوت ملتان ہی کے کار پردازان نے جب حضرت اقدسؒ کی کتاب "خارجی فتنہ" کی تردید میں "سبائی فتنہ" لکھوا کر شائع کی تو ماہ نامہ حق چار یارؓ میں تقریباً ۱۸ اقساط پر مشتمل حضرت اقدسؒ کے مقالات بطور جواب شائع ہوئے۔ مذہب اہل السنّت والجماعت پر ان حضرات نے جو اپنی لاعلمی اور بعض نے ضد بازی کی بناء پر جرح کی تھی اور مشاجراتِ صحابہؓ و اجتہادی اختلافات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے جہاں جہاں ٹھوکر کھائی تھی یا ان کی تحریروں سے قارئین کی گمراہی کا خدشہ ہوسکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؒ کو بروقت خبردار کر کے قلع قمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں اپنا سفر شروع کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایات پر قربان جاؤں کہ بہت کم عرصے میں حضرت اقدسؒ کی بڑی بڑی تصنیفات دوبارہ شائع ہو کر عوام کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ بلکہ حضرت اقدسؒ کے والد گرامی ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ کی نایاب کتب کی اشاعت بھی اسی سلسلے کا حصہ ہے۔ کافی عرصہ سے تمنا تھی کہ یہ نایاب مضامین یکجا ہو کر کتابی صورت میں شائع ہو جائیں تو اہلِ علم بھرپور مستفید ہوسکیں گے۔ اب یہ مجموعہ دو جلدوں میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حضرت اقدسؒ کی درجنوں کتب بفضلہ تعالیٰ منصۂ شہود پر آ چکی ہیں اور بقیہ پر کام جاری ہے۔ مضامین و مقالات کے ساتھ ساتھ خطبات پر بھی کام جاری ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے جس کے لئے صحت، وقت، جذبہ اور مالی وسائل درکار ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان جاں گسل مراحل میں سرخرو فرمائے۔ اور مذہب حقہ اہل السنّت والجماعت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عبدالجبار سلفی
ادارہ مظہر التحقیق
۳ ستمبر ۲۰۱۳ء متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک ملتان روڈ لاہور

مولانا قاضی شمس الدین صاحب ساکن درویش ضلع ہری پور (ہزارہ) کا ایک مضمون ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان (ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ۔ جون ۱۹۹۰ء) میں بعنوان ''جاہلانہ وقاحت کی عالمانہ وضاحت'' شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحبؒ فاضل دیوبند (خطیب جامع مسجد زکریا مخدوم پور پہوڑاں ضلع خانیوال (ملتان) کے کتابچہ ''مولوی سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری کی جاہلانہ جسارت'' کے جواب میں ہے، جو تحریکِ خدّام اہلِ سنت مخدوم پور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا تھا اور جاہلانہ جسارت مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری (ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ) کے ان مضامین کے جواب میں لکھی گئی ہے جس میں انہوں نے اس خادم اہلِ سنت کی بعض عبارتوں پر ناجائز تنقید کی تھی۔ مولانا سید محمد امین شاہ صاحبؒ اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب دونو ضلع ہری پور کے رہنے والے ہیں۔ مولانا محمد امین شاہ صاحبؒ کئی سالوں سے مخدوم پور میں مقیم ہیں اور پختہ کار اور تجربہ کار کتابی مدرس ہیں۔ منقولات ہوں یا معقولات ہوں۔ بڑی بڑی کتابیں وہ پڑھاتے رہے ہیں، اب بوجہ بیماری اور بڑھاپے کے تدریس میں کمی کر دی ہے لیکن عزم و ہمت میں جوانوں کے لیے قابلِ رشک ہیں۔ جماعتی طور پر شاہ صاحبؒ موصوف مجلس احرار کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خصوصی خادمانہ تعلق رہا ہے اور تحریک ختم نبوت میں قربانیاں دیتے رہے ہیں۔ ان کی شجاعت اور بہادری مسلم ہے۔ اب آپ تحریک خدّام اہلِ سنت سے وابستہ ہیں اور مسلک حق پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ سلوک طریقت میں آپ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کے متوسلین میں سے ہیں اور حضرت مدنیؒ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا پیر خورشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان) کی طرف سے مجاز طریقت بھی ہیں۔

قاضی شمس الدین صاحب کی شخصیت

ایک مولانا قاضی شمس الدین صاحب مرحوم ہیں جو حسن ابدال میں خطیب رہے ہیں۔ مرحوم بھوئی گارڈ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے ان سے چھوٹے اور قاضی شمس الدین سے بڑے حضرت مولانا قاضی ضیاء الدین صاحب ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے۔ صحیح المسلک ہیں لیکن قاضی شمس الدین صاحب جو نقیب ختم نبوت میں لکھنے والے ہیں یہ دوسرے ہیں۔ ان کے متعلق ماہنامہ نقیب ختم نبوت (جون ۱۹۹۰ء) میں جو تعارف شائع ہوا ہے۔ اس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں۔ اس مقالہ کے لکھنے والے کے متعلق ہمارے بہت سے قارئین شاید اس نام سے مانوس نہ ہوں۔ حضرت مولانا قاضی شمس الدین مدظلہ (ساکن موضع درویش ہری پور ہزارہ) اہل سنت کا عظیم علمی اور روحانی سرمایہ ہیں۔ عمر مبارک ستر (۷۰) برس سے متجاوز ہے اور ضعیفی اور ناتوانی نے آلیا ہے لیکن اب بھی ایمانی قوتِ عمل سے سرشار اور باطل افکار واعمال کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ آپ کے تبحر علمی کا ایک زندہ ثبوت پیشِ نظر مقالہ ہے۔ آپ کئی معرکۃ الاراء کتابوں کے مصنف ہیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ آپ ابوحنیفہ ہند حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور قطب العالم حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ علیہ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے خلیفہ مجاز ہیں۔ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کی تاریخ "تحفۂ سعیدیہ" میں آپ کے حالاتِ زندگی کی کچھ تفصیل ملتی ہے جس کے مطابق آپ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں موضع کوٹ نجیب اللہ تحصیل ہری پور ہزارہ میں حضرت مولانا فیروز الدین قدس سرہٗ کے گھر متولد ہوئے۔ والد مرحوم معقول ومنقول کے جلیل القدر عالم تھے۔

(۲) غرض اس علمی ادبی گھرانے میں قاضی صاحب موصوف نے علوم متداولہ کی تحصیل کی پھر دورۂ حدیث ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء علامہ مفتی کفایت رحمہ اللہ کی

خدمت میں مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھا۔ پہلی بیعت بزمانہ طالب علمی ۱۳۵۰ء میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ سے کی تھی، مگر قاضی صاحب موصوف کے بیان کے مطابق طالب علمانہ مشاغل اور آزادانہ روی تحصیل مقامات میں حائل رہی۔ دریں اثناء ۱۳۵۵ء میں حضرت پیر صاحب کا وصال ہو گیا ۱۳۶۰ھ میں حضرت اقدس (مولانا عبداللہ صاحب) کی بیعت سے مشرف ہوئے اور سلوک نقشبندیہ مجددیہ کی تکمیل کے بعد مجاز طریقت قرار پائے۔ آپ علم فقہ وحدیث میں خصوصی دست گاہ کے علاوہ مذاہب باطلہ خصوصاً قادیانیت کے ابطال سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ نہایت منکسر المزاج، عالی حوصلہ، بلند اخلاق اور مرنج مرنجاں بزرگ ہیں۔ حضرت اقدس کی وفات کے بعد موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا خان محمد صاحب قبلہ سے تجدید بیعت کر کے مدارج عالیہ میں سرگرم ہیں۔ (تحفہ سعدیہ ص ۳۲۱) واضح رہے کہ حضرت موصوف نے یہ مقالہ بھی حضرت شیخ المشائخ مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ کے حکم خاص پر سپردِ قلم فرمایا ہے ورنہ اس سے قبل آپ کو کچھ تامل تھا جس کا سبب معاندین احرار کے پروپیگنڈے کا طوفان بدتمیزی تھا۔ سید عطاالمحسن بخاری مدظلہ کے نام اپنے مکتوب میں آپ خود فرماتے ہیں:۔

فقیر کا ذہن پہلے آپ کی طرف سے صاف نہ تھا، پھر فقیر خانقاہ شریف سراجیہ کندیاں گیا اور قبلہ حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ سے آپ کا تذکرہ ہوا تو حضرت صاحب نے بہ تاکید فرمایا کہ مولانا عطاء المحسن شاہ صاحب کی مکمل امداد کریں۔ اس حکم کی وجہ سے آپ کی طرف سے طبیعت مطمئن ہوگئی اور یہ مضمون پوری لگن سے لکھا ہے۔ خدا کرے آپ کو پسند آجائے۔"

<u>تبصرہ</u>

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ "درویش"، ضلع ہزارہ کے ایک موضع کا نام ہے جس میں قاضی صاحب موصوف سکونت پذیر ہیں۔ چونکہ موصوف اپنے نام کے

ساتھ فقیر کا لاحقہ لگاتے ہیں اور فقیر اور درویش قریباً ہم معنی ہیں اس لیے میں نے قاضی شمس الدین درویش کا عنوان اختیار کیا ہے۔ میری ان سے کوئی ذاتی رنجش اور پرخاش نہیں۔ ان سے جو کچھ اختلاف ہے مسلک حق کی بنا پر ہے ان کے لیے صاف راستہ تو یہ تھا کہ وہ اہل حق کے متفق علیہ اعتقاد کو مان لیتے اور اپنی زندگی کے آخری دور میں کھلم کھلا حمایت یزید کر کے اپنے آپ کو امتحان میں نہ ڈالتے لیکن وہ مسلک حق کی مخالفت پر ڈٹ گئے ہیں اس لیے اس پرفتن دور میں اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ بلا خوف لومتہ لائم مسلک حق کا تحفظ کیا جائے اور مخالفین کے بودے استدلالات اور لغو اعتراضات کا دلائل و براہین قاہرہ کے ذریعے قلع قمع کیا جائے۔ **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔**

مولانا قاضی شمس الدین صاحب موصوف کے متعلق پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ نے دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند میں پڑھا ہے اور آپ فاضل دیوبند ہیں۔ مندرجہ تعارفی مضمون سے معلوم ہوا کہ آپ نے دورہ حدیث مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھا ہے۔

(۲) قاضی شمس الدین صاحب موصوف سے میری ملاقات غالباً دو تین مرتبہ ہو چکی ہے۔ ایک دفعہ چکوال بھی تشریف لائے تھے اور سنی کانفرنس بھیں (چکوال) میں میری تقریر کے دوران بھی سٹیج پر تشریف فرما ہوئے تھے اور بہت عرصہ پہلے ٹیکسلا میں بھی ملاقات ہوئی تھی، جب کہ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر گھر آ گیا تھا۔ والد صاحب مرحوم اہل السنّت والجماعت کی طرف سے علمی اور اعتقادی دفاع کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور راولپنڈی عدالت میں آپ کا بیان بھی ہوا تھا، جس میں شیعہ مذہب کی ضروری کتابیں بھی پیش کی تھیں۔ بس اتنا یاد ہے۔

(۳) قاضی صاحب موصوف سے گزشتہ چار پانچ سال سے فسق یزید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے سلسلے میں تحریری بحث بھی رہی ہے جس کے

بعض اہم مندرجات بعد میں پیش کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) قاضی شمس الدین صاحب کا المیہ یہ ہے کہ یزید اور مسئلہ اجتہادی خطا کے بارے میں نہ وہ اپنے استاذ حدیث مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متبع ہیں اور نہ ہی وہ اپنے پہلے شیخ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو مانتے ہیں اور نہ ہی ان مسائل وعقائد میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ کے پیروکار ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ہیں پختہ دیوبندی نقشبندی مجددی۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

مفتی اعظم حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ: جنگ کربلا جہاد تھا یا کوئی سیاسی جنگ تھی" تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: جنگ کربلا یزید کی طرف سے محض سیاسی تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی سیاست حقہ کا پہلو غالب تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی جنگ نہ تھی۔ مسلمانوں اور مسلمانوں ہی کی باہمی لڑائی تھی۔ ایک فریق باطل پر تھا اور اس کی طرف سے انتہائی ظلم وفساد اور خون خواری کا مظاہرہ ہوا اور امام مظلوم کی طرف سے حقانیت، مظلومیت اور صبر و رضا کا انتہائی درجہ ظہور میں آیا۔ (کفایت المفتی جلد اوّل۔ کتاب العقائد ص ۲۸۷)

(۲) سوال: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں۔ کس حد تک صحیح اور درست ہے۔

جواب: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے۔ انہوں نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی، کیوں کہ یزید سے بہتر اور اولی و افضل افراد موجود تھے

لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال وافعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ کیوں کہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے۔ لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخریٰ (یعنی کوئی شخص قیادت کو دوسرے (کے گناہوں) کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا) اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے۔" (کفایت المفتی جلد اول۔ کتاب العقائد ص ۲۲۸)

کیا قاضی صاحب موصوف اپنے استاذ حدیث حضرت مفتی اعظمؒ کی مندرجہ تحقیق کو تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت پیر صاحب گولڑویؒ

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ قاضی صاحب درویش کے سابق شیخ ہیں اور موصوف نے مجھے اپنے خط مورخہ ۱۶ رجب ۱۴۰۴ھ میں بھی لکھا ہے کہ: نیز فقیر نے ایک اور کتاب لکھی ہے "خلافتِ راشدہ۔ سبائیت سے مودودیت تک"۔ اس میں صدر اوّل کے سبائیوں سے لے کر زمانہ حال کے مودودی صاحب تک سبائیوں کی تاریخ آ گئی ہے۔ نیز حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات بھی لکھی ہے۔ حضرت پیر صاحب کے علمائے دیو بند سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے اور پیر صاحب بالکل صحیح العقیدہ بزرگ تھے۔"

تبصرہ

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے متعلق ان کی سوانح حیات "مہر منیر" ص ۳۴۳ پر لکھتے ہیں:

یزید اور اس کے حواریوں پر لعنت بھیجنے کو ناجائز قرار نہیں دیا مگر فرمایا: بے سود امر ہے۔ اس کی بجائے آلِ رسول ﷺ پر درود پڑھنا بہتر ہے"۔

(۲) حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تصفیہ مابین سنی وشیعہ"

میں خلافت راشدہ پر مفصل بحث کی ہے اور خلفاء اربعہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰ کو آیت استخلاف کا مصداق قرار دیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: سورۃ النور میں مندرجہ بالا آیت (وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) الآیۃ کے مصداق بھی یہی حضرات اربعہؓ مع الاعوان مِنَ الصحابہ ہیں۔ بنو امیہ۔ جناب معاویہؓ و بنو عباس آیت استخلاف سے خارج ہیں کیوں کہ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مراد آیت استخلاف سے وہ لوگ ہیں جو سورۃ نور کے نزول کے وقت حاضر تھے الخ (ص ۶)

(۳) حضرت صاحب گولڑوی بارہ خلفاء والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

خلفاء اربعہؓ کے بعد خلافت کی صورت ہی باقی رہی اور معنیٰ بالکل ہی ختم ہو گیا جیسا کہ امیر معاویہؓ کا دورِ حکومت۔ چنانچہ حدیث شریف میں ھدنة علی دخن (یعنی صلح بر فساد) کے جو الفاظ وارد ہیں ان کا یہی مفہوم ہے۔ اس کے بعد سلسلہ خلافت بالکل جبری حکومت اور دعوت الی جہنم تک پہنچ گیا۔ لیکن مشیت ایزدی کے تقاضا سے پھر ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جس میں خلافت راشدہ کی جھلکیاں اور تابانیاں نظر آنے لگیں، یہ مبارک دور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا دور تھا...... الخلافة بعدی ثلاثون سنة (یعنی میرے بعد تیس سال خلافت ہو گی) والی حدیث میں صرف خلافت خاصہ کاملہ مراد ہے...... اہلِ سنت کے نزدیک خلافت کے باطنی مفہوم کے لحاظ سے اور اہلِ شیعہ کے نزدیک اصطلاحی معنی کے لحاظ سے امام کے لفظ کا اطلاق ائمہ اہل بیت علیہم السلام پر صحیح اور جائز ہے۔ ان حضرات کے علاوہ دوسرے حضرات کو دینی پیشوا ہونے کی بناء پر امام کہا جا سکتا ہے لیکن ان حضرات کی خصوصیات مختصہ انہی کی ذوات مقدسہ تک محدود ہیں" (فتاویٰ مہریہ ص ۱۳۵۔۱۳۶)

تبصرہ

حضرت پیر صاحب گولڑویؒ یزید پر لعن کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور میں نے اپنی کتاب ''بشارت الدارین'' میں یزید پر لعنت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا مفصل ارشاد نقل کیا ہے جس کے آخر میں ہے پس جواز لعن اور عدم لعن کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے۔ کیوں کہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب۔ محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں'' (ص ۲۰۲)

(۲) حضرت پیر صاحب نے آیت استخلاف کا مصداق صرف خلفاء اربعہ (یعنی چار یارؓ) کو قرار دیا ہے اور حضرت معاویہؓ اور بنو اُمیہ اور بن عباس کے دوسرے خلفاء کو اس آیت کے مصداق سے خارج کیا اور حضرت پیر صاحبؒ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت کی صورت قرار دیا ہے نہ کہ حقیقت نیز خلافتِ راشدہ خاصہ کو تیس (۳۰) سال تک محدود فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت پیر صاحبؒ نے بارہ ائمہ اہلِ بیت پر ان کی خصوصیت کی وجہ سے باطنی امامت کی بنیاد پر لفظ امام کا اطلاق جائزہ قرار دیا ہے اور حضرت موصوف ان ائمہ کے لیے علیہم السلام بھی لکھتے ہیں تو ہمارا سوال ہے کہ قاضی درویش صاحب کے نزدیک حضرت پیر صاحبؒ گولڑوی صحیح العقیدہ بزرگ ہیں تو کیا وہ ان کے ان بیان کردہ عقائد سے متفق ہیں یا ان کو بھی اپنی اصلاح کے مطابق سُن مُن سُنّی ہی سمجھتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ مقتدائے زماں ہیں

میں نے بشارت الدارین ص ۴۱۹ پر لکھا ہے:۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا عبد العلی صاحب مرحوم کا مسئلہ طاعون میں تحریری مباحثہ ہوا تھا جس میں حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے موقف

کی تائید میں حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کی تحقیق پیش کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے...... لہٰذا ہم نے سائلین عن الصورہ المذکورہ کو اجتناب از تعفن امکنہ متعفنہ وارادۂ تبدیلی ہوا جواز خروج از مقام الطاعون کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ مقتدائے زماں حضرت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم اور مولوی شیخ عبد الغفار صاحب نے دربارۂ جواز خروج فتویٰ دیا ہے جس کی نقل ذیل میں موجود ہے۔ وَاللّٰہُ تعالیٰ اعلم وَعلمہ اتم. العبد الملتجی الی اللّٰہ المدعو بمہر علی شاہ عفاعنہ ربّہ (رسالہ الطاعون ص ۶۱)

حضرت مجددؒ الف ثانیؒ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:۔ یزید بے دولت از زمرۂ فسقہ است توقف در لعنت او بنا بر اصل مقرر اہلِ سنت است کہ شخص متعین را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ یقین معلوم کنید کہ ختم او بر کفر بودہ کابی اللھب الجھنمی وامرأتہ نہ آنکہ او شایان لعنت نیست (مکتوبات حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ الف ثانی فارسی طبع قدیم جلد اوّل (۲۷۴) یزید بے نصیب فاسقوں کے ٹولہ میں سے ہے۔ اس پر لعنت میں توقف کرنا اہل سنت کے اس مقررہ اصول پر مبنی ہے کہ اگرچہ کوئی کافر ہو لیکن اس کی تعیین کر کے اس پر لعنت جائز نہیں کہتے مگر اس شخص معین پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں کہ اس کا کفر پر مرنا یقینی ہو۔ مثلاً ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی اور اس پر لعنت نہ کرنا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اُس کا مصداق نہیں ہے)

میں نے یزید کے بارے میں حضرت مجدد صاحب کی مندرجہ عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے قاضی صاحب موصوف کو اپنے مکتوب محررہ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ء میں یہ لکھا تھا کہ آپ ماشاء اللہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے منسلک ہیں لیکن بہت زیادہ تعجب خیز امر ہے کہ آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کی اس تحقیق سے اختلاف رکھتے ہیں کہ یزید بے دولت از زمرۂ فسقہ است۔ اور پھر

فسق یزید اہل السنّت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ ان سب حضرات کے پیش نظر بخاری شریف کی احادیث بھی تھیں۔ سانحہ کربلا۔ واقعہ حرہ اور شہادت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی وہ واقف تھے۔ مفصل بحث تو انشاء اللہ تعالیٰ خارجی فتنہ حصہ دوم میں آ رہی ہے۔ یہاں میری عرضداشت کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات کے لئے تو صدیوں کے اکابر کی تحقیق سے اختلاف کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں (مکتوب محررہ یکم رجب ۱۴۰۵ھ) یہ فرمایا ہے کہ: حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم کو یہ سبق سکھایا ہے کہ بزرگوں کا پورا ادب ملحوظ رکھ کر ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور خود حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۲۵۱ دفتر اوّل میں سید شریف جرجانی متوفی ۹۱۶ھ مؤلف شرح مواقف کی تردید کی ہے پھر مولانا عبدالرحمٰن جامی متوفی ۸۹۸ھ کی تردید کی ہے۔ الخ

اس کے جواب میں بندہ نے مکتوب محررہ ۲۷ رجب ۱۴۰۵ھ میں یہ لکھا تھا کہ آپ یہ بھی تو ملحوظ رکھیں کہ ان بڑوں سے اختلاف رکھنے والے کون ہیں۔ جو مجدد اعظم ہیں وہ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن آپ کا وہ مقام نہیں اور حضرت مجدد نے صاحب ہدایہ کی تردید نہیں کی بلکہ ان کے قول کی توجیہ فرمائی ہے۔ الخ

بہرحال قاضی شمس الدین صاحب اپنی بات پر مصر رہے اور تاحال اکابر مجتہد سے اختلاف پر قائم ہیں۔ نہ وہ اپنے استاذ حدیث مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کی تحقیق مانتے ہیں اور نہ تمام اکابر دیوبند کی حالانکہ اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں۔ اور نہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی۔ لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو نقشبندی مجددی کہنے کہلوانے پر مطمئن ہیں لیکن ان کے برعکس وہ یزید اور اجتہادی خطا کے مسئلہ میں غالباً محمود احمد عباسی کے پیروکار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آج تک محمود احمد عباسی کے باطل نظریات کی تردید نہیں کی۔ حالانکہ وہ صراحتاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی توہین کا مرتکب ہوا ہے جیسا کہ میں نے خارجی فتنہ

حصہ اوّل میں اس کی بعض عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ عباسی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے عزیز و قریب ان کا مدینہ میں رہنا اس نازک وقت میں مناسب نہ سمجھتے تھے مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کا کہ وہ قتل کی سازش میں شریک تھے، کوئی ثبوت نہیں ہے (تحقیق مزید ص ۸۴) یہ تو شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ آپس میں دشمن تھے۔

کیا نقشبندی مجددی قاضی صاحب موصوف بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں، اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپ شیعیت کی تو واضح تردید کرتے ہیں لیکن محمود عباسی کے خلاف کچھ نہیں لکھتے۔ کیا کچھ دال میں کالا کالا ہے۔

حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نقیب ختم نبوت ذی قعدہ کے زیر بحث مضمون کے آخر میں قاضی دوریش صاحب لکھتے ہیں: حضرت امیر شریعت کے ساتھ بےلوث محبت اور قبلہ حضرت صاحب کندیاں شریف کے ارشاد کی تعمیل میں فقیر نے محنت اور کوشش سے یہ مضمون لکھا ہے۔ اللہ پاک اس محنت کو قبول فرمائیں۔ آمین (ص ۳۶)

تبصرہ

یہ ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت صاحبؒ کندیاں شریف والوں سے آپ نے کس مضمون کی اجازت مانگی اور انہوں نے حکم فرما دیا۔ لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح آپ نے امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی بے لوث محبت کے جذبہ سے حمایت یزید میں یہ مضمون لکھا ہے، اسی طرح حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ کے حکم کی بھی تعمیل کی ہوگی۔ حالانکہ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے تو لاہور ہائی کورٹ میں یہ بیان دیا تھا کہ: کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔" (مقدمات امیر شریعت ص ۲۵۷ مرتبہ ابن امیر شریعت مولانا حافظ سید عطاء المنعم صاحب ابو معاویہ ابوذر بخاری) یہ حوالہ میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) حاشیہ ص ۱۳۷ میں درج کر دیا ہے۔ علاوہ

ازیں حضرت امیر شریعت اپنی ایک فارسی نظم میں لکھتے ہیں ۔

ہر کہ بد گفت خواجۂ مارا۔ نیست او بے گمان یزید پلید (شاہ جی کے علمی و تقریری جواہر پارے ص ۱۴۸ در مدح خواجہ غلام فرید) یہ حوالہ خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۷۰۳ پر بھی لکھ دیا ہے۔ نقشبندی صاحب کی یہ عجیب و غریب نوعیت کی محبت ہے کہ حضرت امیر شریعت تو یزید کو فاسق اور پلید قرار دیں اور آپ یزید کو صالح و عادل ثابت کرنے کے لیے خون پسینہ ایک کر دیں۔ کیا اسی کا نام منافقت نہیں ہے۔ اسی طرح نقشبندی صاحب نے حضرت صاحب کندیاں شریف کے حکم کی بھی تعمیل کی ہو گی۔ نقشبندی درویش صاحب نے یزید کی حمایت میں کندیاں شریف والوں کی کوئی تحریر نہیں پیش کی۔ حالانکہ ہمارے پاس ان کی حسب ذیل تحریر موجود ہے جو انھوں نے جناب قاری شیر محمد صاحب علوی کو بھیجی تھی۔ السلام علیکم و رحمتہ و برکاتہٗ۔ سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ یزید کے متعلق اکابرین امت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا موقف جس کی ترجمانی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالیٰ فرما رہے ہیں۔ اس کو صحیح سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قائم رکھے اور اسی زمرہ میں محشور فرمائے۔ آمین۔ والسلام فقیر خان محمد عفی عنہ از خانقاہ سراجیہ۔ ۱۷ رجب ۱۴۰۲ ھ (دفاع صحابہ ص ۲ مؤلفہ خادم اہلِ سنت مظہر حسین غفرلہ)

چکوال میں حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ کی تشریف آوری

گزشتہ رمضان المبارک میں (۶ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ، ۲ اپریل ۱۹۹۰ء) حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف چکوال میں میرے پاس تشریف لائے تھے۔ میں نے دار العلوم عزیزیہ بھیرہ میں دو (۲) سال ھدایہ شریف۔ مشکوٰۃ شریف حماسہ اور حمد اللہ وغیرہ درس نظامی کی بڑی بڑی کتابیں پڑھی تھیں (اس وقت دار العلوم کے مہتمم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی رحمتہ اللہ علیہ تھے) بھیرہ سے فراغت کے بعد ہی میں دار العلوم دیو بند چلا گیا تھا۔ مولانا خان محمد صاحبؒ موصوف میری موجودگی میں دار العلوم عزیزیہ میں

ابتدائی کتب پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ رمضان المبارک کی اس ملاقات میں حضرت مولانا موصوف نے خود ہی یہ فرمایا تھا کہ آپ اس وقت بڑی کتابیں پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا موصوف ملکی نازک حالات کے پیشِ نظر ایک خاص مشورہ کرنے کے لیے آئے تھے اور انہوں نے دوسرے حاضرین کو اُٹھا کر تنہائی میں مشاورت کی تھی۔ رمضان مبارک میں تو مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ مجھ کو دینی مشورہ کے لیے قابلِ اعتماد سمجھتے تھے لیکن اس کے بعد انہوں نے نقشبندی صاحب موصوف کو یزید کے بارے میں میرے پیش کردہ موقف کے خلاف بلکہ اپنی سابقہ تحریر کے خلاف لکھنے کا حکم فرما دیا۔ کیا یہ بھی حضرت صاحبؒ کندیاں شریف سے بے لوث محبت کی آڑ میں ہو رہا ہے۔ عبرت عبرت عبرت۔

حق چار یار جنتری

زیر بحث ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ میں ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن صاحب بخاری نے ایک مضمون بعنوان ”چک والی فتنہ رفض اور باطینت کا نیا روپ“ لکھا ہے۔ اس میں میرے خلاف اپنے سابقہ مضامین کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: میری اس گفتگو سے ”چک والی فتنہ“ کے اراکین بڑے چیں بہ جبیں ہوئے اور میرے خلاف طوفان بدتمیزی بپا کر دیا۔ میں نے سکوت کا ارادہ کیا، مگر مظہر حسین صاحب نے اپنے داماد کو سامنے لا کھڑا کیا اور برخوردار نے حق دامادی“ ادا کر دیا۔ ان لوگوں کی ژاژ خائی اور یاوہ گوئی کے جواب میں میرے رحمت الٰہی...... بن گئی اور خانقاہ سراجیہ کندیاں کے موجودہ اکابر اس مسلک حق کے اظہار پر کمر بستہ ہو گئے اور ھل من مبارز پکارتے ہوئے میدان تحقیق میں سامنے آ گئے جو فقیر عطاء المحسن نے لکھا اور بیان کیا۔ میرے بزرگ حضرت مولانا قاضی محمد شمس الدین صاحب مدظلہ نے ایک دقیع مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ قارئین مطالعہ فرمائیں اور ”چک والی فتنہ“ کے بانی وار اکین بھی۔ (ص ۹، ۱۰)

حقیقت حال

مولانا سید عطاء المحسن نے میرے پیش کردہ مسلک کے خلاف ۲۱ مارچ

۱۹۸۸ء کو بمقام بھوئی گاڑ ضلع راولپنڈی تقریر کی تھی جو ماہنامہ نقیب ختم نبوت (ملتان ۲۱ر مارچ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی تھی (جس کے ردِ عمل میں) الخ

حضرت مولانا محمد امین شاہ صاحب رحمہ اللہ (مخدوم پور) نے ایک رسالہ بعنوان ''جاہلانہ جسارت'' شائع کیا۔ بعض احباب نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ ماہنامہ حق چار یار لاہور میں نقیب ختم نبوت کا جواب آنا چاہیے لیکن میں نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور نہ ہی میری کوئی آئندہ کے لیے خواہش تھی کہ سید عطاء المحسن صاحب کے جواب میں کچھ لکھوں، کیوں کہ ان کی تقریر و تحریر کا جو انداز ہے، میں اس کے جواب کی صلاحیت نہیں رکھتا اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے داماد مولوی عبدالحق صاحب بشیر سلمہ (ابن حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) کو نہ ''حق چار یار جنتری میں جواب لکھنے کی کوئی رائے دی ہے اور نہ ہی اجازت اور نہ ہی میں چاہتا تھا۔ انہوں نے اپنی ہی صوابدید سے وہ مضمون لکھا ہے بلکہ باقی مضامین بھی میرے مشورہ کے بغیر شائع کیے ہیں اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے میں اب تک سوائے ابتدائی چند صفحات کے اس جنتری کے مضامین کا مطالعہ ہی نہیں کر سکا۔ سرسری طور پر مضامین کی فہرست کچھ دیکھی ہے اور مولوی عبدالحق صاحب سے جنتری کے بعض مضامین کی اشاعت پر میں نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ (۲) مولانا قاضی شمس الدین صاحب کے زیرِ بحث مضمون کا جواب میں اس لیے خود لکھ رہا ہوں کہ ان سے باہمی اختلافی مسائل میں پہلے تحریری بحث ہو چکی ہے اور فسق یزید اور خطائے اجتہادی وغیرہ اہم مباحث پر ہی میں نے خارجی فتنہ حصہ اول۔ حصہ دوم (بحث فسق یزید) کشف خارجیت اور دفاع حضرت معاویہؓ تصنیف کی ہیں اور میں مطمئن ہوں کہ میں نے اکابر محققین اہلِ سنت کے مسلک کی ترجمانی کی ہے۔

یزیدی گروہ

جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کی کتاب ''اظہارِ حقیقت'' حصہ

اوّل و حصہ دوم کے بعض مباحث کی تردید میں خارجی فتنہ حصہ اوّل (صفحات ۶۱۱) میں نے شائع کی تھی۔ جو علمائے اہل السنّت والجماعت میں بہت مقبول ہوئی اور خصوصاً ماہنامہ بینات کراچی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مفصل مدلل تقریظ لکھی جس کی وجہ سے مولانا سندیلوی موصوف ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن (کراچی) سے مستعفی ہو گئے تھے، لیکن میری کتاب کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ پاکستان کے یزیدی گروہ کو اس امر کی ضرورت تھی کہ کس دیوبندی عالم کو حمایت یزید کے مشن کی تائید کے لیے میدان میں لایا جائے۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش پر پڑی اور انہوں نے یزیدی گروہ کی قیادت ان کے سپرد کر دی لیکن ان کو غالباً یہ معلوم نہ تھا کہ ان مسائل پر یزیدی قائد موصوف اور میری تحریری بحث پہلے ہو چکی ہے یا کچھ سرسری طور پر معلوم تھا لیکن اس بات سے وہ ناواقف تھے کہ ان کے قائد تحریک قاضی شمس الدین صاحب میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہؓ'' کی پوری پوری تائید کر چکے ہیں اور انہوں نے اس پر جو تقریظ لکھی ہے وہ خود ہی مجھ کو بھیج دی ہے جس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔ اُردو زبان کی یہ کتاب لاجواب ہے جو ترجمان اہلِ سنت وکیل صحابہ۔ خادم اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتھم چشتی صابری خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ فاضل دیوبند کی تالیف ہے...... حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے اس رسالہ ''کھلی چھٹی'' کے جواب میں اور حضرت امیر معاویہؓ کی برأت میں یہ معرکتہ الآراء کتاب تصنیف فرما کر مسلمانانِ اہلِ سنت پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ الخ ۸۵-۵-۲۴

قارئین حضرات کے استفادہ کے لیے قاضی صاحب درویش موصوف کی اس تقریظ کا پورا عکس دوسرے صفحہ پر شائع کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔

علاوہ ازیں جناب موصوف نے اپنے مکتوب محررہ ۸۵۔۷۔۱۴ میں یہ بھی لکھا ہے کہ: جناب کی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقیر نے مولانا سندیلوی کو بھیجی ہے اور ان سے اس پر تقریظ لکھنے کا بھی عرض کیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ خوش گوار تقریظ لکھیں گے اور اس مکتوب میں موصوف نے یہ لکھا ہے کہ: مرسلہ رسالے اور دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چیدہ چیدہ ذِی علم محققین کو دی ہیں۔ سب نے بھی پسند کی ہیں وَلِلّٰہِ الحَمد۔

مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے تو میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی انتہائی طور پر مدح سرائی کی ہے لیکن اس کے برعکس زیرِ بحث ماہنامہ نقیب ختم نبوت'' ص۹ پر اس کتاب کے متعلق یوں تبصرہ کیا گیا ہے کہ: چکوال میں مظہر حسین نامی ایک صاحب نے رافضیوں سے متھا لگایا اور شہرت پائی۔ رافضیوں نے مظہر حسین صاحب کا ناطقہ بند کیا تو انہوں نے اپنے مخالفین سے ڈر کر اور اپنی مخالفت کم کرنے کے لیے بعض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) خصوصاً سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف وہی لب ولہجہ اختیار کرلیا جو ملا باقر مجلسی اور مسٹر خمینی کا تھا۔ اور اس یاوہ گوئی کو تحقیق کا نام دیا اور خود کو وکیل صحابہ کہنا شروع کیا۔ ''دفاع معاویہؓ'' نامی کتاب لکھی اور اس میں سیدنا معاویہ۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری۔ سیدنا عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں وہ کچھ لکھا کہ پناہ بخدا۔ میں نے اس پر گرفت کی اور اڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دی کہ مظہر حسین صاحب کے اوسان خطا ہو گئے۔'' اب یہ فیصلہ خود مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور سید صاحب موصوف آپس میں مل کر کرلیں کہ دفاع حضرت معاویہؓ کیسی کتاب ہے اور ان دونوں میں سے کس کا تبصرہ صحیح ہے۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ میری کتاب کا نام ''دفاع حضرت معاویہؓ'' ہے نہ کہ صرف ''دفاع معاویہ''

سب سے بڑا جھوٹ

مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش نے اپنے زیر بحث مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ: صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب پختہ سبائی ہیں اور حب ابن سبا سے سخت مغلوب ہیں، اس لیے وہ جلیل القدر صحابہ پر تبرا بکتے ہیں۔ الخ (نقیب ختم نبوت ص ۲۰ ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ)

الجواب (۱) قاضی شمس الدین صاحب درویش کے نزدیک ۱۹۸۵ء میں تو بندہ ترجمانِ اہلِ سنت اور وکیل صحابہ وغیرہ تھا جیسا کہ انہوں نے دفاع حضرت معاویہؓ کی تقریظ میں لکھا ہے لیکن اب ۱۹۹۰ء میں پختہ سبائی بن گیا۔

(۲) اور ۱۹۸۵ء کے بعد بھی اپنے مکتوب ۸۹۔۱۱۔۶ مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ میں بندہ کے نام تحریر فرماتے ہیں۔

محبّ مکرم جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ و دام لطفہ مطالعہ فرمائیں...... بحمد اللہ سبحانہ طالب خیریت بخریت ہے۔ پرسوں ایک دوست سے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ ان دنوں آپ کی طبیعت سخت ناساز ہے۔ دفاع صحابہ و حضرات اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اپنی بساط و استعداد کے مطابق جناب کی جو مساعی حسنہ ہیں۔ وہ قابلِ قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو آپ کا زاد آخرت بنائے۔ زلات کو معاف فرمائے اور آپ کو صحت کاملہ و دائمہ عاجلہ سے نواز کر تا دیر سلامت رکھے۔ امین"

چونکہ میں ان دونوں سخت بیمار تھا، اس لیے دفتر خدام اہلِ سنت کے ناظم حافظ عبدالوحید صاحب حنفی سے کہہ دیا کہ میری طرف سے مولانا قاضی شمس الدین صاحب سے بعد سلام مسنون یہ عرض کر دیں کہ صحت یاب ہونے کے بعد آپ کے خط کا جواب دوں گا، لیکن پھر میں ان کو کوئی خط نہیں لکھ سکا۔ بہر حال ان کے مندرجہ خط سے یہ تو واضح ہے کہ انہوں نے نومبر ۱۹۸۹ء میں صحابہ کرام اور حضرات اہلِ بیت

کے متعلق میری مساعی کی تحسین فرمائی ہے۔

(۳) اس کے بعد انہوں نے ایک عنایت نامہ محررہ ۸ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۹۰ء کو دفتر ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور کے پتہ پر حکیم حافظ محمد طیب صاحبؒ کے نام ماہنامہ میں اشاعت کے لیے ایک مضمون بعنوان ''ایک مضمون۔ چند توضیحات بھیجا ہے جس میں لکھتے ہیں کہ ماہنامہ ''حق چار یار'' شمارہ شعبان و رمضان ۱۴۱۰ھ میں جناب مفتی مزمل حسین صاحب کاپڑیا کراچی کا ایک مضمون بعنوان ''خاتونِ جنت'' ص ۸۰۔۷۶ پر چھپا ہے۔ اس مضمون کی بعض باتیں فقیر کے مطالعہ کے مطابق اصلاح طلب ہیں۔ ان کے متعلق چند توضیحات ارسال ہیں۔ اگر جناب کے مسلک اور مزاج کے مطابق ہوں تو رسالہ ''حق چار یار'' میں شائع فرما دیں، ورنہ مضمون واپس فرما دیں۔ شکریہ۔

الف۔ مضمون میں ص ۶۷ سطر ۷ پر لکھا ہے: کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحب زادی کو اطلاع دے دی۔ پھر آگے سطر ۱۲ پر دوبارہ اسی بات کو یوں دہرایا ہے کہ: یہ بچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان دونوں عبارتوں میں جناب مفتی کاپڑیا صاحب نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحب زادی اور سب سے چھوٹی بیٹی لکھا ہے، جب کہ واقعہ میں حضور علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحب زادی اور سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ اُم کلثوم تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور واضح رہے کہ سیدہ اُم کلثومؓ سب سے چھوٹی بیٹی ہوں یا سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ ہم اہلِ سنت کے نزدیک تو اس سے ان شہزادیوں کی شانِ عالی میں کچھ فرق نہیں پڑتا کیوں کہ حضور علیہ السلام کی صاحب زادیاں ہونے کا شرف تو دونوں شہزادیوں کو یکساں حاصل ہے اور پھر اہلِ سنت کے نزدیک تو چاروں بناتِ سید الکائنات علیہ السلام واجب الاحترام ہیں۔

ع ہم مرتبہ ہیں یہ بنات نبی...... کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

لیکن چونکہ سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ کی دوسری باوقار زوجہ محترمہ تھیں اور اسی رشتہ کی وجہ سے حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ ذوالنورین بنے تھے...... اور چونکہ سب سے چھوٹے بچے بچی کے ساتھ والدین کو قدرتی طور سے زیادہ لاڈ اور پیار ہوتا ہے تو سبائی فاسد ذہن یہ برداشت نہ کرسکا کہ سیدہ اُم کلثوم حضرت عثمان ذوالنورینؓ اموی کی زوجہ محترمہ بھی ہوں اور پھر سب سے چھوٹی بیٹی ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی اور پیاری بیٹی ہو جائیں۔ اس لیے سبائی فاسد ذہن نے سیدہ اُم کلثومؓ کا رتبہ گھٹانے کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سب سے چھوٹی بیٹی ہونے کا شاخسانہ تراشا اور سیدہ فاطمہؓ کو سب سے چھوٹی بیٹی مشہور کر دیا اور سنیوں کی غفلت سے یہ روایت شہرت حاصل کر کے سنیوں میں بھی مقبول ہو گئی۔ اب حوالہ ملاحظہ ہو۔ علم انساب کے مشہور ماہر امام ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ جو بنو امیہ کے متعلق دل میں نرم گوشہ بالکل نہیں رکھتے۔ اپنی مشہور کتاب جمہرۃ انساب العرب ص ۱۶ بیروت پر لکھتے ہیں: وکان لہ علیہ السلام من البنات زینب وھی اکبرھُنّ وتالیتھا رُقیۃ وَتَالیتھَا فاطمۃ وَتَالیتھَا ام کلثوم وام جمیع ولدہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حاشا ابراھیم خدیجۃ بنت خویلد ام المومنین۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں ایک زینب اور یہ سب سے بڑی بیٹی تھیں اور زینب کے متصل بعید رقیہ تھیں اور رقیہ کے متصل بعد فاطمہ تھیں اور فاطمہ کے متصل بعد ام کلثوم تھیں اور حضرت ابراہیم کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب اولاد اُم المومنین خدیجہ بنت خویلد سے تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھنّ۔ کیوں کہ حضرت ابراہیم کی والدہ اُم المومنین ماریہ قبطیہ تھیں۔ رضی اللہ عنہا الخ

اس مضمون کے آخر میں قاضی صاحب درویش لکھتے ہیں...... اور پھر ہمیں

یہ بھی معلوم نہیں کہ جناب مفتی کا پڑیا صاحب رفض کے متعلق خدانخواستہ ذہن میں کوئی نرم گوشہ رکھتے ہیں یا محض سن من سنی ہیں...... پہلی بات ہے تو شرم ناک ہے کہ ایک سُنی رسالہ "حق چاریار" کو اپنے مسلک اعوج کی ترویج کے لیے استعمال کر لیا...... اور پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ جو مذہب رفض کے مُضرِ مضمرات اور دسیہ کاریوں کو سمجھنے والی باریک بین عقابی نگاہ کے مالک ہیں۔ ان کی نگاہ سے اوجھل ہو کر یہ مضمون کسی طرح پاکستان کے انتہائی سنجیدہ ماہنامہ "حق چاریار" میں جگہ پا گیا۔"

تبصرہ

یہ مضمون ۸ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۹۰-۵-۴ کا لکھا ہوا ہے جس کے آخر میں قاضی درویش صاحب نے میرے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بیان کر دیا ہے کہ میں رفض کی دسیہ کاریوں کو سمجھنے والی باریک بین عقابی نگاہ رکھتا ہوں اور ماہنامہ حق چاریار کو سُنی رسالہ اور انتہائی سنجیدہ ماہنامہ قرار دیا ہے لیکن یہی درویش صاحب شوال کے بعد ذیقعدہ میں شائع ہونے والے ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" میں میرے متعلق لکھ رہے ہیں کہ...... صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب پختہ سبائی ہیں اور حب ابن سبا سے سخت مغلوب ہیں اس لیے وہ جلیل القدر صحابہ پر تبرا بکتے ہیں۔"

اس خادم اہل سنت کو پختہ سبائی کہنا اس صدی کا بہت بڑا جھوٹ ہے جس کا ارتکاب ایک نقشبندی درویش قاضی شمس الدین نے کیا ہے۔ شوال کے گرامی نامہ میں مندرجہ تبصرہ اور پھر نقیب ختم نبوت کے ذیقعدہ کے شمارے میں اس سے متضاد دوسرا تبصرہ۔ کیا کسی ایک شخصیت کا تبصرہ ہے۔ ایک مہینہ یا اس سے بھی کم مدت میں یہ عجیب و غریب ایک ذہنی انقلاب ہے یا کسی وقتی ہنگامی الہام کا نتیجہ ہے۔ یا قاضی شمس الدین کوئی دو ہیں۔ ایک میرے نام خطوط لکھنے والا ہے اور دوسرا نقیب ختم نبوت کا مقالہ نگار ہے اُمید ہے قاضی صاحب درویش اس گتھی کو

سلجھائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی چھوٹی صاحب زادی کون ہیں؟

حکیم حافظ محمد طبیب صاحب سلمہ کے نام مکتوب میں امام ابن حزم کے حوالہ سے قاضی صاحب درویش نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور پیاری صاحب زادی حضرت ام کلثوم تھیں (رضی اللہ عنہا) لیکن یہ ایک قول ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت رقیہؓ چھوٹی صاحب زادی تھیں۔ چنانچہ البدایہ والنھایہ جلد ۵ باب ۵۷ میں حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے لڑکے قاسم تھے پھر زینب پھر عبداللہ پھر اُم کلثوم پھر فاطمہ پھر رقیہ۔ الخ۔ موصوف قاضی درویش صاحب اس روایت کو کیوں نظر انداز فرما گئے اور البدایہ میں ہی ایک یہ بھی روایت ہے کہ: راوی بیان کرتا ہے پھر آپ کے ہاں زینب پیدا ہوئی، پھر رقیہ، پھر قاسم، پھر طاہر، پھر مطہر، پھر طیّب، پھر مطیب، پھر اُم کلثوم، پھر فاطمہ اور حضرت فاطمہ۔ سب سے چھوٹی تھیں۔ (ایضاً البدایہ والنھایہ۔ مترجم باب ۵۷۔ ص ۵۲۷) قاضی موصوف عموماً البدایہ والنھایہ کی عبارتیں استدلال میں پیش کیا کرتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ ابن کثیر کی یہ روایت آپ کے لیے کیوں قابلِ قبول نہیں۔

(۲) قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری رحمتہ اللہ تعالیٰ بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت لکھتے ہیں

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری دختر ہیں ۳ ھ میں ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ اس لیے ان کو ذوالنورین کا خطاب ملا۔ کیوں کہ رسالت پناہی کے دو جگر گوشے یکے بعد دیگرے ان کے سکینہ قلب بنائے گئے۔ (رحمتہ للعالمین جلد دوم ص ۱۰۷)

قاضی صاحب موصوف اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔ سیدۃ نسآء العٰلمین فاطمہ

علیھا السلام خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ ان کی ولادت غالباً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال ہوئی...... علیؓ مرتضیٰ کے ساتھ سیدہ کا نکاح واقعہ بدر کے بعد اُحد سے پہلے ہوا تھا۔ (ایضاً ص ۱۰۸)

قاضی صاحب منصور پوری نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے نام کے ساتھ علیھا السلام لکھا ہے۔ ممکن ہے قاضی درویش صاحب اس کو ہدف تنقید بنائیں، کیوں کہ انہوں نے سرکاری سکولوں میں پنجاب ٹیکسٹ بورڈ کی طرف سے معاشرتی علوم کی چوتھی جماعت کی کتاب پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب کے ص ۱۷ سے ص ۳۴ تک حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے ناموں کے بعد دعائیہ کلمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے رضی اللہ عنہ کا مخفف (رضؓ) لکھا ہے...... لیکن اس کتاب میں ص ۳۵ سے جب حضرت علیؓ کا تذکرہ آیا تو آپ کے نام کو جلی قلم سے اس طرح لکھا گیا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام...... اور پھر آگے خوب پھیلا کر لکھا گیا کہ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے اور حضرت فاطمہ علیہ السلام کے شوہر نامدار تھے"۔ عجمی سازش ص ۱۰ ناشر مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ ضلع سرگودھا) لیکن یہ بات بھی نہایت تعجب خیز ہے کہ خود قاضی درویش صاحب موصوف بھی حضرت فاطمہ کے نام کے ساتھ سلام اللہ علیہا لکھتے ہیں:

ابن زیادہ کے اقتدار کے حلیف بن کر سبائی اشتریوں نے ابن زیادہ سے عہدے بھی لیے اور مال بھی کمایا۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی اکلوتی نشانی سیدنا حسینؓ کو ظلماً و قہراً شہید بھی کر دیا اور یزید کو قیامِ قیامت تک مجرموں کے کٹھرے میں کھڑا کرنے میں کامیاب ہو گئے"۔ زیر بحث ماہنامہ نقیب ختم نبوت ص ۲۷ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ جون ۱۹۹۰ء

(۳) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:...... حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں......

ایک قول کے بموجب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم کی صاحب زادیوں میں سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں اور ایک قول سے سیدہ رُقیہ اور ایک قول سے اُم کلثوم رضی اللہ عنھن سب سے چھوٹی تھیں۔ (مدارج النبوۃ مترجم جلد دوم ص ۷۸۷)

(۴) امام قسطلانی محدث لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ اولاد جن پر علماء کا اتفاق ہے ان میں سے چھ (۶) ہیں ان سب سے پہلے حضرت قاسم ہیں اور آخر حضرت ابراہیم ہیں۔ اور آپ کی چار صاحب زادیاں ہیں بڑی زینب ہیں اور حضرت رُقیہ اور حضرت اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ ان سے اصغر ہیں۔ یہ صحیح قول ہے (ترجمہ مواہب لدینہ ص ۲۳۱) گو بعض اقوال حضرت رقیہ یا حضرت اُم کلثوم کی چھوٹی صاحب زادی ہونے کے بارے میں بھی ہیں لیکن صحیح قول وہی ہیں جو امام قسطلانی نے لکھا۔ حوالجات اور بھی ہیں لیکن فی الحال انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۵) سب سے اہم حوالہ تو یہ ہے کہ خود قاضی شمس الدین صاحب نے بھی حضرت فاطمۃ الزہراء کو آخری صاحب زادی لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام کی چار صاحب زادیوں میں سے تین شہزادیوں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کی شادی خاندان بنو عبشم کے حضرت ابو العاص عبشمی اور حضرت عثمان عبشمی سے ہوئی تھی۔ آخری شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء حضرت علیؓ کے گھر میں تھیں۔ الخ (عجمی سازش ص ۲۰)

فرمائیے۔ یہاں آخری شہزادی حضرت فاطمۃ الزہراء کو قرار دیا اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ قاضی شمس الدین صاحب کوئی دو ہیں ایک اصلی ہیں اور ایک نقلی صورت کے لیکن معلوم نہیں کہ ان میں سے لکھنے والے اصلی کون ہیں...... اور نقلی کون۔

فی الحال حوالہ کتاب یاد نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا

مدنی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی صاحب زادی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے زیادہ پیار تھا۔ کیوں کہ چھوٹی اولاد زیادہ پیاری ہوتی ہے۔

افضلیّت حضرت فاطمہؓ

حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اپنی اپنی فضیلت رکھتی ہیں اور جنتی ہیں لیکن ان میں سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مخصوص فضائل ہیں اور وہ اپنی بہنوں سے افضل ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

قَال النبی صلی اللّٰہ عَلَیہ وسلم فاطمة سیدة نسئا اھل الجنة (بخاری شریف۔باب مناقب قرابة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و منقبة فاطمة علیھَا السّلام بنت النبی صَلّی اللّٰہ علیہ وَسَلَّمُ): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے" اور اس حدیث کی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خاتونِ جنت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قاضی شمس الدین صاحب موصوف بھی اپنے اس مکتوب محررہ ۸ شوال ۱۴۱۰ھ میں لکھتے ہیں: اگر صحیح روایات سے حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی جنتی بھی تعریفیں ثابت ہوں۔ چشم ماروشن دلِ ماشاد۔

(۲) عن المِسور بن مخرمة انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فاطمة بضَعة منی فمن اَغضبھا اغضبنی ۔(ایضاً بخاری باب منقبة فاطمه علیھا السلام): حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا، اس نے مجھے غضب ناک کیا۔

(۳) عَن انسؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ حَسْبُکَ مِن نسآءِ العلمین مریم بنت عمران. و خدیجة بنت خویلد و فاطمة بنت

محمد و آسیه امرأة فرعوان. (رواه الترمذی) (کتاب الفتن باب فی مناقب ازواج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہان بھر کی عورتوں میں فضیلت کے لیے تجھے یہ چار عورتیں کافی ہیں۔ مریم، خدیجہ، فاطمہ، آسیہ۔ اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔ و ذکر عائشة دریں حدیث نکر داز جهت اکتفا کردن بذکروے دراحادیث دیگر"۔ اور اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ان کا ذکر دوسری احادیث میں موجود ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ:۔ وفضل عائشة على النسآء كفضل الثريد على سائر الطعام (متفق عليه) (مشکوة شریف باب بدء الخلق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ کو باقی عورتوں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو باقی کھانوں پر ہے)

علامہ علی قاری محدث حنفی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

والاظهر انها افضل من جميع النساء كما هوظاهر الاطلاق من حيث الجامعية للكمالات العلمية وَالعملية الخ۔ (مرقاة شرح مشکوٰة جزء ۱۱. باب مناقب ازواج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم)

:...... اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ تمام عورتوں سے افضل ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے۔ اس حیثیت سے کہ آپ کو علمی وعملی کمالات کی جامعیت حاصل ہے۔ بہر حال مختلف احادیث کی بناء پر شارعین حدیث نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ میں سے افضل کون ہے لیکن احادیث کی روشنی میں اتنا تو ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں اور پاک بیویوں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور ان کے درجات اور مراتب مختلف ہیں لیکن تعجب ہے کہ قاضی درویش

صاحب اپنے پیش کردہ حسب ذیل مصرعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں کو ہم مرتبہ قرار دے رہے ہیں۔

ع۔ ہم مرتبہ ہیں یہ بناتِ نبی ﷺ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

چاروں صاحب زادیوں کو ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ غالباً قاضی درویش صاحب موصوف کا یہ مقصود ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء کی جو فضیلت مشہور ہے، اس کو مجروح کیا جائے وہ اپنے مخصوص ذہن کی وجہ سے یہ سمجھتے ہوں گے کہ جو محدثین و محققین اہل السنّت والجماعت کسی درجے میں بھی حضرت فاطمۃ الزہراء کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا موصوف تمام صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم مرتبہ قرار دینے کی کیا علت ہے۔ مندرجہ مصرعہ انہوں نے مولانا ظفر علی خان مرحوم کے اس شعر سے چرایا ہے۔

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

دوسرے مصرعہ سے چونکہ اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ مجروح ہوتا ہے کہ چاروں خلفاء راشدین کی باہمی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب سے ہے یعنی ان میں سب سے افضل خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان ذوالنورین اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ اس لیے بعض علماء نے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اس طرح اصلاح کر دی۔

ہم مسلک ہیں یارانِ نبی ہے فرق مگر ان چاروں میں

اُموی اور ہاشمی

قاضی شمس الدین صاحب نے اسی مذکورہ زیرِ بحث مکتوب میں حدیث

فاطمة بضعة منی کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ یہ روایت بخاری شریف باب فضائل المہاجرین کے باب ذکر اصھار النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں کے ذکر میں یہ باب ہے) کہ وہ حدیث ہے جس میں یہ بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا اور اس سے حضرت فاطمہؓ کو سخت رنج پہنچا تو حضور علیہ السلام نے تمام صحابہ کو مسجد میں جمع کیا اور خود منبر شریف سے ایک اہم خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں حضور علیہ السلام نے اپنے سب سے پہلے داماد حضرت ابو العاص بن ربیع عبشمی رضی اللہ عنہم کی بہت تعریف فرمائی اور اسی خطبہ میں تقابلی طور پر حضرت علی ہاشمی رضی اللہ عنہ سے جو حضور عیہ السلام کے ربیب (پروردہ) بھی تھے، اپنی کبیدہ خاطری کا اظہار فرمایا اور اسی خطبہ کی وجہ سے حضرت علیؓ نے بنت ابو جہل سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دیا تھا۔ خلیفہ راشد چہارم امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اپنی قلبی فرط عقیدت کی وجہ سے ہم نے اس سے زیادہ تفصیل لکھنی مناسب نہیں سمجھی جو حضرات زیادہ تفصیل دیکھنا چاہیں، وہ بخاری شریف جلد اوّل سے مذکورہ بالا حدیث تلاش کر کے پوری عبارت دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح حضور علیہ السلام نے اپنے سب سے پہلے اُموی داماد حضرت ابو العاص عبشمی کی دِل کھول کر تعریف فرمائی اور مقابلے میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا کس ناگواری سے تذکرہ فرمایا ہے۔ الخ۔

تبصرہ

(۱) بخاری شریف کی مذکورہ حدیث حسب ذیل ہے......ان المسور بن مخرمة قال ان علیاً خطب بنت ابی جھل فسمعت بذلک فاطمة فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال یزعم قومک انک لا تغضب لبناتک وھذا علی ناکح بنت ابی جھل فقام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فسمعته حین تشھد یقول اما بعد انکحت ابا العاص بن

الربيع فحدثني وَصدّقني وان فاطمة بضعة مني واني اكره، اَن يُؤها وَالله لَا تجتمع بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم و بنت عد والله عند رجل واحد فترك علّى الخطبة. وَزاد محمد بن عمرو بن حلحلة عن ابن شهاب عن علي عن مسور سمعت النبي صلى الله عليه وسلم وَذكِر صهراً له من نبى عبد شمس فَأثنى عليه في مصاهرته اياه فاحسن قال حدثني فصدقني و وعدني فوفي لي ''۔ حضرت مسورؓ بن مخرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا۔ یہ خبر حضرت فاطمہؓ نے سُن لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ آپ کی قوم کا یہ خیال ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کے بارے میں غصہ نہیں کرتے اور یہ (حضرت) علیؓ ہیں جو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور میں (یعنی حضرت مسور) آپ کی بات سُن رہا تھا۔ آپ نے توحید و رسالت کی شہادت دی اور پھر فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹی ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں دے دی تھی۔ پھر اس نے میرے ساتھ جو بات کہی، وہ سچی کی اور فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے اور جو بات اس کو بُری لگے، میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ قسم بخدا۔ ایک مرد کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ اس ارشاد کے بعد حضرت علیؓ نے اس پیغامِ نکاح کو ترک کر دیا اور حضرت مسور ہی کی دوسری روایت میں اتنی بات زیادہ لکھی ہے کہ:
میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ نے اپنے ایک داماد کی دامادگی کی تعریف و تحسین فرمائی جو نبی عبد شمس میں سے تھا اور فرمایا کہ اس نے مجھ سے جو بات کہی، اس کو سچا کر دیا اور مجھ سے جو وعدہ کیا اس کو پورا کیا۔ اس حدیث میں نہ مسجد کا ذکر ہے، نہ منبر کا۔ اور نہ ہی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اصحاب کو جمع کیا۔ یہ موصوف کا اپنا اضافہ ہے اور انھوں نے قارئین کو جو ترغیب دی ہے کہ وہ پوری

روایت خود دیکھ لیں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ اس کے ظاہر کرنے میں حضرت علی المرتضٰی کی تنقیص پائی جاتی ہو۔

(۲) حضرت ابو العاص نے کیا وعدہ کیا تھا جس کو پورا کر دیا تو اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی محدثؒ فرماتے ہیں۔ وَقد اُسر ابو العاص ببدر مع المشرکین و فدته زینب فشرط علیه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان یُرسلها الیه فو فی لهٗ بذلک۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۶۸): ۔غزوہ بدر میں دوسرے مشرکین کے ساتھ (حضرت ابو العاص متوفی ۲ھ) بھی قید کر لیے گئے تھے، ان کا فدیہ حضرت زینبؓ نے ادا کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں شرط لگائی کہ وہ (حضرت) زینبؓ کو آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ پھر ابو العاص نے اس شرط کو پورا کر دیا۔ بے شک حضرت ابو العاص کا وفائے عہد قابلِ تحسین امر ہے اور حضرت علی المرتضٰی کی اس خواہش نکاح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی اور حضرت علی المرتضٰی نے آپ کے ارشاد کی تعمیل بھی کر دی کہ اس نکاح کا ارادہ بالکل ترک کر دیا لیکن قاضی صاحب موصوف کا ان دو دامادوں کے طرزِ عمل کو اس طرح تقابل کی حیثیت سے پیش کرنا کہ:۔ اس خطبہ میں حضور علیہ السلام نے اپنے سب سے پہلے داماد حضرت ابو العاصؓ بن ربیع عبشمی رضی اللہ عنہ کی بہت تعریف فرمائی اور اس خطبہ میں تقابلی طور پر حضرت علی ہاشمی رضی اللہ عنہ سے جو حضور علیہ السلام کے ربیب (پروردہ) بھی تھے، اپنی کبیدہ خاطری کا اظہار فرمایا''۔ اس سے موصوف کی ایک خاص بیماری کا پتہ چلتا ہے یعنی وہ اُموی عبشمی داماد کو ہاشمی داماد پر بحیثیت داماد ترجیح دینا چاہتے ہیں اور اب ان کا نرالا موضوع ہی یہی ہے کہ وہ اُموی اور عبشمی حضرات کو ہاشمی حضرات سے ممتاز حیثیت میں قوم کے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ اس ذہنیت کے تحت وہ اپنے مایہ ناز کتابچہ ''عجمی سازش'' ص ۲۴ پر رقم طراز ہیں کہ:...... بنو عبشم حضور علیہ السلام کے خسر تھے۔ ام

المومنین ام حبیبہ عبشمیہ دختر حضرت ابوسفیانؓ کی وجہ سے اور اس شادی کے متعلق سورۃ ممتحنہ کی آیت عسی اللّٰہ ان یجعل بینکم تا آخر نازل ہوئی (تفسیر در منشور اور تفسیر ابن کثیر) جب کہ کوئی ہاشمی حضور علیہ السلام کا خسر نہ بن سکا'' اور پھر نمبر ۶ کے تحت لکھتے ہیں:...... بیعت رضوان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عبشمی حضرت عثمانؓ کے لیے اپنے داہنے ہاتھ مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا تھا۔ الخ۔ پھر نمبر ۷ کے تحت لکھتے ہیں حضرت علی کی شادی کے موقعہ پر حضرت عثمان عبشمی نے حضرت علیؓ ہاشمی کو چارسو درہم پیش کیے۔ الخ (ایضاً ص ۴۵) نقشبندی صاحب موصوف بنی عبشم کے احسانات کی فہرست میں یہ لکھنا بھول گئے ہیں کہ حضرت عثمانؓ عبشمی نے فلاں فلاح غزوہ میں رسول ہاشمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتنی اتنی مالی امداد فرمائی تھی۔

یہ اُموی عبشمی اور ہاشمی کی بھول بھلیاں میں مبتلا ہو کر درویش صاحب موصوف اہل السنّت و الجماعت میں پھر ایک ذہنی تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ صرف نسلی بنیاد پر سوچنا اور قوم کو اس طرف لگانا شیعوں کا طریق کار ہے اور اس میں تقابلی حیثیت سے وہ زیادہ اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

(ا) حضرت ابوالعاص اُموی کی جزوی فضیلت مذکورہ حدیث سے تو آپ نے پیش کر دی لیکن صحیح بخاری میں حضرت علی المرتضیٰ کے جو مخصوص فضائل بلا ان نبوت مذکور ہیں، پیش نہیں کیے۔ حضرت علی المرتضیٰ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ مہاجرین اوّلین میں شامل ہیں۔ سوائے غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں شامل ہیں۔ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ بیعت رضوان والوں میں ہیں اور پھر عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور قرآن حکیم کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔

(۲) بنی ہاشم کے جلیل القدر اصحاب میں سے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حمزہ، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عقیل، حضرت جعفر طیار،

حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خاندانی اور نسبی اعتبار سے خود سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ہیںؐ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور سوائے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے فتح مکہ تک کوئی اُموی اور عبشمی نمایاں شخصیت صحابہ کرام میں موجود نہیں۔ بے شک حضرت عثمان ذوالنورین کے علاوہ حضرت ابوسفیان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جلیل القدر صحابی ہیں اور جنتی ہیں لیکن یہ دونوں حضرات مہاجرین اوّلین میں سے نہیں ہیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ شرف صحابیت کے بعد ان کی توہین کرنے والا یقیناً بد بخت ہے لیکن نسلی اور نسبی حیثیت سے تو آپ ان کو دوسرے ہاشمی حضرات کے مقابلے میں شیعوں کے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ اُموی تو اُموی ہیں یہاں تو حضرت بلال حبشی اور حضرت صہیب رومی کو بھی وہ ارفع و اعلیٰ مقام نصیب ہوا جس سے ابولھب ہاشمی محروم رہ گیا۔ علماء پر لازم ہے کہ وہ اُموی اور ہاشمی کے چکر سے نکل کر قرآن کے اس بنیادی اصول کی قوم کو تعلیم دیں کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بندہ وہ مکرم ہے جو زیادہ متقی ہے) اس آیت نے محض نسلی تفاخر کی جو جڑ کاٹ دی ہے۔ سارے ہاشمی اچھے نہیں اور سارے اُموی بُرے نہیں۔ ان کے مراتب ایمان و تقویٰ کی بنیاد پر ہیں۔

(۴) مفتی صاحب کا پڑیا کا زیرِ بحث مضمون میں نے پہلے نہیں پڑھا تھا لیکن قاضی شمس الدین صاحب نے حضرت فاطمۃ الزہراء کی چھوٹی صاحب زادی اور حدیث فاطمة بضعة منی کی وجہ سے ان پر جو اعتراض کیا ہے، غلط ہے۔ فاطمة بضعة منی بخاری شریف میں ہے اور اگر شیعہ اس کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبر پر طعن کرتے ہیں تو اس وجہ سے کیا ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ شیعہ کیا آیات سے غلط استدلات نہیں کرتے۔ تو کیا آیات قرآنیہ محلِ اعتراض سمجھی جائیں گی۔ شیعہ تو حدیث قرطاس وغیرہ کی وجہ سے صحابہ کرام کو مطعون کرتے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کے مخصوص فضائل جو احادیث سے ثابت ہیں۔ ہم اہل السنّت والجماعت تسلیم کرتے ہیں۔

ع گر فرق مراتب نہ کُنی زندیقی۔

(۵) مفتی صاحب کا پڑیا موصوف نے اپنے اس زیر بحث مضمون میں جو یہ لکھا ہے کہ:۔ وہ فاطمۃ الزہراء کہ جن کے والد بحر و بر کے مالک تھے۔ الخ۔ یہ محل نظر ہے کیوں کہ مالک بحر و بر صرف ایک اللہ ہے جو خالق کائنات ہے۔ مالک ارض و سماوات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں۔ خاتم النبیین ہیں۔ امام الانبیاء والمرسلین، سید الکائنات ہیں اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن صفات خداوندی میں شریک نہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ قاضی درویش صاحب موصوف نے اس میں اعتراض نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں ایک ہی مسئلہ سمایا ہوا ہے کہ فلاں اُموی ہے اور فلاں ہاشمی ہے۔

نئے یزیدی

میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) میں بعض نئے حامیان یزید کے نام پیش کیے تھے، مثلاً شاہ بلیغ الدین وغیرہ۔ اور قاضی شمس الدین صاحب موصوف کا نام اس فہرست میں نہیں لکھا تھا۔ حالاں کہ میں جانتا تھا کہ وہ بھی یزیدی ہیں۔ اس اُمید پر کہ شاید وہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی برکت سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحقیق کو ہی تقلیداً قبول کر لیں لیکن اب تو وہ خود علمبردار یزیدیت بن کر میدان میں آگئے ہیں۔ یزیدی ٹولہ کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ میرے ساتھ تحریری بحث ہیں، وہ زک اُٹھا چکے ہیں تو ہرگز ان کو اس آزمائش میں نہ ڈالتے، لیکن تدبیر پر تقدیر غالب آجایا کرتی ہے۔ تدبیر کند بندہ۔ تقدیر کند خندہ

درویش صاحب کیسے محقق ہیں

مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش نے یزید کی بحث میں مجھے لکھا تھا

کہ:...... جب حضرت نعمان بن اثیر رضی اللہ عنہ مدینہ سے ناکام واپس گئے اور مدینہ کی صورتِ حال یزید کو بتائی گو یزید نے مشہور مخضرم صحابی حضرت مسلم بن عقبہ کو بلایا، نیز یہ لکھا کہ:۔ اس فوج کے افسرِ اعلیٰ تو حضرت مسلم بن عقبہ تھے۔ الخ ۲۰ مئی ۹۳ء چونکہ محمود احمد عباسی نے مسلم بن عقبہ کو صحابی لکھا ہے، اس لیے قاضی درویش صاحب موصوف نے اس پر اعتماد کر کے لکھ دیا کہ مسلم بن عقبہ مخضرم صحابی ہے۔ میں نے ان کی تغلیط کرتے ہوئے اپنے جوابی مکتوب محررہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ میں یہ لکھا کہ:...... مخضرم تو کوئی صحابہ کی قسم ہی نہیں ہے، کاش کہ آپ الاصابہ (مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانی) کا خطبہ ہی دیکھ لیتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ (القسم الثالث) فیمن ذکر فی الکتب المذکورہ من المخضر مین الذین ادرکوا الجاھلیه والاسلام وَلم یرو فی خبر قط انهم اجتموا باالنبی صلی اللّٰه علیه وعلیٰ وآله وسلم وَلا رواہ سواءٌ اَسلموا فی حیاته ام لاو ھئولآء یسوا اصحابه باتفاق من اھل العلم بالحدیث الخ:۔ اور قسم ثالث ان کی ہے جو مذکورہ کتب میں مخضر مین میں شمار کیے گئے ہیں، جنہوں نے جاہلیت (کفر) اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا ہے اور ان کے بارے میں کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور نہ یہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ خواہ وہ آپ کی حیات میں اسلام لائے ہیں یا نہ۔ تو یہ لوگ بالاتفاق علمائے حدیث کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے نہیں ہیں۔ الخ۔ یہ ہیں قاضی صاحب درویش جو اس بحث سے پہلے مخضرم کا مطلب ہی نہیں سمجھتے تھے۔

ایک یزیدی لطیفہ

اسی عنوان کے تحت میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۳۸۳ پر لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ کے حوالہ سے ابن زیاد کی گستاخی

کے متعلق بخاری شریف کے یہ الفاظ پہلے نقل کیے گئے ہیں کہ:۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال انی عبید اللہ بن زیادہ برأس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیئًا الخ یعنی حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر عبید اللہ بن زیادہ کے پاس ایک طشت (تھال) میں رکھ کر لایا گیا اور اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کے بارے میں کچھ کہا الخ حامیان یزید میں سے ایک صاحب نے جعل ینکت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ:...... ابن زیادہ نے آپ کی خوب صورتی کے متعلق کچھ نکتے بیان کیے" خوب کیا عجیب نکتہ سنجی ہے کہ حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک ابن زیادہ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور وہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف کر رہا ہے۔ قتل کرانے والا بھی وہی۔ سر کٹوانے والا بھی وہی اور طشت میں سر مبارک ڈلوا کر آپ کے حسن و جمال پر نکتے بیان کرنے والا بھی وہی۔

؎ وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا...... عربی لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے:۔ النکت ان تضرب فی الارض بقضیب فیوثر فیھا۔ نکت اس کو کہتے ہیں کہ تو زمین میں چھڑی مار کر کرید دے، اور حضرت امام حسینؓ کے کسی حصہ کو ابن زیاد کے چھڑی مارنے کا قرینہ مسند احمد بن حنبل کی روایت کے یہ الفاظ ہیں جو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیے ہیں (جلد ۸، ص ۱۹۰)۔ فجعل فی طست فجعل ینکت علیہ۔ پس حضرت حسینؓ کا سر ایک تھال میں رکھا گیا اور ابن زیاد چھڑی سے اس پر ٹھونکے مارنے لگا، یہاں علیہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ معلوم ہوا کہ نکت کا معنی ہی چھڑی سے ٹھونکے مارنا ہے اور راویوں نے اس کا مطلب ہی واضح کیا ہے الخ۔ قارئین کی واقفیت کے لیے عرض ہے کہ مذکورہ یزیدی لطیفہ بیان کرنے والے حامی یزید مولانا قاضی شمس الدین صاحب نقشبندی موصوف ہی تھے۔ میں نے پردہ پوشی کرتے ہوئے ان کا نام نہیں لکھا تھا لیکن اب ان کو بے

نقاب کرنے کی ضرورت پڑگئی۔ و اللہ الھادی

(۳) قاضی شمس الدین صاحب موصوف نے اپنے مکتوب محررہ یکم رجب ۱۴۰۵ھ میں یزید کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے لکھا کہ:۔ اس کی صفائی حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ نے دی۔ متولد ۸ھ متوفی ۸۴ھ جن کے سامنے یزید پیدا ہوا اور سامنے ہی فوت ہوا۔ یہ اُمویوں کے جرنیل تھے۔ یزید کی زندگی کے چشم دید گواہ تھے۔ الخ۔ اس کے جواب میں اپنے مکتوب محررہ ۲۷ رجب ۱۴۰۵ھ میں بندہ نے یہ لکھا کہ

:...... آپ نے مہلب کو صحابی قرار دے کر تحقیق کا ایک نیا باب کھول دیا جو صدیوں سے بند تھا۔ جناب...... بخاری کی حدیث مـغـفـورٌ لھُمْ کی بحث میں شارحین حدیث نے المـھلب کا قول پیش کیا ہے۔ یہ مہلب صحابی نہیں ہیں جن کا تذکرہ آپ نے اصابہ وغیرہ کتب میں پڑھا ہوگا بلکہ یہ مہلب بن احمد بن اُسد الاسدی بن ابی صفرہ متوفی ۴۳۵ھ ہیں۔ اور اس کے لیے میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کی کتاب اظہار حقیقت جلد دوم ص ۷۵ پر حاشیہ کی عبارت بھی پیش کی تھی۔ کہ مہلب جو بخاری کے شارح ہیں، یہ صحابی نہیں ہیں۔ اور ان کا سالِ وفات ۴۳۵ھ ہے۔ اس کے بعد میں نے قاضی درویش صاحب موصوف سے خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

حضرت۔ آپ اس قسم کی اپنی جدید تحقیقات کو کہیں شائع نہ کردیں کہ پھر روافض سے گلوخلاصی مشکل ہوجائے گی۔ الخ یہ ہیں ہمارے محقق درویش جو نقیب ختم نبوت کے دفاع میں ھل من مبارز کا نعرہ مارتے ہوئے قلمی معرکہ میں کود پڑے ہیں۔ موصوف کی اور بھی اسی طرح کی من گھڑت تحقیقات ہیں جن کو ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

یزید سے محبت اور مناسبت بھی نہیں۔ درویش

درویش صفت قاضی صاحب موصوف مجھے اپنے مکتوب محررہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ء میں لکھتے ہیں...... فقیر کو بحمد اللہ یزید کے ساتھ قطعاً کوئی لگاؤ یا مناسبت نہیں ہے۔ سیدنا حضرت امام حسینؓ کی جوتیوں میں بیٹھنے کی سعادت بھی اگر یزید کو حاصل ہو جاتی تو یہ اس کا شرف ہوتا...... اسی طرح یزید کے والد اور دادا باوجود جلیل القدر صحابی ہونے کے خلیفہ راشد چہارم امیر المومنین سیدنا حضرت علی کے فضائل و سوابق کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے اور اور یہی از صدر اول تا امروز تمام مسلمانانِ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے...... اور پھر یزید قرن اول کے طبقہ علیا کے تابعین کا فرد ہے اور غزوہ قسطنطنیہ کا قائد ہو گزرا ہے۔ الخ

(۲) اور پھر اپنے مکتوب یکم رجب ۱۴۰۵ھ میں لکھتے ہیں:۔ فقیر نے پہلے بھی لکھا کہ۔ بحمد اللہ فقیر کو یزید سے کوئی مناسبت یا محبت نہیں تاہم وہ مومن تو تھا، اس لیے اس کی عزت کا سبائیوں کے مسموم حملوں سے تحفظ مناسب سمجھتا ہے اور بس۔ کیوں کہ اس کی مذمت اور فسق کو آڑ بنا کر نا سمجھ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتے ہیں اور پھر حضرت عثمانؓ تک جا پہنچتے ہیں۔ الخ

(۳) موصوف مکتوب (محررہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۸۵ء میں لکھتے ہیں: سیدنا حضرت معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے کوئی مقابلہ نہیں۔ اور نہ ہمارا حضرت معاویہؓ سے کوئی مقابلہ ہے۔ اور یزید کا تو حضرت حسینؓ کے مقابلے میں ذکر بھی بے ادبی ہے"۔

تبصرہ

میں نے درویش صاحب موصوف کے مکتوب ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ کے جواب میں لکھا کہ حضرت آپ نے یہ بھی عجیب بات فرمائی۔ جب آپ یزید کو صالح اور عادل مانتے ہیں اور اس کا دفاع بھی بہر حال کر رہے ہیں تو پھر عدم

مناسبت اور عدم تعلق کا کیا مطلب، بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست۔ ایک صالح اور عادل خلیفہ سے تو شرعاً لگاؤ اور مناسب ضروری ہے۔"

درویشانہ چال

قاضی شمس الدین صاحب درویش ادھر تو یہ لکھ رہے ہیں کہ مجھے یزید سے محبت نہیں اور نہ ہی مناسبت ہے۔ اور باوجود اس کے یزید کے مناقب میں ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے مضمون میں کتنے صفحات سیاہ کر رہے ہیں۔ اور جواب الجواب میں بھی عجیب وغریب لطائف پیش کرتے ہیں۔

مثلاً...... حضرت مولانا محمد امین شاہ صاحب رحمہ اللہ مخدوم پوری نے "جاہلانہ جسارت" میں امیر شریعت کا یہ قول پیش کیا تھا کہ "کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا"۔ تو اس کے جواب میں درویش صاحب موصوف بعنوان یزید کے نام کی بحث لکھتے ہیں:...... اپنی جاہلانہ جسارت کے ص ۱۳ پر مولوی امین صاحب نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک روایت منسوب کی ہے کہ آپ نے فرمایا:...... کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا اور یہ بھی کہ حضرت امیر شریعت نے یزید کو پلید کہا ہے۔ یزید کا لفظ کوئی ایسا نجس اور ناپاک لفظ تو نہیں جو زبان پر ہی نہ لایا جا سکے۔ خود قرآن میں جابجا یہ لفظ اپنے لغوی معنی اور صیغہ مضارع واحد مذکر غائب میں آتا ہے مثلاً یزید فی الخلق مایشاء ...... اور یزیدھم من فضلہ وغیرہ۔ پھر سینکڑوں صحابہ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین۔ محدثین اور اولیاء یزید کے نام کے ہو گزرے ہیں (تفصیل کے خواہش مند حضرات کتب اسماء الرجال۔ فصل الیاء میں یزید نام تلاش کر لیں۔ اصل بات تو وہی ہے جو ہم واضح کر آئے ہیں کہ ایرانی سبائیوں نے نہایت منصوبہ بندی سے بنو اُمیہ کے متعلق عموماً اور حضرت امیر معاویہؓ اور یزید کے متعلق خصوصاً گالی گلوچ کا جو عالمگیر طوفان بپا کیا، اس کا مقصود ہی یہ تھا کہ معاویہؓ و یزید کے ناموں کو گالی بنا دیا جائے۔ الخ

(نقیب ختم نبوت ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ ص ۳۵)

تبصرہ

(۱) درویش صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی امین صاحب رحمہ اللہ نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف ایک روایت منسوب کی ہے" ویسے ہی یہ روایت منسوب نہیں کی گئی بلکہ یزید کے بارے میں مذکورہ الفاظ حضرت امیر شریعت کے اس بیان کے ہیں جو آپ نے ہائی کورٹ لاہور میں دیا تھا۔ اور "جاہلانہ جسارت" میں ہائی کورٹ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔ خود عطاء المحسن صاحب کے والد ماجد امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نور اللہ مرقدہ نے ہائی کورٹ لاہور میں بیان دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا" (مقدمات امیر شریعت ص ۷ مرتبہ مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری) اور یہ حوالہ درج کرنے والے بھی جناب مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب بخاری ہیں جو سید عطاء المحسن صاحب کے بڑے بھائی ہیں۔ درویش صاحب نے قارئین کو دھوکا دینے کے لیے مندرجہ زیرِ بحث الفاظ کا حوالہ نہیں لکھا کہ یہ مقدماتِ امیر شریعت کے الفاظ ہیں۔ (۲) درویش صاحب نے لفظ یزید کی گردان شروع کر دی ہے، حتیٰ کہ قرآن مجید کی آیات سے لفظ یزید ثابت کیا ہے۔ حالاں کہ یہ انتہائی درجے کی درویشانہ تلبیس ہے اور العیاذ باللہ قرآن سے لفظِ یزید کی عظمت ثابت کی ہے اور اسی طرح کا ثبوت پیش کیا ہے جس طرح شیعہ قرآن کا بعض آیات سے حضرت علیؓ کا نام ثابت کرتے ہیں۔

مثلاً ...... وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم ...... حالاں کہ بحث لفظ یزید میں نہیں ہے، نہ ہی ماضی اور مضارع کی بحث ہو رہی ہے بلکہ بحث یزید بن امیر معاویہؓ کی شخصیت کے بارے میں ہے اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ ایک مقدمہ میں زیرِ دفعہ ۳۰۲۔ ۱۱۷۔ ۱۲۴ الف۔ ۵۳ تعزیرات ہند گرفتار تھے۔ اس مقدمہ میں ایک سال سات ماہ ۴ دن حوالات میں رہے۔ ۵ اپریل ۱۹۴۰ء کو ہائی کورٹ لاہور

میں آپ کا بیان ہوا۔ اور انگریز چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ نے آپ پر خود جرح کی۔ جس کی تفصیل مقدمات امیر شریعت میں موجود ہے۔ چیف جسٹس کے ایک سوال کے جواب میں سید عطاء اللہ شاہ نے کہا کہ میں نے ہرگز نہیں کہا تھا کہ انگریزوں کو اس طرح قتل کر دو جس طرح یزید نے حسینؓ کی فوجوں کو قتل کیا...... جہاں تک حسینؓ اور یزید کا تعلق ہے آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو یزید کہا اور انگریزوں کو حسینؓ۔ ایسا ہرگز نہیں۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔''

(مقدمات امیر شریعت ص ۲۵۷)

فرمایئے درویش صاحب ہائی کورٹ کے بیان میں لفظ یزید کی بحث ہے یا اس یزید کی جس کی فوجوں نے حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں بات سبائیوں کے پروپگینڈے کی نہیں ہے بلکہ بات حضرت امیر شریعت کے بیان اور ان کے الفاظ پر ہو رہی ہے۔ جو سرکاری ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ (۳) قاضی درویش صاحب امیر شریعت کے مذکورہ الفاظ کی ایک عجیب وغریب تاویل کی ہے۔ فرماتے ہیں: ''اور پھر حضرت امیر شریعت کے اس جملہ سے محض بیان واقعہ بھی تو مقصود ہو سکتا ہے کہ آج اذہان اس قدر مذموم ہو چکے ہیں کہ کوئی مسلمان یزید نام رکھنے کا روادار نہیں'' (نقیب ص ۳۶) ہائیکورٹ کے مذکورہ بیان میں یہ تاویل چل نہیں سکتی کیوں کہ امیر شریعت نے یزید کی شخصیت سے اپنی بیزاری کے اظہار کے لیے یہ الفاظ فرمائے ہیں اور اس کی دلیل آپ کا یزید کے بارے میں ایک شعر بھی ہے جس کے بارے میں ''جاہلانہ جسارت'' ص ۱۳ پر یہ لکھا ہے: علاوہ ازیں امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی فارسی نظم میں یہ شعر بھی لکھا ہے:

ہر کہ بدگفت خواجۂ مارا۔ ہست او ربیگماں یزید پلید۔

فرمائے اب کوئی درویشانہ تاویل یہاں کارگر ہو سکتی ہے۔ امیر شریعت کی یہ نظم ''کتاب حضرتِ امیر شریعت کے علمی اور تقریری جواہر پارے'' ص ۱۴۸ پر

منقول ہے اور اسی کتاب کے ص ۱۰۰ پر لکھا ہے کہ ایک شیعہ مولوی آپ کی خدمت میں آئے۔ جب وہ چلے گئے تو: حاضرین میں سے کسی نے مزاحاً کہا کہ شاہ صاحب۔آپ نے حافظ صاحب کی بڑی آؤ بھگت کی۔شاہ جی نے دونوں ہاتھ فرش پرٹکا کر گردن جھکا دی اور آہ بھر کر فرمایا۔ہاں، حضور علیہ السلام کی عزت کے تحفظ کے لیے جو بھی ہمارا ساتھ دے گا میں اس کا پانی بھرنے کو تیار ہوں۔شاہ جی نے سر اٹھایا تو ایک دوسرے صاحب نے ازراہ تفنن کہا۔شاہ جی مجھے تو اس میں ایک اور پہلو بھی نظر آتا ہے۔شاہ جی نے دریافت فرمایا: کیا،اس نے کہا سید کوئی بھی ہو اندر سے آدھا شیعہ ہوتا ہے۔

شاہ جی نہ قہقہہ لگایا اور فرمایا...... مگر تجھے یہ معلوم نہیں کہ جو سنی ہوتے ہوئے اندر سے سادات کا دشمن ہو وہ پورا یزید ہوتا ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شاہ جی یزید سے متنفر تھے۔باقی رہی قاضی صاحب درویش کی یہ بات کہ: حضرت امیر شریعت فن خطابت کے بادشاہ تھے۔مجاہدین آزادی کے قائد سالار تھے۔ بزرگان دین میں بہت ممتاز تھے۔لیکن مورخ اور محقق نہیں تھے (نقیب ص ۳۶)

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ مورخ اور محقق ہیں؟ آپ کا مورخ اور محقق ہونا تو آپ کے پیش کردہ خطوط سے ہی معلوم ہو گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ تمام اکابر دیو بند۔حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کا خاندان۔اور ان سے پہلے امام ربانی مجدد الف ثانی اور جمہور محدثین منتظمین اور مورخین یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔کیا آپ کے نزدیک ان میں سے کوئی بھی مورخ اور محقق نہیں ہے آپ کی اصطلاح میں یہ سارے سُن مُن ہی ہیں۔ایک آپ ہی ہیں، آپ کے چند حواری جو ہوشمند اور دانشور ہیں۔آپ حافظ ابن کثیر کو مورخ اور محقق مانتے ہیں۔لیکن یزید کے بارے میں ان کا مسلک وہی ہے جس سے آپ پریشان ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں۔بل قد کان فاسقًا (البدایہ والنهایہ ص ۲۳۲، ج ۸):

بلکہ یزید یقیناً فاسق تھا اور مشہور مورخ علامہ ابن خلدون کے نزدیک دور صحابہ میں بھی فسق یزید متفق علیہ تھا چنانچہ لکھتے ہیں:

مگر حضرت حسینؓ کا معاملہ یہ ہے کہ جب اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق ظاہر ہو گیا تو کوفہ سے اہل بیت کے حامی لوگوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں تشریف لے جائیں تو وہ اُن کے مقصد کو قائم کریں گے (اس وجہ سے) حضرت حسینؓ کی رائے ہوئی کہ یزید کے فسق کی وجہ سے اس کے مقابلے میں نکلنا تو متعین ہو گیا اور خصوصاً جب کہ آپ کو اس پر طاقت بھی حاصل ہے اور آپ نے اپنے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ اس کی اہلیت بھی رکھتے ہیں اور آپ کے پاس اس کے لیے قوت و شوکت بھی ہے۔ مگر اہلیت تو اس سے بھی زیادہ تھی جس کا آپ کو گمان تھا۔ لیکن طاقت و شوکت کا اندازہ لگانے میں آپ سے غلطی ہو گئی۔

(مقدمہ ابن خلدون) (مترجم جلد دوم) اور ابن خلدون عربی متن جلد اول کے الفاظ یہ ہیں: واما الحسین فانہ لما ظھر فسق یزید عند الکافۃ من اھل عصرہ الخ (ص ۲۱۲) فرمایئے۔ کیا آپ مورخ ابن خلدون کی یہ تحقیق مانتے ہیں؟۔

خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) میں فسق یزید پر مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے اور یزیدی جو استدلال پیش کرتے ہیں ان کا بھی ابطال کر دیا گیا ہے، اور انشاء اللہ اس مضمون کی قسط دوم میں قاضی درویش صاحب موصوف کے ان دلائل پر مزید تبصرہ کیا جائے گا جو نقیب ختم نبوت کی زینت بنائے گئے ہیں۔

یزیدی جونک

قاضی شمس الدین صاحب درویش اپنے مکتوب محررہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۸۵ء میں تحریر فرماتے ہیں۔ آپ نے اس تازہ مکتوب میں فقیر کے متعلق خاص فکرمندی کا اظہار فرمایا ہے کہ کہیں یزیدی آپ کا گھیراؤ نہ کر

لیں'' فقیر اس فکر مندی پر آپ کا شکر گزار ہونے کے بعد دینی استقامت کے لیے دعاؤں کا خواستگار ہے اور یہ بھی اطمینان رکھیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ اس فقیر کو آپ کے مبینہ یزیدیوں کی جونک نہیں لگ سکتی الخ۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ موصوف دور حاضر کے بعض یزیدیوں سے متنفر ہیں۔ اور ان کو یزیدی جونکیں قرار دیتے ہیں اور اپنے خطوط میں یہ بھی فرما رہے ہیں (جیسا کہ پہلے حوالہ گزر چکا ہے) کہ ان کو یزید سے کوئی لگاؤ اور محبت نہیں ہے'' اس سلسلے میں ہماری گزارش تو یہی ہے کہ آپ بڑھاپے کے آخری قیمتی لمحات اس شخص کے دفاع میں خواہ مخواہ صرف نہ کریں۔ جس سے آپ کو دلی محبت نہیں ہے۔ اور غالی حامیان یزید سے یہ گذارش ہے کہ آپ اب کوئی ایسا محقق حامی یزید تلاش کریں جو دل سے یزید سے محبت رکھتا ہو۔ ممکن ہے وہ آپ کے کام آسکے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

دیوبند سے پاکستان کا بیت الخلا اچھا ہے (عطاء المحسن)

حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتابچہ ''جاہلانہ جسارت'' ص ۱۳ پر یہ بھی لکھا تھا کہ: سید عطاء المحسن بخاری نے شوال ۱۴۰۳ھ بمقام تلہ گنگ (اب ضلع چکوال ہے) مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ: میں دیوبندی نہیں ہوں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مجھے فخر ہے اس بات پر کہ میں دیوبندی نہیں ہوں (پھر پنجابی نے ارشاد فرمایا) ''کہ نیک بختا پاکستان دا بیت الخلا دیوبند نالوں پاک ہے'' یعنی پاکستان کا بیت الخلا دیوبند سے پاک ہے (اس تقریر کی کیسٹ ہمارے پاس موجود ہے) الخ۔ اس کے جواب میں مولانا قاضی صاحب درویش فرماتے ہیں...... محاورہ ہے۔ ساون کے اندھے کو ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ ابن امیر شریعت مولانا سید عطا المحسن صاحب بخاری کے خلاف الزامات کی سابقہ فہرست سے جب قاضی جی کی تسلی خاطر نہ ہوئی تو شاہ صاحب کو مزید بدنام کرنے کے لیے لکھا کہ بخاری شاہ صاحب نے تلہ گنگ کی

تقریر میں کہا کہ پاکستان کا بیت الخلا دیو بند سے اچھا ہے''۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں۔ بیت الخلا ہی وہ جگہ ہے جہاں مولوی محمد امین شاہ اور قاضی صاحب ایسے لوگوں کی مشکل کشائی ہوتی ہے اور ذی علم لوگ سکون پاتے ہیں۔ ویسے چک والی لوگ خوب واقف ہوں گے کہ عربی میں بیت الخلاء کو مُستراح کہتے ہیں۔ یعنی راحت کی جگہ اور تمام ذی علم مسلمان راحت پانے کے بعد یہ پڑھتے ہیں۔ کہ (یقیناً مولوی محمد امین شاہ اور قاضی صاحب بھی پڑھتے ہوں گے) غفرانکَ. الحمد لِلہِ الذِی اذھب عَنِّی الاذیٰ وَعافانی ،ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہماری اذیت دور فرمائی اور ہمیں عافیت بخشی۔ مولوی محمد امین شاہ اور ان کے اسوۃ الصلحاء صاحب فرمائیں کہ پاکستان کا اتنے فوائد والا بیت الخلاء دارالحرب ہندوستان میں مندروں اور مورتیوں کی پوجا پاٹ والے شہر دیو بند سے بہتر ہے کہ نہیں۔ بخاری صاحب نے اگر ایسا کہا بھی ہے تو دیو بند شہر کے دارالعلوم کے بارے میں ہرگز نہیں کہا بلکہ اس کی حربی نسبت کی بنیاد پر ایسا کیا ہے جس کی تفصیل اسی تلہ گنگ کی تقریر میں موجود ہے لیکن برا ہو اس عداوت وبغض کا یہ آدمی کو اندھا کر دیتی ہے اور اس اندھے پن پر دونو بزرگ (چک والی اور مخدوم پوری) مبارک باد کے مستحق ہیں۔ (نقیب ص ۱۹،۲۰)

الجواب

(۱) کیا عجیب درویشانہ نکتہ سنجی ہے قارئین محفوظ ہوں گے۔ یہ موصوف کی مخبوط الحواسی کی ایک نرالی مثال ہے اور دارالحرب ہندوستان میں بھی تو بیت الخلا ہیں اور جناب درویش صاحب کو اگر وہاں جانا پڑے تو وہاں کے بیت الخلاؤں یعنی راحت گاہوں مین آرام فرمائیں۔

(۲) اگر دارالحرب ہونے کی وجہ سے مذکورہ بول نکالا ہے تو کیا دیو بند ہی کی مثال دینی ضروری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سید عطاء المحسن صاحب موصوف نے

اس کو دار العلوم دیو بند پر ہی چسپاں کیا تھا۔ اور ان کی تقریر کے سیاق وسباق سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ تقریر میں فرمایا۔ تم بڑے مولوی بنے پھرتے ہو۔ بڑے چودھری اسلام کے ابا جان...... اسلام گویا کہ تمہاری اما جان کے دودھ میں آیا اور باقی کسی کی ماں کے دودھ میں نہیں آیا۔ کوئی حق نہیں ہے تمہیں ہمیں بُرا کہنے کا۔ اپنی زبانوں کو کنٹرول کرو، روکو اپنے قلم کو۔ سات سات سو صفحے کی کتابیں لکھتے ہو۔ اس لیے کہ تمہارے پاس سرمایہ بہت ہے اپنی کتابوں کو بند کرو اپنے ڈبے میں۔ اس قسم کے کبوتر تو ہم نے بہت سے اڑتے ہوئے دیکھے۔ اور لوگوں کے کھڈوں پر بیٹھتے اور ذبح ہوتے دیکھے۔ کتابیں لکھنے سے رعب ڈالتے ہو کیا ہو جائے گا۔ البدایہ، سنو مولانا کرام، یہ ہے البدایہ والنہایہ، نہ میرے باپ کی لکھی ہوئی ہے۔ نہ کسی دیو بندی کی لکھی ہوئی ہے۔ میں دیو بندیت کو معیار اسلام نہیں سمجھتا۔ کان کھول کے سن لو۔ نہ میں بریلویت کو مدار اسلام سمجھتا ہوں، نہ میں اہلِ حدیث کو مدار اسلام سمجھتا ہوں۔ سب ہندوستانی مذہب ہیں۔ ان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ اسلام کے ماتحت اور محتاج ہیں۔ ان کے ماتحت نہیں ہے اسلام۔ اگر کچھ دیو بندیوں کو غلط فہمی ہے کہ اسلام ہمارے ماتحت ہے تو میں نہیں اس کو قبول کرتا۔ ہاں تمہاری دیو بندیت اگر اسلام کے مطابق ہو گی تو قابلِ قبول ہے۔ اگر تمہاری دیو بندیت اسلام سے ٹکراتی ہے تو میں قبول نہیں کرتا۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی بات رد کی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ کی حدیث کے مقابلے میں تو تمہاری دیو بندیوں کی بات رد نہیں کی جا سکتی۔ تم دیو بندی آسمان سے پٹہ لکھوا کے لائے ہو، حق وصداقت کا اور باقی حق وصداقت کائنات میں نہیں ہے۔ واہ کیا فلسفہ ہے۔ یونہی ہیں بریلوی مولوی تمہارے پاس رسول کا لکھا ہوا ہے کہ تم حق پر ہو، باقی سب باطل ہیں۔ پاگل کہیں کے۔ جاہل اکٹھے ہو رہے ہیں۔ حیوانوں والا کام کرنے کے بعد دعویٰ کرتے ہو کہ تم اسلام کے علم بردار اور اس کائنات میں تم اسلام کا پھریرا لہرانا چاہتے ہو۔ کرتوت تمہارے یہ

ہیں کہ تم اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے...... اور تم یہ اہلِ حدیث بھائی تمہارے پاس تو اللہ تعالیٰ نے گلے میں پٹہ ڈال دیا ہوگا۔ اوپر لکھ دیا ہوگا۔ اہل حدیث میڈ بائی اللہ...... میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں دیوبندی نہیں ہوں...... نہیں ہوں...... نہیں ہوں...... نہیں ہوں۔ لے جاؤ دیوبندیت کو بھی میں مسلمان نہیں رہا۔ واہ بڑے اسلام کے چودھری لَا اِلٰہ اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ میں دیوبندی نہیں ہوں۔ مجھے فخر ہے اس بات پر کہ میں دیوبندی نہیں ہوں۔ میرا باپ بھی دیوبندی نہیں تھا۔ میرا دادا لکڑ دادا۔ ہم میں سے کسی نے بھی دیوبند نہیں پڑھا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی دیوبند میں پڑھے تھے۔ او دیوبندیو۔ اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اللہ تہاڈے حال تے رحم کرے...... اللہ تہانوں شعور عطا فرمائے۔ اللہ تہانکو اسلام کی وسعت دے۔ مطابق دل دے۔ وسعت ودھادوں دی توفیق دیوے۔ کے دے دیوبند۔ ہُن تو نیک بختا کراڑی ڈائن ہندورَن دی حکومت اے۔ اوہ تو گتی توں زیادہ ناپاک رَن دی حکومت اے تہاڈے دیوبند وچ۔ پاکستان کا بیت الخلاء دیوبند توں زیادہ پاک اے...... انج بریلی بھی۔ انج دلی۔ رام پور۔ امروہہ سب گئے اندر گاندھی کول او دارالحرب اے۔ ایہہ دارالمسلمین اے۔ اوہ دارالنجاست اے۔ ایہہ دارالتطہیر اے۔ پاکستان دے مقابلے وچ انڈیا دی کیا حیثیت اے۔ پورا انڈیا۔ سارا دیوبند۔ مظاہر العلوم سہارنپور۔ دلی۔ امروہہ الہ آباد۔ کلکتہ دلی جنتے اس دے عالی شان علاقے ہیں۔ ساڈے پاکستان دے مقابلے وچ وطنی نقطہ نگاہ نال اس دی کیا حیثیت اے۔ کیا فخر اے۔ الخ

الجواب (۱) اس تقریر میں دارالحرب اور دارالاسلام کی بات تو آخر میں کی ہے۔ مذکورہ عبارت کے شروع میں جو کہا ہے کہ:۔ سات سات سو صفحے کی کتابیں لکھتے ہو۔ الخ اس میں ہدف طعن بنایا گیا ہے۔ خدام کے لٹریچر کو یہ تقریر ۱۴۰۳ھ کی ہے۔ اس سے قریباً ایک سال پہلے ۱۴۰۲ھ میں میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اول

شائع ہو چکی تھی جس میں جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے جواب میں اصل بحث تو مسئلہ اجتہادی اختلاف کی تھی جس کا تعلق مشاجراتِ صحابہ سے ہے۔ اس میں اکابر دیوبند کا مسلک بھی اپنی تائید میں پیش کیا تھا اور محمود احمد عباسی کی علمی خیانتوں کی نشان دہی بھی کی گئی تھی۔ اس میں یزید کی ولی عہد کی بحث بھی تھی۔ خلافت راشدہ اور حق چار یار کی اصطلاح بھی زیرِ بحث آئی تھی۔ تحریکِ مدح صحابہ میں لکھنو کی مدح صحابہ کمیٹی کے تحت جو جلوس نکلے تھے۔ ان میں احرار کی طرف سے یہ شعر بھی جوش و خروش سے پڑھا جاتا تھا......

جن کا ڈنکہ بج رہا ہے چار سو لیل و نہار۔ وہ ابوبکر و عمر عثمان و حیدر چار یارؓ

(کاروائی احرار جلد ۲ ص ۴۱۲)

(۲) تقریر میں یہ کہنا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ میں دیو بندی نہیں ہوں الخ۔ قاضی درویش صاحب ہی بتائیں کہ کیا اس کی مراد یہ تھی کہ میں دیو بند کا رہنے والا نہیں ہوں۔ کیا یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ سید عطاء المحسن صاحب دیو بند کے رہنے والے ہیں یا نہیں؟ بات صاف ہے کہ تبصرہ دیو بندی مسلک پر ہو رہا تھا کہ ان نزاعی مسائل میں اکابر دیو بند کا کیا موقف ہے اور میں دیو بندی نہیں ہوں۔ اس میں صاف اقرار ہو رہا ہے کہ میں اکابر دیو بند کے مسلک کو موجودہ اختلافی مسائل میں تسلیم نہیں کرتا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سید عطاء المحسن صاحب موصوف فسق یزید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے بارے میں اکابر دیو بند کی تحقیق کے خلاف ہیں۔

(۳) اصل اختلاف تو دیو بندی مسلک سے ظاہر کرنا تھا لیکن وزن بیت کے طور پر بریلوی اور اہل حدیث کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا اور پاکستان کا دارالاسلام ہونا بھی تقریر کا موضوع نہ تھا۔ غالباً اس بیان سے شہر دیو بند کی بھی تحقیر اس لیے کی گئی کہ دیو بند کی اہمیت اور عظمت چونکہ دارالعلوم دیو بند سے

ہے، اس لیے اس شہر کو بھی قوم کی نظروں میں اس وقت گرایا جائے تا کہ دیو بندی مسلک کے امتیازی نشان کی بھی کوئی اہمیت باقی نہ رہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

بہر حال قاضی صاحب درویش کا جواب عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ کاش کہ قاضی موصوف حق پسندی کا ثبوت دیتے اور یوں یزیدی گروہ کے دھڑے میں فنا ہو کر ع

ہر چہ در کان نمک رفت نمک شُد۔ کا مصداق نہ قرار پاتے۔

مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ

مولانا قاضی شمس الدین موصوف نے مضمون کا پیٹ بھرنے کے لیے غیر متعلقہ مباحث چھیڑ دیئے ہیں۔ چنانچہ بعنوان ''قاضی صاحب کی طبعی شدت'' لکھتے ہیں...... قاضی صاحب مزاجاً تُند ہیں اور بیجا سخت گیر ہیں۔ یہ فطری شدت ان کی موروثی ہے، کیوں کہ ان کے والد ماجد مولانا کرم الدین صاحب (۱) نے بھی علمائے دیو بند کے خلاف بہت دلآ زار فتویٰ دیا تھا اور نام لے کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مرحوم کو قطعی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ مفصل فتویٰ تو مولوی حشمت علی لکھنوی کی کتاب ''الصوارم الھندیہ'' طبع دوم کے صفحہ ۱۱۱-۱۰ پر مذکور ہے اور اس کو باختصار امام اہل سنت مولانا علامہ محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی نے اپنے قیمتی رسالہ ''جواب شافی'' میں بھی نقل کیا ہے۔ گو کہ قاضی مظہر صاحب نے اپنی کتاب ''خارجی فتنہ (جلد اوّل) میں اپنے والد کی اس تکفیری فتویٰ کی خاصی لیپا پوتی کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ بے سود ہے کیوں کہ اپنے والد کے ''رجوع الی الحق'' کو بغیر کسی تحریری ثبوت کے وہ صرف اپنی شہادت سے ثابت کر رہے ہیں، حالاں کہ اصول یہ ہے کہ: ''التوبۃ علی حسب الجنایۃ ان کانت جھراً فجھراً وان کانت سِرّا فسِراً'' جب کہ یہاں گناہ تو (بارہا کا مطبوعہ ہے) اور مشتہر ہے اور توبہ گھر کے اندر کی۔ ویسے بھی بیٹے کی

شہادت باپ کے حق میں شرعاً مردود ہے...... دو گواہ ہونے چاہئیں۔ مولانا کرم دین کا یہ تکفیری فتویٰ ہم نے اس مقالہ کے آخر میں بھی بطور ضمیمہ درج کر دیا ہے اور یہ مفصل فتویٰ دو روپے کے ڈاک ٹکٹ آنے پر فقیر سے علیحدہ بھی دستیاب ہے۔ پھر خود قاضی صاحب نے پاکستان کے معمر، نامور عالم دین، یادگار اسلاف، امام اہلِ سنت حضرت علامہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی دامت معالیہم (سابق شیخ الحدیث و مہتمم ندوۃ العلماء لکھنو حال مقیم کراچی) کو اپنی تصنیف کشف ''خارجی فتنہ حصہ اوّل اور کشف خارجیت'' میں جس بھونڈے سے طریقے سے رگیدار ہے۔ ان ناپاک لفظوں پر قاضی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔ الخ (نقیب ختم نبوت ص ۱۴ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ جون ۱۹۹۰ء)

الجواب (بحث تو آپ کی میرے ساتھ ہے اور میرے والد صاحب مرحوم ۷ا جولائی ۱۹۴۶ء (مطابق ۱۸ شعبان ۱۳۶۵ھ) وفات پا چکے ہیں۔ ان کے خلاف اس بغض کے اظہار کی اس زیر بحث مضمون میں کیا ضرورت تھی اور صرف والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مذکورہ فتویٰ بھی جو حسام الحرمین کی تائید میں ہے۔ ۱۳۲۴ھ یا اس کے بعد کا ہے، کیوں کہ حسام الحرمین مترجم ۱۳۲۴ھ میں شائع ہوئی اور الصوارم الہندیہ مولفہ مولوی حشمت علی خان صاحب بریلوی (۱۳۴۵ھ) کا ہے جدید ایڈیشن ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) کا ہے جو مکتبہ فریدیہ (ضلع ساہیوال) نے شائع کی ہے اور قاضی صاحب درویش نے یہی نسخہ دیکھا ہے۔ بریلوی مسلک کے امام مولانا احمد رضا خان مرحوم کی کتاب ''حسام الحرمین'' میری پیدائش (۱۹۱۴ء) سے پہلے کی ہے۔ مجھے تو حضرت والد صاحب مرحوم کے اس فتویٰ کا علم ہی نہ تھا۔ تا کہ حضرت والد صاحب سے اس کے متعلق دریافت کرتا۔ لیکن مجھے والد صاحب نے خود شوال ۱۳۵۶ھ میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لینے کے لیے بھیجا۔ دو سال اس بندہ کو دارالعلوم دیو بند میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۳۵۸ھ میں دورہ

حدیث کی تکمیل کی۔ بخاری و ترمذی کے درس میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی تقریر میں قلم بند کر لیتا تھا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے حالات اور حضرت مدنی کے درس کے بعض ملفوظات سنائے تو والد صاحب کو حضرت مدنی سے غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جب میں قید و بند میں مبتلا ہوا تو حضرت والد مرحوم نے دُعا کے لیے حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں خطوط لکھے جن کا جواب بڑی خیر خواہی سے دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الادب کے دو (۲) گرامی نامے جو انہوں نے مجھے والد صاحب کے بارے میں سنٹرل جیل لاہور میں لکھے تھے۔ "کشف خارجیت" ص ۱۱۷۔۱۱۸ پر شائع کر دیئے ہیں۔ ایک والا نامہ حضرت والد کی وفات کے متعلق ہے جس میں شیخ الادب لکھتے ہیں۔ آپ کے والد کے انتقال کے سانحہ شدید ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ آمین۔ آپ نے علم و عقل کی روشنی میں جس طرح صبر کیا، وہ نہ صرف قابلِ تحسین ہے بلکہ لائق تقلید بھی ہے۔ الخ

(۱۴ ارمضان ۱۳۶۵ھ)

(۲) حضرت شیخ الادبؒ کے چار گرامی نامے تازیانہ عبرت" کے مقدمہ میں بندہ نے شائع کر دیئے ہیں۔ جن میں سے ایک میرے نام ہے جو اوپر نمبر (۱) میں ہے اور تین حضرت والد صاحب کے نام ہیں جس میں حضرت شیخ الادب لکھتے ہیں: جناب محترم زیدت معالیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا۔ عزیز قاضی مظہر حسین صاحب سلمہ کے حالات تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے۔ آپ کے ارشاد کے موافق ہیں۔ عزیز مذکور کو ابھی خط لکھ رہا ہوں۔ شاید وہ میرا کہنا مان لیں جس کتاب کے متعلق جناب نے فرمایا ہے۔ انشاء اللہ جلدی عزیز مذکور کے نام بذریعہ پارسل روانہ کر دُوں گا۔ قیمت روانہ فرمانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ کو ان سے زیادہ تعلق ہے تو کسی نہ کسی ادنیٰ درجہ میں میرا بھی تعلق ان سے ہے۔ حضرت مولانا

مدنی مدظلہ مراد آباد جیل میں ہے۔ اسارت کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں ختم ہو جانی چاہیے۔ الخ

(۸ شوال ۱۳۶۱ھ)

(۳) جناب محترم زیدت معالیکم۔ پس از سلام مسنون آپ کا والا نامہ صادر ہوا۔ آپ کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے عزیزم مولوی مظہر حسین سلمہ کو خط لکھا ہے۔ آپ اس کو غور سے پڑھ لیں اور اس کے بعد ان تک پہنچا دیں۔ مجھ کو اُمید ہے کہ وہ میری سفارش مان لیں گے اور چونکہ مجھ کو انتظار رہے گا۔ اس لیے اچھا ہو کہ آپ مجھ کو اس امر سے بعجلت ممکنہ مطلع فرمائیں کہ عزیز مذکور نے اس پر کیا فرمایا۔ پندرہ روپے کا منی آرڈر موصول ہوا۔ باقی میرے پاس ہیں۔ کتب خانہ اعزازیہ میں یہ داخل کر دیئے ہیں۔ آپ کا دعا گو ہوں اور اُمیدوار ہوں کہ حُسن خاتمہ کی دُعا سے فراموش نہ فرمایئے۔ (۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۶۲ھ)

(۴) جناب محترم زیدت معالیکم۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط آیا تھا۔ عزیزم قاضی مظہر حسین کے خطوط سفر کی وجہ سے میرے پاس سے ضائع ہو چکے ہیں۔ ان کا پتہ مجھے یاد نہیں۔ میں ان کو جواب نہ دے سکا۔ اگر آپ کی ملاقات اُن سے ہو تو اُن سے میرا اسلام پیش کر دیں اور معافی کی درخواست کریں۔ یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب موصوف کے لیے درخواست رہائی کی پیش کیے جانے کی تجویز ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائے۔ کل بخاری شریف کا ختم مدرسہ میں ہوا تھا۔ میں نے اس میں بھی ان کے لیے رہائی کی دُعا کی ہے۔ میں خود بھی دُعا کر رہا ہوں اور یہاں کے اکابر سے بھی دُعا کے لیے عرض کر رہا ہوں۔ اگر آپ اپنے اس خط میں عزیزم موصوف کا پتہ لکھ دیتے تو میں ان کو آج ہی خط لکھ دیتا۔ اُمید ہے کہ اب آپ خط تحریر فرمائیں تو ان کا پتہ ضرور لکھ دیں۔ والسلام (۲۲ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ)

قاضی درویش صاحب شہادت مانگتے ہیں۔ کیا مندرجہ خطوط اس بات پر شاہد نہیں ہیں کہ والد مکرم حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی خان صاحبؒ کے مابین عقیدت واحترام کا تعلق تھا۔ اگر حضرت مولانا مرحوم آخری عمر میں دیوبندی مسلک قبول نہ کرتے اور اپنے سابق فتویٰ پر قائم رہتے تو کیا میرے لیے دعا کرانے کے لیے دارالعلوم کے اکابر ہی رہ گئے تھے۔ سابق مسلک کے علماء و مشائخ موجود نہ تھے۔ کیا بریلی اور حزب الاحناف لاہور کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تھے؟

درویش صاحب کا ماضی وحال

مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش میرے نام اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ (۳ فروری ۱۹۸۵ء) میں لکھتے ہیں:...... یہ ایک حقیقت ہے کہ اذہان کو متاثر کرنے میں پروپیگنڈے کا بڑا دخل ہے۔ ایک صدی پہلے ہندوستان میں علمائے دیوبند کے خلاف گستاخ رسول (علیہ السلام) ہونے کا ملک گیر طوفانی پراپیگنڈا کیا گیا جس کی زد میں اچھے اچھے سمجھ دار لوگ بھی آ گئے۔ حتیٰ کہ آپ کے والد صاحب (عفا اللہ عنہ) نے بھی ان بزرگوں کی تکفیر کا فتویٰ دیا اور مناظرہ سلانوالی (ضلع سرگودھا) ۱۹۳۶ء میں اکابر علمائے دیوبند کی بے گناہی منکشف ہوئی اور یہ ان کی طہارت طینت تھی کہ تقریباً ۸۲ سال کی عمر کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ نے علمائے دیوبند سے عقیدت ومحبت عنایت فرمائی جس کے آپ خود چشم دید گواہ ہیں۔ اسی طرح چودہ سو سال کے مسلسل سبائیانہ پراپیگنڈے نے یزید کو کفر و فسق کی سولی پر ایسا چڑھایا کہ اچھے لوگ سبائیوں کی سی بولیاں بولنے لگے''۔

تبصرہ

جب آپ خود ۱۹۸۵ء میں میرے والد صاحب کا رجوع الی الحق تسلیم کر چکے ہیں اور وہ بھی میرے شہادت کی بنا پر (کیوں کہ میں نے آفتاب ہدایت کے

مقدمہ میں یہ حالات لکھے تھے) اور والد صاحبؒ مرحوم کی طہارت طینت کا اعتراف کر چکے ہیں۔ تو پھر ۱۹۹۰ء میں آپ میری شہادت کو رد کرتے ہوئے حضرت مولانا دبیر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنا رہے ہیں اور شیعوں کے کبتوں سے ماہنامہ نقیب ختم نبوت کو زینت دے رہے ہیں۔ آخر اس ماضی و حال کے تخالف کی بنیاد کیا ہے۔ ؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

دور حاضر کے جس پراپیگنڈے کی آپ مذمت کر رہے ہیں۔ اپنے مسلک ناحق کو پھیلانے کے لیے آپ اُسی خوف ناک پراپیگنڈے کا سہارا لے رہے ہیں۔ پہلے تو مولانا دبیر مرحوم کی طہارت طینت کے قائل ہو گئے لیکن اب وہی مولانا دبیر مرحوم آپ کے نزدیک مجموعہ عیوب بن گئے۔ یہاں علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر یاد آ گیا۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

شیعوں کا ایک کبت

قاضی صاحب درویش زیر بحث نقیب ختم نبوت ص ۱۴ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔ مولانا کرم دین کے متعلق مشہور یوں تھا کہ زمانہ جوانی میں موصوف تین طلاق کے بعد نکاح بغیر حلالہ کے جواز کا فتویٰ بیس (۲۰) روپے لے کے دیتے اور ان کے متعلق ایک پنجابی رباعی بھی مشہور تھی۔

مولوی کرم دین بھیاں دا ...... نہ پتراں دا نہ دھیاں دا
نہ سنیاں دا نہ شیعاں دا ...... اوہ جناں روپیاں ویہاں دا

میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ رباعی بھی مولانا مرحوم کی طہارت طینت کے نتیجے میں آپ نے تسلیم کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی رباعیاں اور کبت شیعوں نے بنائے تھے جو حضرت والد مرحوم کی استقامت سے پریشان رہتے تھے۔ یہ بھی وہی پروپیگنڈا تھا جس کی مذمت نقشبندی درویش صاحب خود کر رہے ہیں۔

(۲) کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ والد صاحب مرحوم تین طلاق کے بغیر حلالہ کے نکاح کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ آخر اتنی بہتان تراشی کی وجہ کیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کیا سُنی حنفی علماء آپ کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔

(۳) آپ اپنے ایک مکتوب میں حضرت والد صاحب کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ: ۱۹۳۸ء میں ٹیکسلا ضلع راولپنڈی کی کسی تقریب سے آپ کے والد ماجد مناظر اسلام حضرت مولانا کرم دین صاحب دبیر رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ایک رات گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت خاصے معمر اور کمزور تھے لیکن رفض کے متعلق معلومات بالکل تروتازہ تھیں۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کے بڑے بھائی مجاہد اسلام حضرت مولانا قاضی منظور حسین صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ اچھا تعارف تھا۔ میں اور وہ جناب صوفی شیر محمد صاحب زرگر مرحوم (میانوالی) کے مکان پر دو (۲) رات اکٹھے رہے، شہید موصوف عیسیٰ خیل سے واپس آئے تھے اور ایک بندوق بھی لائے تھے اور ان کے بعد کے واقعات تا شہادت کا اس وقت مفصل علم تھا۔ اور اب بھی ان کی دھندلی یادیں باقی ہیں رحمہا اللہ رحمۃً واسعۃ۔"

حضرت والد صاحب اور میرے بڑے بھائی غازی مولوی منظور حسین صاحب شہید کو آپ اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں اور ان کی شخصیتوں سے خاصے متاثر بھی ہیں۔ تو اب ماہنامہ نقیب میں حضرت والد مرحوم کے خلاف اس زہر افشانی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ کیا حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی محبت اور وفاداری کا بھی یہی تقاضا ہونا چاہیے تھا۔

(نوٹ) قاضی شمس الدین صاحب کے مذکورہ خط کے صرف دو صفحے میرے پاس ہیں۔ باقی اس وقت نہیں مل سکے۔ چونکہ خط کے اختتام پر موصوف تاریخ لکھا کرتے ہیں، اس لیے اس مکتوب کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

والد صاحب نے ساری عمر شیعیت اور مرزائیت کا بڑی پامردی سے

تعاقب کیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی دجال سے دو سال تک عدالت میں مقدمہ چلتا رہا جس میں گورداسپور کی عدالت سے مرزا قادیانی کذاب کو چھ ماہ قید یا پانچ سو روپے جرمانہ اور اس کے مرید حکیم فضل دین کو چھ ماہ قید یا دو سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ آخر اپیل میں ایک انگریز وکیل کی پیروی سے خلاصی ہوئی، اس دلچسپ علمی اور مذہبی مقدمہ کی مفصل روداد سرکاری دستاویزات کے ساتھ والد صاحب نے اپنی زندگی میں بنام ''تازیانہ عبرت'' المعروف بہ متنبئ قادیان قانونی شکنجہ میں شائع کی تھی جو نایاب تھی۔ اسی طبع قدیم کا فوٹو لے کر جدید ایڈیشن مولوی محمد یعقوب صاحب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ہرنولی ضلع میانوالی نے اسی سال شائع کیا ہے جس میں میرا مقدمہ کتاب بھی ہے۔ مرزا قادیانی دجال کے اس مقدمہ کی سرکاری دستاویزات سوائے تازیانہ عبرت کے کسی اور کتاب میں نہیں ملتیں۔ مرزائیت کے علاوہ حضرت مولانا دبیر مرحوم نے شیعیت کے بارے میں بھی کبھی لچک نہیں دکھائی۔ ان کے بڑے بڑے مشہور مناظرین سے کامیاب مناظرے کیے اور ردشیعیت اور دفاع مذہب اہل السنّت والجماعت کے لیے اپنی ایک ضخیم کتاب ''آفتاب ہدایت ردرفض و بدعت'' اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ گو شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو نے اس کا جواب بنام ''تجلیات صداقت'' شائع کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک خانہ پُری ہے۔ آفتاب ہدایت آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تجلیات صداقت کا جواب بھی اپنے وقت پر دیا جائے گا۔

اگر قاضی درویش صاحب ردسبائیت میں مخلص ہیں تو ان پر لازم تھا کہ حضرت مولانا مرحوم کی مذہبی اور سُنی خدمات کا ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' میں اعتراف کرتے لیکن انہوں نے شاید اس لیے فخر اہلِ سنت مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف معاندانہ روش اختیار کی ہے کہ مولانا مرحوم بھی یزید کے خلاف تھے لیکن درویش صاحب اپنے سابقہ خطوط کو بھول گئے یا جان بوجھ کر نظر انداز کر گئے کہ

انہوں نے مولانا مرحوم کی تصنیف "آفتاب ہدایت" سے ایک خاص فائدہ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ اپنے مکتوب محررہ ۵ نومبر ۱۹۸۵ء میں لکھتے ہیں:...... جناب مولوی عبدالوحید صاحب کا مرسلہ ہدیہ تازیانۂ عبرت اور چھ نسخے "دفاع حضرت معاویہؓ" کے تھے۔ دل بہت خوش ہوا۔

دوسری خوشی اس بات سے ہوئی کہ فقیر نے مولوی لال شاہ صاحب کے رد میں اپنے رسالہ "رفض کی فریب کاریاں"...... پر لکھا تھا کہ سیّدنا علیؓ اپنے ہی ایک محبّ پیرو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس پر مولوی لال شاہ صاحب نے فقیر سے پوچھا کہ یہ کس نے لکھا ہے کہ ابن ملجم حضرت علیؓ کا محبّ پیرو تھا۔ فقیر نے ان کو لکھا کہ ابن حجر مکیؒ نے تطہیر الجنان ص ۱۲۶ پر لکھا کہ:...... کانوا من المواسین والتائبین لی۔ اس سے مولوی لال شاہ صاحب کا منہ بند ہوگیا لیکن اپنا قلق باقی رہا کہ کہیں پڑھا تھا کہ خود ابن ملجم آپ کا محبّ مرید تھا مگر ٹھیک سے کتاب کا حوالہ یاد نہ آتا تھا۔ حسن اتفاق سے کل رات کتاب آفتاب ہدایت دیکھ رہا تھا۔ ص ۲۲۵ پر من و عن یہی حوالہ سامنے آگیا۔ تب یاد آیا کہ پچاس برس قبل آفتاب ہدایت کی پہلی طباعت میں یہ حوالہ پڑھا تھا تو حضرت دبیر رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بہت دعائیں نکلیں کہ انہوں نے ایسے قیمتی حوالے جمع فرمائے پھر آپ کے لیے بھی بہت دُعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا صحیح جانشین بنایا۔ آپ کی حسن توجہ سے یہ کتاب دوبارہ چھپی اور پھر فقیر تک پہنچی۔ وللہ الحمد"۔

پانچ سال پہلے درویش فقیر کو آفتابِ ہدایت کے مصنف حضرت مولانا دبیر سے یہ عقیدت تھی اور ان کا علمی احسان اتنا تھا لیکن آج اس قدر احسان ناشناس بنے ہوئے ہیں کہ مولانا دبیر مرحوم کو کسی طرح معاف نہیں کرتے۔ آخر اس ذہنی اور قلمی انقلاب کا باعث کیا ہے۔

ایک اور تلبیس

قاضی شمس الدین صاحب درویش زیرِ بحث نقیب ص ۷۱ پر لکھتے ہیں۔ اب آخر میں ہم جناب قاضی صاحب کے والد صاحب مولانا کرم الدین صاحب مرحوم کا ایک حوالہ نقل کرتے ہیں۔ اگر قاضی صاحب ان کے صحیح خلف ہوئے تو اپنے ابا جان کی بات مان لیں گے۔ مولانا کرم دین دبیر اپنی کتاب ''آفتابِ ہدایت'' (مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ چکوال) کے ص ۳۶۷ پر اصل حقیقت لکھتے ہیں:۔ حقیقت یہ ہے کہ (جمل وصفین) یہ جنگ وجدال طرفین کی بدنیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی''، یعنی حضرت سیدنا معاویہؓ کی یکطرفہ اجتہادی غلطی نہ تھی۔ پھر چند سطر مزید لکھتے ہیں کہ اب اس بات پر طعن کرنا خود موردِ طعن بننا ہے، اگر اعتراض عائد ہوتا ہے تو ہر دو فریق پر یکساں عائد ہوتا ہے پھر ص ۳۷۵ پر مزید لکھا ہے، حضرت علی، حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ میں جو کچھ ہوا اور جتنے واقعات مابین صحابہ واقع ہوئے، وہ محض خطائے اجتہادی پر مبنی تھے (ہر دو فریق کا) ہر فرد اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا تو گویا ''اخواننا بغَوْ عَلَیْنَا'' کا مطلب یہ بھی واضح ہوگیا۔

(۷) خود قاضی صاحب نے جب تک اپنا خودساختہ علم وکلام جاری نہیں فرمایا تھا، آپ بھی یوں ہی لکھا کرتے تھے جیسے کہ ان کے ابا جان لکھا کرتے تھے۔ اسی لیے اگر ان کو اپنا نوشتہ یاد نہ آیا تو یاد کرادیں گے۔ اور یہ دیکھیں گے کہ اقراء کِتَابُکَ کفیٰ بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ حَسِیْبًا۔ شیخ سعدی نے سچ فرمایا ہے ۔

گر نہ بیند بروز شپترہ چشم ۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

الجواب (۱) اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ حضرت مولانا دبیر مرحوم کی یہ عبارت جو قاضی صاحب درویش نے پیش کی ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی باہمی جنگ کے بارے میں نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے۔ اور جنگ وجدل کے الفاظ

سے پہلے قوسین (یعنی بریکٹ میں) جو (جمل و صفین) کے الفاظ ہیں۔ یہ مولانا دبیر کے نہیں بلکہ درویش صاحب کا اضافہ ہے۔ درحقیقت یہاں حضرت مولانا دبیر مرحوم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں بعض شیعہ مطاعن کا جواب دے رہے ہیں۔ شیعوں کا پہلا طعن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے میدانِ جنگ میں نکلنے کے بارے میں ہے جس کا جواب مولانا مرحوم نے دیا ہے۔ اس کے بعد ان کا دوسرا طعن یہ لکھا ہے کہ:۔ حضرت عائشہؓ نے جناب امیر سے بغاوت کی اور جنگ کی۔ حالاں کہ خلیفہ سے بغاوت جائز نہیں اور جرم کبیرہ ہے، اس کے جواب میں مولانا دبیر لکھتے ہیں:۔
اسی قسم کا اعتراض جناب امیر علیہ السلام پر عائد ہوتا ہے کہ بحکم وَاَزْوَاجُہٗ امھاتھم (رسول اللہ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں) جب حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ کی ماں تھیں، آپ کو ان سے جنگ کرنا ہرگز جائز نہ تھا۔ قرآن میں ہے۔ وَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ (ماں باپ کو اُف تک بھی نہ کہو)۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ و جدل طرفین کی کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت عائشہ اور ان کے طرف دار حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے ان کے قاتلین کو امیر علیہ السلام سے مانگتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام ان کے شر و فساد کے اندیشہ سے ان کو حوالہ نہ کر سکے۔ دوسری طرف سے سمجھا گیا کہ قتل عثمانؓ میں آپ کا بھی کچھ ہاتھ ہوگا۔ حالاں کہ امیر علیہ السلام اس الزام سے پاک تھے جس کا اظہار بار بار آپ بذریعہ خطوط و خطبات کرتے رہے۔ اسی طرح جناب امیر علیہ السلام اور ان کے معاونین نے خیال کیا کہ دوسرا فریق خلیفہ سے باغی ہو کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ طرفین میں معرکہ کی جنگ ہوئی، بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت عائشہ اپنے کیے پر پشیمان ہوئیں۔[1]

---

[1] اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ...... وکذلک عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا ندمت علی مَسِیْرِھا الی البصرۃ و کانت اِذا ذَکَرَتْہُ بکَت حتیٰ تبلّ خمارھا الخ (منھاج السنۃ جلد سوم ص ۱۸۰):...... اور اسی طرح حضرت عائشہؓ اپنے

بصرہ جانے پر پشیمان ہوئیں۔ اور جب آپ اس کو یاد کرتیں تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی" یہ پشیمانی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت صدیقہؓ کو اس خطا کا احساس ہوگیا تھا۔ حالاں کہ وہ خطا بھی اجتہادی تھی جس پر از روئے حدیث بخاری ایک اجر ملتا ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے ان کو بڑی عزت و تکریم سے گھر پہنچایا اور دلی صفائی ہوگئی۔ اب اس بات پر طعن کرنا خود مورد طعن بننا ہے۔ اعتراض ہر دو فریق پر یکساں عائد ہوتا ہے۔ فَما هُوَ جوابكم فهُوَ جوابُنا (یعنی جو تمہارا (شیعوں) کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہے) جب مولانا دبیر حضرت عائشہؓ صدیقہ پر طعن دوم کا جواب دے رہے ہیں تو درویش قاضی صاحب کا "بلکہ ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی" کے بعد یہ لکھنا کہ: "یعنی حضرت سیدنا معاویہؓ کی یک طرفہ اجتہادی غلطی نہ تھی" یہ ان کی واضح تلبیس اور فریب ہے۔ پھر درویش صاحب نے جو اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ: پھر ص ۳۷۵ پر مزید لکھا ہے کہ: "حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ میں جو کچھ ہوا اور جتنے واقعات مابین صحابہ واقع ہوئے وہ محض خطائے اجتہادی پر مبنی تھے" یہ تو مولانا دبیر کی عبارت ہی نہیں۔ بلکہ یہ النجم لکھنو مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کے مضمون بعنوان "سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" کی عبارت ہے اور آفتاب ھدایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درویش صاحب ظاہری اور باطنی دونوں آنکھوں سے اندھے ہوچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائیں۔ قارئین حضرات خود آفتاب ھدایت کی عبارت دیکھ لیں۔ قاضی درویش صاحب نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کے متعلق بحث میں حضرت امیر معاویہؓ کا از خود تعلق جوڑ لیا۔ اور پھر امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کے مضمون کو حضرت والد مرحوم کا مضمون قرار دے کر ایک نتیجہ نکال لیا ے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ دونوں کے بارے میں

مولانا دبیر نے جو یہ لکھا ہے کہ: ''ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی'' تو یہ گویا شیعوں کے طعن کا الزامی جواب ہے کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ حضرت علیؓ وقت کے خلیفہ راشد تھے ان سے جنگ جائز نہ تھی تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت علیؓ کی بھی مومنہ ماں تھیں بحیثیت بیٹا ہونے کے ان کی اپنی ماں کے ساتھ جنگ جائز نہ تھی۔ اسی لیے بعد میں لکھا ہے کہ: جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے، علاوہ ازیں مولانا دبیر کا یہ لکھنا کہ حضرت عائشہؓ اپنے کیے پر پشیمان ہوئیں۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میںؒ اور ان کی پشیمانی کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ اور پھر یہ ایک وقتی جنگ تھی کہ اختتام جنگ کے بعد ہی حضرت علی المرتضیٰ نے ام المومنین کو انتہائی احترام واکرام کے ساتھ گھر پہنچا دیا۔

(۳) حضرت امام غزالیؒ نے انہی جنگوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ:

وَلَم یذهب الیٰ تخطئة علیٍ ذو تحصلٍ اصلاً (احیاء العلوم جلد اول ص ۱۰۲)

:...... کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ ''حضرت علیؓ کو کہا ہو کہ خطا پر تھے''

(ترجمہ مذاق للعارفین جلد اورل ص ۱۵۹۔۱۵۹) امام غزالیؒ کی پوری عبارت مع ترجمہ خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۱۷۔۳۱۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) قاضی صاحب درویش سے ہم پوچھتے ہیں کیا آپ بھی مولانا دبیر کی تحقیق کو تسلیم کرتے ہیں: اگر جواب ہاں میں ہے تو آپ نے حضرت امیر معاویہؓ کی اجتہادی خطا بھی مان لی، پھر بحث کس میں ہے۔ حامیان یزید اگر باہمی جنگ وجدال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تسلیم کرلیں تو یہ بحث تو ختم ہو جاتی ہے۔ علاوہ قارئین کرام درویش صاحب کی خاص ذہنیت کا اندازہ لگائیں کہ اس بات سے ان کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ان محاربات میں حضرت المرتضیٰ کی اجتہادی غلطی مان لی جائے۔ آخر اس کی تہ میں کیا ہے، واللہ اعلم۔

(۵) مصنف آفتاب ہدایت حضرت مولانا کرم الدین صاحب دبیرؒ نے

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر شیعہ مطاعن کا جواب دینے کے بعد مستقل طور پر بعنوان ''حضرت امیر معاویہؓ'' شیعوں کے ان مطاعن کا جواب دیا ہے جو وہ حضرت امیر معاویہؓ پر عائد کرتے ہیں چنانچہ آپ نے لکھا ہے کہ ''شیعہ صاحبان حضرت معاویہؓ کو بہت کوستے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے امیر علیہ السلام سے جنگ کی۔ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ یہ ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کی وجہ سے ہوا۔ وہ باہم جدی بھائی تھے۔ اصحاب رسول تھے، حضرت امیر معاویہؓ کاتب وحی بھی تھے۔ حضور کے سالے بھی تھے۔ آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ حضور ﷺ سے آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ پھر اس ایک واقعہ سے جس کا خاتمہ صلح پر ہوا آپ کو برا کہنا اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنا ہے۔ بھائیوں کے درمیان تنازعات ہوا کرتے ہیں اور صلح صفائی بھی ہو جاتی ہے لیکن ایک اجنبی شخص کا حق نہیں ہے کہ اس تنازعہ کی وجہ سے ایک کو برا بھلا کہے۔

حضرت یوسفؑ پر ان کے بھائیوں نے کس قدر مظالم توڑنے اور تکلیف دی تھی لیکن آخر یوسفؑ نے ان کی خطا کو معاف کر دیا۔ باہم بغلگیر ہوئے۔ ایسا ہی یہ واقعہ ہے دیکھنا یہ کہ جناب امیر علیہ السلام نے اس بارہ میں کیا فتویٰ دیا ہے۔ ان کو اپنا مسلمان بھائی قرار دیا ہے یا کافر و منافق اور ان کو لعن طعن کرنے کا حکم دیا یا اس سے منع فرمایا۔ الخ، غرمایئے حضرت مولانا دبیرؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کے سلسلہ میں یہ تو نہیں لکھا کہ دونو طرف اجتہادی خطا تھی۔ بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ: ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کی وجہ سے ہوا۔ اور بلا شک ان کے مابین اجتہادی اختلاف تھا نہ کہ عنادی و نفسانی۔

(۶) اس کے بعد جو یہ فرمایا ہے کہ یہ دو بھائیوں کا نزاع تھا اور حضرت یوسفؑ کی مثال دی ہے کہ انہوں نے بھائیوں کو معاف کر دیا تھا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مولانا دبیر مرحوم کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حضرت

علی رضی اللہ عنہ پر بھی بھائیوں نے زیادتی کی۔ لیکن انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حضرت معاویہ وغیرہ اپنے بھائیوں کی خطا کو معاف کر دیا۔ اور ان پر لعن طعن کرنے سے روک دیا۔ قاضی درویش صاحب نے انتہائی چالاکی سے حضرت عائشہؓ کے بارے میں مولانا دبیر کی جو عبارت تھی اس کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے حالات کا تعلق جوڑ دیا تاکہ قارئین یہ سمجھیں کہ مولانا مرحوم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی طرح۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے نزاع میں بھی دونوں کی خطائے اجتہادی تسلیم کی ہے۔ کیا شان تحقیق اور وصف حق پسندی اسی کا نام ہے عبرت، عبرت، عبرت، اور یہ بھی فرمائیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ دونوں کی اس جنگ میں اجتہادی خطاء کا پہلے بھی اہل حق میں سے کوئی قائل ہوا ہے؟

بشارت الدارین کی عبارت

قاضی صاحب درویش موصوف نے بشارت الدارین کے متعلق لکھا تھا کہ: تاریخ ابن کثیر کی ساتویں اور آٹھویں جلد کا بار بار مطالعہ کیا تو عجمی سازش کی فریب کاریاں کچھ سمجھ میں آئیں اور سبائیوں کی گہری سازشوں کے خدوخال بھی سامنے آئے۔ جناب نے بھی اپنی قیمتی کتاب ''بشارت الدارین کے ص ۱۹۸ تا ص ۲۱۰ پر عمدہ تحقیق فرمائی جس سے سبائیوں کے کلیجے مسلسل جل رہے ہیں۔ وللہ الحمد۔''

یہ وہی مکتوب ہے جس میں قاضی شمس الدین صاحب موصوف نے ۱۹۳۸ء میں والد صاحب مولانا دبیر کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

(ب) اپنے مکتوب محررہ ۲۵ شوال ۱۴۰۵ھ (۱۴۔۷۔۱۹۸۵ء) میں مولوی لال شاہ صاحب بخاری کے مقدمہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ (جس میں موصوف کی بھی شہادت طلب کی گئی تھی): اس مقدمے کا ایک فائدہ فقیر کو یہ ہوا کہ

اس دفعہ بامعان نظر آپ کی کتاب مستطاب "بشارت الدارین" بالاستیعاب بامعان نظر دیکھ لی قدم قدم پر دل سے دعائیں نکلیں اور دل ٹھنڈا ہو گیا۔ فجزاکُمُ اللہ خیراً۔

"اللہ تعالیٰ ایسی مفید کتابوں کی مزید توفیق بخشے"۔ قارئین غور فرمائیں قاضی درویش صاحب موصوف میری ضخیم کتاب "بشارت الدارین" کو سبائیوں کے کلیجے جلانے والی بھی قرار دے رہے ہیں۔ اور دل سے دعائیں بھی کر رہے ہیں لیکن جب نقیب ختم نبوت میں مضمون لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ قاضی مظہر حسین پختہ سبائی ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ اتنا ذہنی انقلابی سفر آپ کس طرح طے کر لیتے ہیں۔

بشارت الدارین کی عبارت

نقیب ختم نبوت میں کتاب بشارت الدارین کی ایک عبارت کے متعلق لکھا ہے کہ: خود قاضی صاحب نے جب تک اپنا خود ساختہ علم کلام جاری نہیں فرمایا تھا۔ آپ بھی یونہی لکھا کرتے تھے جیسے کہ ان کے ابا جان لکھا کرتے تھے اس لئے اگر ان کو اپنا نوشتہ یاد نہ آیا تو یاد کرا دیں گے الخ (نقیب ص ۱۷)

تبصرہ

ملحوظ رہے کہ تلہ گنگ (سابق ضلع اٹک حال ضلع چکوال) میں ایک پمفلٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" شیعوں نے شائع کیا تھا۔ جس کے جواب میں میں نے "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" شائع کیا جس کے جواب میں پھر اس کے "جواب الجواب" میں شیعوں نے ایک کتاب "فلاح الکونین فی عزآء الحسینؓ" شائع کی۔ پھر جواب الجواب میں میری ایک ضخیم کتاب (بڑی تقطیع صفحات ۶۱۷) شائع ہوئی جس میں مسئلہ ماتم کے علاوہ اور بھی سنی وشیعہ نزاعی مسائل زیر بحث آگئے اور

حضرت علی المرتضٰی اور حضرت امیر معاویہؓ کی باہمی جنگ پر بھی بحث کی گئی۔ اور شیعہ مصنف کے رد میں الزامی اور تحقیقی دونوں قسم کے دلائل پیش کیے گئے۔ اور اسی سلسلہ میں بندہ نے لکھا: لہٰذا مسلک اہل السنّت والجماعت کے مطابق یہی کہا جائے گا اصحاب رسولؐ اور خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کر لینے کے بعد ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیش نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے جو کچھ انہوں نے کیا دین کے لیے کیا۔ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کیا۔ سوائے اجتہادی خطا کے ان کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے کیونکہ ان سب صحابہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے۔ رضی اللہ عنہم وَرَضوا عَنْہُ (ص ۱۹۱) شاید اس سے قاضی درویش صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہوں گے کہ حضرت علی المرتضٰیؓ سے بھی مشاجرات صحابہ میں اجتہادی خطا سرزد ہو گئی تھی لیکن ایسا نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے میرا مقصد تو اس عبارت سے ایک کُلیہ بتانا ہے کہ خطائے اجتہادی سے زائد صحابہ کرام کی طرف کسی بات کی نسبت نہیں کرنی چاہئے اور خارجی فتنہ حصہ اول میں بندہ نے امام ربانی حضرتِ مجدد الف ثانیؒ کا یہ ارشاد بھی نقل کر دیا ہے کہ: لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلیفہ محقِ باشد و مخالف ایشاں بر خطا۔ ہر چند دو امر محاربہ حق بجانب امیر بودہ (ص ۵۱۰) ''یہ لازم نہیں ہے کہ حضرت امیر (علی المرتضٰیؓ) تمام اجتہادی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر البتہ محاربہ (جنگ وقتال باہمی) میں حق وصواب حضرت امیر (علی المرتضٰیؓ) کی طرف تھا۔'' اسی سلسلہ میں اہل السنّت والجماعت کا مسلک پیش کرتے ہوئے بندہ نے بشارت الدارین میں لکھا تھا کہ: کسی صحابی نے بھی نفسانیت ذاتی اور دنیوی مقاصد کے لیے جھگڑا نہیں کیا۔ کیوں کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کے نفوس پاک ہو چکے تھے اور ان کو اخلاص نیت کا اعلیٰ مقام نصیب ہو چکا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علی علیہ وسلم کے خلوص نیت کے بارے میں شہادت دی

ہے۔ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضۡوَاناً ۔(سورۃ الفتح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور سنگت میں رہنے والے اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں دوسری جگہ ارشاد فرمایا: یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے طالب ہیں۔ تو اللہ کی اس شہادت کے بعد کسی مومن کو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کی صفائی میں کیا شک ہوسکتا ہے لیکن باوجود خلوص نیت کے رائے اور طریق کار میں غلطی ہوسکتی ہے اس لیے اہل سنت کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس معاملہ میں خطا ہوگئی تھی۔ لیکن اس کا منشا چونکہ نفسانیت نہیں اس لیے اس کو اجتہادی خطا کہا جائے گا۔ (ص ۱۸۷)

اگر اس تحریر اور عقیدہ پر قاضی موصوف کو کوئی اعتراض ہے تو پیش فرمائیں اور چونکہ ہم تمام صحابہ کرامؓ کو اپنی نیتوں میں مخلص مانتے ہیں، اس لیے جن کتابوں میں اکابر نے حضرت معاویہؓ کے لیے باغی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ میں نے اس کی توجیہہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہ تصورتاً باغی تھے نہ کہ حقیقتاً۔ لیکن حامیان یزید نے اس کو مورد طعن بنا لیا۔ اس کی مفصل بحث تو انشاء اللہ مقامی مضمون ہذا کی قسط دوم میں آئے گی۔

میرا چیلنج

مولانا قاضی شمس الدین صاحب کو میرا چیلنج ہے کہ وہ (۱) ثابت کریں کہ میں نے حضرت امیر معاویہؓ یا کسی صحابی کو فاسق لکھا ہے۔ (۲) کسی صحابی کے موقف کو میں نے باطل قرار دیا ہے۔ (۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو عنادی لکھا ہے۔ (۴) خارجی فتنہ حصہ اول میں حکمین کے بارے میں جو ضلا وضل من ابتعھما کے الفاظ ہیں۔ وہ میرے نہیں بلکہ ایک حدیث کے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں درج کی ہے اور اس سے مراد بھی انہوں نے خطائے اجتہادی ہی لی ہے اس پر بحث بھی دوسری قسط میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ (۵) حکمین کے لیے خارجی فتنہ حصہ اول میں بندہ نے جو گناہ اور نافرمانی وغیرہ

کے الفاظ لکھے ہیں تو یہ الزاماً جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے جواب میں ہیں اور ان سے مراد بھی میں نے خطائے اجتہادی ہی لی ہے۔

ایک چوری کا اعتراف

قاضی صاحب درویش موصوف نے نقیب ختم نبوت (محرم ۱۹۹۰ء) میں نقیب (ماہ ذی الحجہ) میں درج شدہ ایک علمی اور تاریخی خیانت کا اعتراف کرلیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بعنوان: وضاحت تبصرہ حسب ذیل خط تحریر فرمایا ہے:

عزیز مکرم کفیل بخاری صاحب!

فقیر کا جو طویل مضمون بعنوان ''جاہلانہ وقاحت کی عالمانہ وضاحت'' ماہنامہ نقیب ختم نبوت بابت ماہ جون ۹۰ء میں چھپا، اس میں کچھ ادارتی اور کتابتی اغلاط آ گئی ہیں جن کی اصلاح بے حد ضروری ہے مثلاً...... اس مضمون کے ص ۱۱ اور ص ۳۶ میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے یوں لکھا گیا کہ...... ''یہ مضمون حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم خاص اور ارشاد پر لکھا گیا'' ''لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس نے اس مضمون کے متعلق فقیر کو ایک حرف بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ حضرت اقدس کا ارشاد تو ایک اور امر واقعہ کے لیے تھا کہ شاہ صاحب کی مکمل امداد کریں'' اس لیے یہ وضاحت فوراً شائع کردیں اور کتابتی اغلاط کی تصحیح بھی ضرور شائع کریں۔

جولائی کے ''نقیب ختم نبوت'' میں شاہ بلیغ الدین صاحب کا مضمون عمدہ ہے۔ اسی شمارہ میں غزدہ قسطنطنیہ پر مولانا ابو الحسن علی ندوی صاحب کی عبارت امارت یزید کے متعلق پھسپھسی ہے جب متن بخاری میں...... ویزید بن معاویۃ علیھم بارض الروم ......اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں فانہ (یزید) کان امیر ذالک الجیش بالا تفاق ......لکھ دیا ہے تو پھر یہ پھسپھسا پن محض ''سُنّ مُنیّت'' ہے۔ عطاء المحسن شاہ صاحب سے سلام عرض کردیں۔

والسلام: فقیر محمد شمس الدین عفی عنہ، از درویش، ڈاک خانہ ہری پور ہزارہ

قاضی صاحب درویش موصوف کے اس خط کا عکس دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

وضاحت ۔ تبصرہ

عزیز مکرم سید کفیل بخاری صاحب!

فقیر کا جو طویل مضمون بعنوان "جاہلانہ ذفاحت کی عالمانہ وضاحت" ماہنامہ نقیب ختم نبوت بابت ماہ جون ۹۰ء میں چھپا، اس میں کچھ املائی اور کتابتی اغلاط آگئی ہیں۔ جن کی اصلاح بے حد ضروری ہے۔ مثلاً ۔ اس مضمون کے ص۱۱ اور ص۳۶ میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے یوں لکھا گیا کہ ......

"یہ مضمون حضرتِ اقدس مولانا خان محمد صاحب دامت معالیہم کے حکم خاص اور ارشاد پر لکھا گیا"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ اقدس نے اس مضمون کے متعلق فقیر کو ایک حرف بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ حضرت اقدس کا ارشاد تو ایک اور امر واقعہ کے لئے تھا کہ "شاہ صاحب کی مکمل امداد کریں" اس لئے یہ وضاحت فوراً شائع کر دیں۔ اور کتابتی اغلاط کی تصحیح بھی ضرور شائع کریں۔

جولائی کے "نقیب ختم نبوت" میں شاہ بلیغ الدین صاحب کا مضمون عمدہ ہے۔ البتہ ۱۰ میں غزوہ قسطنطنیہ پر مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کی عبارت امارتِ یزید کے متعلق چھپی ہے۔ جب متنِ بخاری میں .... ویزید بن معاویة علیهم بارض الروم .... اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں فانه (یزید) کان امیر ذالك الجیش بالاتفاق .... لکھ دیا ہے تو پھر یہ چھاپن محض "شنشنیت" ہے۔

عطاء المحسن شاہ صاحب سے سلام عرض کر دیں۔

والسلام

فقیر محمد شمس الدین عفی عنہ

از درویش ڈاک خانہ ہری پور ہزارہ

تبصرہ

اس خط میں قاضی شمس الدین صاحب نے سلام مسنون بھی نہیں لکھا۔ خدا جانے اس وقت ندامت کا غلبہ تھا یا توبہ کی خوشی تھی یا کوئی اور حال طاری تھا۔

(۲) حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں جو کچھ نقیب جون ۱۹۹۰ء میں لکھا گیا ہے اس کے متعلق یہ لکھنا (کہ ص ۱۱ اور ص ۲۶ پر کسی غلط فہمی کی وجہ سے یہ لکھا گیا) غلط ہے کیونکہ موصوف نے اپنے زیر بحث مضمون کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ: حضرت امیر شریعت کے ساتھ بے لوث محبت اور قبلہ حضرت صاحب کندیاں شریف کے ارشاد کی تعمیل میں فقیر نے محنت اور کوشش سے یہ مضمون لکھا ہے۔ (نقیب ص ۳۶) اس میں تصریح ہے کہ حضرت صاحب کندیاں شریف کے ارشاد کی تعمیل میں یہ مضمون لکھا گیا تو اس میں غلط فہمی کا کیا دخل ہے اگر حضرت مولانا موصوف نے اس مضمون کا حکم نہیں دیا تھا اور درویش صاحب نے ان کی طرف اس کو منسوب کر دیا تو یہ صریح جھوٹ ہے نہ کہ غلط فہمی۔

(۳) حضرت مولانا موصوف کو اس طرح یزیدیت کے ساتھ ملوث کرنا ایک بڑی علمی خیانت اور فریب دہی ہے جس کے ذریعے ناواقف لوگ حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ کی شخصیت سے سخت بدظن ہو سکتے ہیں۔

(۴) اگر کتابتی اغلاط کی بھی نشان دہی کر دیتے تو اچھا تھا اور گو کتابت کی غلطی قابل گرفت نہیں ہوا کرتی لیکن کیا معلوم کہ مضمون میں کتابت کی اغلاط ہیں یا ویسے حقیقی اغلاط ہیں۔

(۵) قاضی صاحب درویش کا یہ لکھنا ہے: حضرت اقدس کا ارشاد تو ایک اور واقعہ کے لیے تھا کہ: ''شاہ صاحب کی مکمل امداد کریں'' کاش کہ اس امر واقعہ کا بھی انکشاف ہو جاتا تو ساری الجھنیں دور ہو جاتیں۔

(۶) میں پہلے بھی مطمئن تھا کہ حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ صدر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اکابر دیوبند اور جمہور اہلسنت کے مسلک کے منبع ہیں لیکن قاضی شمس الدین صاحب کے اس مکتوب سے وہ لوگ بھی مطمئن ہو جائیں گے جو کسی شبہ میں مبتلا ہو گئے ہوں گے

عدو شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

زنانہ مطاعن

زیر بحث مسئلہ تو فسق یزید یا مشاجرات صحابہ کرامؓ میں خطائے اجتہادی کا تھا لیکن قاضی صاحب درویش نے اپنے آپ کو غالباً دلائل سے تہی دامن پاتے ہوئے زنانہ قسم کے مطاعن سے بھی اپنے مضمون کی تکمیل کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

قاضی صاحب کی عادت ہے کہ اکابر کو تبصروں کے لیے کتابیں بھیجتے ہیں اور پھر تبصروں کے منتظر رہتے ہیں اور جب تبصرے آجاتے ہیں تو ان کے تعریفی حصے اپنی کتاب میں شخصیت سازی کے لیے اور اپنی عزت بڑھانے کے لے چھاپ دیتے ہیں اور اگر تنقید وصول ہو تو چپ سادھ لیتے ہیں مثلاً ہفت روزہ خدام الدین میں تنقید چھپی تو اپنے رسالہ تائیدی تبصرے میں اس کو جگہ نہ دی اور جب مولانا محمد علی سعید آبادی نے اپنے رسالہ ''اصل حقیقت کے صفحہ ۱۴ تا ۱۶ پر خدام الدین'' کا تبصرہ نقل کر دیا تو مجبور ہو کر خود قاضی جی نے بھی کشف خارجیت کے صفحہ ۷۱ پر اسے نقل کر دیا

ع کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

چناں چہ یہی کتابیں قاضی صاحب نے حضرت علامہ مولانا سرفراز خان صفدر شیخ الحدیثؒ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کو بھیجیں پھر تبصرہ کے منتظر رہے اور جب تبصرہ نہ آیا تو جناب صوفی عبدالحمید خان صاحبؒ موصوف کو یاددہانی کرائی۔ موصوف نے جواباً لکھا۔ حضرت شیخ الحدیث کو آپ کی کتاب پر تبصرہ کے لیے کہا تھا لیکن انہوں نے

اپنی بیماری کی وجہ سے معذرت کر دی، پھر (بطور مسئلہ پالش، ناقد) لکھ دیا۔ جناب والا کا نام ہی کافی سند ہے۔ (کشف خارجیت ص ۶۸)

الجواب

(۱) تبصرہ کے لیے علماء کے پاس اس کتابیں بھیجنا بھی کوئی علمی و اعتقادی عیب ہے جس کو محل تنقید بنایا جائے۔ کتاب المهند علی المفند دیوبندی مسلک کی ایک بنیادی دستاویز ہے جس پر عرب و عجم کے اکابر علماء کی تقریظیں لکھی۔ اکابر نے بھی تو المهند تبصرہ کے لیے ان حضرات کو بھیجی ہوگی اور آپ خود بھی تو علماء کو تائید حاصل کرنے کے لیے اپنے کتابچے یا اپنی تحریریں بھیجتے رہتے ہیں اور منتظر بھی رہتے ہیں۔

(۲) دیکھنا تو یہ ہے کہ خارجی فتنہ وغیرہ میری تصانیف کی علمائے اہلِ سنت والجماعت نے تائید کی ہے یا تردید۔ حالاں کہ کسی معتمد سنی عالم نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ تائید ہی کی ہے۔ مولانا محمد علی سعید آبادی مرحوم کی طرف منسوب کتابچہ بنام ''اصل حقیقت'' کا جواب میں نے کشف خارجیت میں دیا ہے۔ یہ کتابچہ کراچی کے خارجی گروہ کا تیار کردہ ہے جو جہالت اور بددیانتی کا مرقع ہے۔ اگر آپ کو کشف خارجیت پر اعتراض ہے تو آپ ہی جواب کے لیے طبع آزمائی کر لیں۔

(۳) خدام الدین لاہور میں مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی نے جو تبصرہ لکھا تھا اس کا جواب کشف رجیت میں دے دیا ہے۔ اب تو وہ خدام الدین سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ علوی صاحب بھی آپ کی طرح حامی یزید ہیں۔ آپ ان کے تعاون سے ہی میری معروضات کا جواب لکھ دیا کریں۔

ع خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

(۴) قاضی صاحب درویش، حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"طرح طرح کا غیر متعلق مواد اور اناپ شناپ جمع کر کے قاضی جی کتاب کی طوالت بڑھاتے ہیں۔ اس کو اکثر قارئین نے بُری طرح محسوس کیا ہے مگر قاضی صاحب کی کفن ماری کے ڈر سے کچھ کہنے کی کوئی بھی جرأت نہیں کرتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو "آتی نہیں روباہی"۔ اس کی روشن مثال حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ عالیہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی ہے۔ قاضی صاحب نے انہیں خارجی فتنہ بھیجی اور تبصرہ کی یاددہانی کرائی تو حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے کتاب کی جزوی تائید کے ساتھ کتاب کی ناگوار طوالت کو بھی محسوس فرمایا اور لکھا...... البتہ ایک بات محسوس ہو رہی ہے کہ کتابوں میں طوالت زیادہ ہے۔ اگر قدرے اختصار ہوتا تو بہتر ہوتا۔"

(کشف خارجیت ص ۶۸۔۶۷) (نقیب جون ص ۱۶)

الجواب

کتاب کی طوالت کا زیرِ بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں "آتی نہیں روباہی" کا استعمال بھی بالکل بے موقع ہے۔ کاش کہ درویش صاحب، حضرت صوفی موصوف کا مکتوب گرامی پورا نقل کر دیتے تو قارئین کسی شبہ میں مبتلا نہ ہوتے۔ ہم یہاں حضرت صوفی صاحب کے دونوں گرامی نامے نقل کرتے ہیں جن کا تعلق کتاب کے تبصرے سے ہے جس سے واضح ہو جائے گا کہ صوفی صاحب نے جزوی نہیں بلکہ کلی طور پر اصل بحث کی پُرزور تائید فرمائی ہے۔

(۱) جناب صوفی صاحب کا مکتوب حسب ذیل ہے: (بعد از سلام مسنون) لکھتے ہیں کہ: اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ جناب والا کی مرسلہ کتاب "خارجی فتنہ" اور دفاع صحابہؓ وصول ہو چکی تھی۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے خارجیت اور ناصبیت کا تعاقب فرمایا ہے۔ یہ فتنہ

رفض وشیعیت سے کم خطرناک نہیں۔ البتہ ایک بات محسوس ہو رہی ہے کہ کتابوں میں طوالت زیادہ ہے۔ اگر قدرے اختصار ہوتا تو بہتر ہوتا۔" (یکم ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۲ء)

(۲) اور حضرت صوفی صاحبؒ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبصرہ کے متعلق جو عنایت نامہ لکھا، وہ حسب ذیل ہے:

شیخ الحدیث صاحب سے آپ کی کتاب پر تبصرہ کے لیے کہا تھا۔ انھوں نے اپنی بیماری کی وجہ سے معذرت کی۔ آج کل سابقہ امراض کے علاوہ اُنہیں کمر میں شدید درد اُٹھ گیا ہے۔ دعا فرمائیں۔ میرے ناقص خیال میں اس پر ہمارے جیسے لوگوں کے تبصرہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ جناب والا کا اسمِ مُبارک اور نام نامی ہی سند کافی ہے۔ آپ اہلِ حق کے ترجمان اور سلف کے امین ہیں۔ (۲ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ ۲۵ جنوری ۱۹۸۴ء) (کشف خارجیت ص ۶۸)

حضرت صوفی صاحبؒ کے دو والا نامے موصول ہوئے تھے۔ ان کا پہلا خط تو درویش صاحب نے پورا نقل ہی نہیں کیا جس میں خارجیت و ناصبیت کے متعلق لکھا تھا کہ: یہ فتنہ رفض وشیعیت سے کچھ کم خطرناک نہیں۔" اور حضرت شیخ الحدیث کے تبصرہ کے بارے میں جو انہوں نے لکھا اس کے آخری الفاظ حذف کر دیے۔ گو میں اس کا اہل نہیں جس حسن ظن کا اظہار صوفی صاحب نے کیا ہے۔ بہر حال ان کے ہر گرامی نامہ سے جناب درویش کے تمام اوہام و وساوس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ واللہ الهادی۔

یہ اپنی اپنی قسمت ہے شکایت کیوں گلہ کیسا   یزیدی آپ کہلائیں مگر ہم تو حسینی ہیں

طعن (۳)

جناب موصوف لکھتے ہیں: جناب قاضی صاحب...... حافظ القرآن و

الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی رحمہ اللہ کے اس بیان حق ترجمان کا کیا جواب دیں گے کہ: نعرہ حق چار یارؓ کی آڑ میں پیری مریدی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ (بحوالہ رسالہ اصل حقیقت ص ۷ اطبع کراچی مؤلفہ محمد علی صاحب سعید آبادی تلمیذ رشید حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی) شاید قاضی صاحب کے متعلق ہی یہ شعر ہے کہ۔

گاؤ مل کے یار و نعرۂ حق چار یارؓ اپنے سکے ڈھالتا ہے نعرۂ حق چارؓ

الجواب

(۱) رسالہ ''اصل حقیقت'' اور اس کے مؤلف کی حقیقت تو میں نے اپنی کتاب ''کشف خارجیت'' میں کھول دی ہے۔ اب مولانا سعید آبادی مرحوم ہو چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رسالہ ''اصل حقیقت'' کا مؤلف کوئی خارجی ہے جس نے مولانا سعید آبادی مرحوم کا نام استعمال کیا ہے۔ یہ کتابچہ صرف ۸۰ صفحات کا ہے۔ میں نے اس کے متعلق ''کشف خارجیت'' ص ۲۱ پر لکھا ہے کہ: مولف صاحب کے قلم سے جتنے جھوٹ اس مختصر کتابچہ میں سرزد ہوئے ہیں، ان کو نمبروار میں نے کتاب ہذا میں پیش کر دیا ہے جو غالباً ۷۳ ہیں اور علمی خیانتیں اور عیاریاں ان کے علاوہ ہیں لیکن تین جھوٹ ان کے ایسے ہیں جو ان کے مشن خارجیت کی بنیاد ہیں۔

(۱) مجھ پر شیعہ عقیدہ امامت کا الزام

(۲) جماعتِ اسلامی کا معنوی شاگردؒ کہنا

(۳) مولانا لعل شاہ صاحب کا معنوی شاگرد قرار دینا

یہ جھوٹ انہوں نے عمداً تراشے ہیں اور بار بار ان کا ذکر ہے، ورنہ ان کا ضمیر بھی گواہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ الخ۔ قاضی شمس الدین صاحب اگر

مؤلف ''اصل حقیقت'' کی پیروی میں ہی افتراء پردازیوں کا ارتکاب کرنا چاہتے ہیں تو ان کو کون روک سکتا ہے۔ یہ بھی تو فرمائیں کہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے مذکورہ بیان کا راوی کون ہے اور کیا حضرت درخواستی قرآن کے موعودہ چار خلفائے راشدین کا انکار کر سکتے ہیں جب کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند قرآن مجید کی آیت استخلاف (وعد اللہ الذین امنو منکم وعملوا الصلحت (الایۃ) کی تشریح لکھتے ہیں:

اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہلِ اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالۂ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں چار یار کے لیے تھا۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۵۶ طبع قدیم) جب آیت استخلاف کا مصداق صرف چار یارؓ ہی ہیں تو ان کے حق ہونے کا اعلان اگر کیا جائے اور خصوصاً جب حضرت علی المرتضیٰ کے لیے شیعہ کلمہ واذان میں توحید ورسالت وغیرہ کے علاوہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل کا اعلان کرتے ہیں تو ان کے ابطال کے لیے خلافت راشدہ موعودہ کی تبلیغ تشہیر کی جائے اور خلافتِ راشدہ کے جواب میں ''حق چار یارؓ'' کا اعلان کیا جائے تو آپ کو کیوں دُکھ پہنچتا ہے۔

(۲) فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (مولف بذل المجھود شرح ابی داؤد) ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

ذکر مناقب چار یارؓ کبار عبادت ہے اور جن مواقع میں روافض کی مجالس ہوتی ہے اور ذکر چار یارؓ کی مزاحمت ہوتی ہو اور فساد عقائد عوام کا اندیشہ ہوتا ہو وہاں ذکر مناقب چار یارؓ شعار سنیت ہوگا اور واجب ہوگا۔ لان ماتوقف علیہ الواجب واجب (یعنی جس امر پر واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے) اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور چار یارؓ کبار کی مدح نظماً یا نثراً پڑھنا فی حد

ذاتہ جائز و مستحسن ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی خلیلیہ) اس فتوی پر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ (مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اسیرِ مالٹا، حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ محدث کشمیری اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند وغیرہ اکابر حضرات کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں۔

احرار اور چاریارؓ

لکھنؤ میں تحریک مدح صحابہؓ کے سلسلے میں مشہور شاعر احرار مرزا غلام نبی جانباز لکھتے ہیں: یوپی مجلس احرار نے مرکز کے مشورے پر تحریک سول نافرمانی شروع کردی اور ۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء کو ذمہ دار احرار کارکن مدح صحابہ پڑھ کر گرفتار ہونا شروع ہوگئے۔ احرار رضا کار حسب ذیل شعر پڑھتے اور انہیں گرفتار کرلیا جاتا۔

جن کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو لیل و نہار وہ ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ چار یارؓ

(کارروائی احرار جلد ۲ ص ۱۳ ۴)

غازی امیر عبدالرحمٰن کا نعرہ حق چاریارؓ

امیر افغانستان غازی عبدالرحمٰن مرحوم کے متعلق لکھا کہ انہوں نے اپنے مخالف لشکر کو مصالحت کی پیش کش کی لیکن اس پیش کش کا کوئی جواب نہ آیا تو: میں (یعنی غازی عبدالرحمٰن) نے اگلی صبح اپنی فوج کو قلعہ پر حملے کا حکم دے دیا۔ حملے سے پہلے توپچیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ رُکے بغیر مختلف سمتوں سے قلعے کی دیوار کو نشانہ بنائیں تاکہ اصل حملے کے مقام سے محصورین کی توجہ ہٹائی جاسکے۔ یوں ہماری فوج کا بڑا حصہ خاموشی سے آگے بڑھتا رہا اور دیوار کے عین نیچے پہنچ کر فوجیوں نے فلک شگاف نعرہ لگایا۔ حق چاریارؓ

(اُردو ڈائجسٹ ۱۹۸۸ء، ص ۱۳۳ از رازوں کا امین)

فرمائیے ایک صدی پہلے تو افغانستان کے پہاڑوں میں غازیانِ اہل سنت والجماعت حق چار یارؓ کا نعرہ لگاتے رہے ہیں اور ۱۹۲۶ میں احرار نے لکھنؤ میں حق چار یار کی صدا بلند کی لیکن آج پاکستان میں جب خدام نے یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور پاکستان بھر میں حق چار یارؓ کی گونج پیدا ہوگئی تو آپ جیسے حامیانِ یزید اس کو اپنی مذموم تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ شیعہ بھی اس نعرہ سے سیخ پا ہوتے ہیں اور آپ بھی، تو فرمائیے آپ کا مقصد کیا ہے؟

طعن (۴)

قاضی صاحب موصوف بعنوان ''دوسری جہالت'' لکھتے ہیں۔ صفحہ ۹ پر امین صاحب نے قاضی صاحب کی کتابوں پر تائیدی تبصرے کے ضمن میں لکھا۔ ''تائیدی تبصرے'' مرتبہ مولانا قاری شیر محمد علوی صاحب مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور۔ آج تک ہمیں تو یہی معلوم تھا کہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ، جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی ہیں لیکن امین صاحب کے اس انکشاف سے کہ شیر محمد علوی صاحب جامعہ اشرفیہ کے مفتی بھی ہیں...... علوی صاحب کو مبارک ہو۔'' (ص ۱۳)

الجواب

اس میں جہالت کی کیا بات ہے۔ جہالت پر مبنی تو آپ کا اعتراض ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی زید فضیہم تو صدر مفتی ہیں اور قاری شیر محمد صاحب علوی ان کے ماتحت مفتی ہیں۔ اگر قاری صاحب موصوف کو صدر مفتی لکھا جاتا پھر تو قابلِ گرفت تھا۔ ہمارے پاس دارالعلوم دیوبند کے ایک فتوی کی فوٹو سٹیٹ کاپی ہے جس میں چار مفتی صاحبان کے دستخط ہیں۔ تین حضرات نے اپنے نام کے ساتھ مفتی دارالعلوم دیوبند لکھا ہے اور ایک مفتی صاحب نے نائب مفتی لکھا ہے، حالاں کہ وہاں کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ ہیں۔ کیا آپ

باقی حضرات کے نام کے ساتھ مفتی کے لفظ پر اعتراض کریں گے۔ یہ بھی فرمائیں کہ آپ کے نام کے ساتھ قاضی لکھا جاتا ہے۔ کیا آپ واقعی شرعی قاضی ہیں

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست

طعن (۵)

زیر بحث نقیب (جون ۱۹۹۰ء) ص ۱۲ پر قاضی صاحب درویش لکھتے ہیں قاضی مظہر حسین کا داعیہ طبعی یہ ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی شخصیت کے قد کاٹھ (Image) کو نمایاں کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش فرماتے رہتے ہیں۔ (جس پر ان کی تمام تصانیف شاہد عدل ہیں) اور نئے نئے مباحث گھڑتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مودودیئے قلم کار جناب نعیم صدیقی نے قاضی صاحب کا لقب ہی ''مظہر مباحث'' لکھا دیا ہے۔ (بحوالہ کشف خارجیت ص ۸۶۔۸۵) کسی نے سچ ہی کہا ہے...... ولی رادی می شناس ماہنامہ نقیب ختم نبوت میں اپنے تذکرے کو بھی موصوف نے ایک اچھا بہانہ محسوس فرمایا اور غالبًا ایک نائب فی الملتان محمد امین شاہ صاحبؒ مخدوم پوری کو توجہ دلائی کہ وہ بخاری شاہ صاحب کی تردید اور قاضی صاحب کی تائید میں ایک رسالہ چھاپیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس رسالہ کا مسالہ خود قاضی صاحب نے مہیا فرمایا ہو۔ چنانچہ محمد امین شاہ صاحب نے ''جاہلانہ جسارت'' کا ارتکاب کرتے ہوئے اسی نام سے ایک رسالہ چھاپ دیا۔

الجواب

ا۔ جن کتابوں کی آپ پہلے تائید کر چکے ہیں آپ انہیں کو ہدف تنقید بنا رہے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ نعیم صدیقی صاحب مدیر ماہنامہ ترجمان القرآن اچھرہ (لاہور) کا سہارا لے رہے ہیں کہ انہوں نے مجھ کو ''مظہر مباحث'' لکھا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ درویش صاحب کی اپنی کوئی خاص سوچ نہیں ہے۔ کبھی خارجیوں کے

کتابچہ ''اصل حقیقت'' کا حوالہ پیش کرتے ہیں او کبھی مودودی جماعت اسلامی کے مشہور اہل قلم رہنما کا۔ کبھی کسی کے دریوزہ گر بنتے ہیں اور کبھی کسی کے۔ جماعت اسلامی والوں نے تو مطعون کرنا ہی ہے کیونکہ ردمودودیت میں میری متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ مودودی جماعت کے عقائد ونظریات پر تنقیدی نظر۔ مودودی مذہب، علمی محاسبہ، مودودی صاحب کے نام کھلی چٹھی وغیرہ۔

۲۔ نعیم صدیقی صاحب کوتبصرہ کے لیے دو کتابیں بھیجی گئی تھیں۔ ا۔ کھلی چٹھی بنام قاضی مظہر حسین مولفہ مولوی مہر حسین بخاری، ۲۔ چکوال کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت مؤلفہ مولانا محمد علی سعید آبادی تو اس پر نعیم صدیقی صاحب نے لکھا تھا کہ: ''یہ دو رسائل تبصرے کے لیے آئے ہیں مگران صفحات میں ایسی بحثوں پر کیا تبصرہ لکھا جائے جو ہماری توجہات کو حال کے تباہ کن فتنہ الحاد او فلسفہ ہائے مادیت سے ہٹا کر بار بار کی دہرائی ہوئی صدیوں پہلے کی تاریخ پر لے جاتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا معاملہ کیسا تھا۔ یوں بھی جہاں تک (بواسطہ ہم علاقیت) میں مجملاً قاضی مظہر حسین صاحب کو جانتا ہوں بغیر ان کے ادب میں کمی کیے انہیں مظہر مباحث سمجھتا ہوں۔ وہ سالہا سال سے نت نئے قضیے چھڑتے رہتے ہیں اوراسی میں ان کا علم اوران کی عزیز عمر کھپ رہی ہے۔'' الخ (ترجمان القران جلد ۱۰۱ عدد ۳۔ مئی ۱۹۸۴ء) ان کے جواب میں میں نے لکھا کہ: صدیقی صاحب موصوف سے یہاں مختصراً یہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی بحث تو آپ کے قائد اعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت میں خود تفصیلاً لکھی ہے جس میں حضرت معاویہؓ کی صریح توہین کی ہے۔ مودودی صاحب نے ہی اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں سورۃ التحریم کی آیات کے تحت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان درازی

کرنے والیاں لکھا ہے......مودودی صاحب نے ہی تفہیمات اور تفہیم القرآن میں عصمت انبیاء علیہم السلام کو مجروح کیا ہے۔مودودی صاحب نے ہی جماعت اسلامی کے ''دستور'' میں صحابہ کرامؓ کے معیار حق ہونے کی نفی کی ہے۔مودودی صاحب نے ہی اپنے مضامین مجموعہ رسائل ومسائل میں اکابر اسلام کی پگڑیاں اچھالی ہیں۔مودودی صاحب نے ہی اپنی کتاب ''تجدید واحیائے دین'' میں مجددین امت پر اپنا تنقیدی نشتر چلایا ہے۔بندہ نے اور دوسرے اکابر اہل حق نے تو مودودی صاحب کے نظریات باطلہ کی دلائل سے تردید کی ہے۔کیا آپ نے اپنے مرشد اعلیٰ مودودی صاحب سے کہا تھا،آپ نے یہ صدیوں پہلے کے مسائل پھر از سرِنو کیوں چھیڑے ہیں الخ (کشف خارجیت ص ۸۶، ۸۷)

بشارت الدارین اور مولانا عطاء المنعم صاحب بخاری

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے بڑے صاحب زادے جناب مولانا سید حافظ عطاء المنعم صاحب بخاری نے اپنے ایک گرامی نامہ محررہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۷۸ء میں بعد سلام مسنون لکھا کہ:

''قریباً دو ماہ ہوئے ہیں کہ آپ کے شناسا اور میرے محترم جناب مولوی غلام یٰسین صاحب جہلمی نے میری خصوصی فرمائش پر جناب کی تالیف مطیف ''بشارات الدارین'' آپ کے مکتبہ سے قیمتاً حاصل کرنا چاہی تو میرا نام معلوم ہونے پر آپ نے اس کی واجبی قیمت وصول کیے بغیر ہی ہدیۃً عنایت فرما دی جو موصوف کی سفر سے واپسی پر مجھے مل چکی ہے۔آپ نے قیمت نہیں لی۔یہ حسن سلوک ہے فجزاک اللہ تعالیٰ۔

۲۔کئی برس سے پندرہ روزہ الاحرار کی ادارت کا کام گھسیٹ رہا

ہوں۔ میرے نقطہ نگاہ سے علمی اور تبلیغی طور پر اب اس کا رخ حسب منشاء ہو رہا ہے۔ چند روز تک اس کے سابقہ شماروں میں سے چند پرچے بطور نمونہ اور ہدیۃً بھجواؤں گا۔ بعد مطالعہ اگر طبیعت آمادہ ہو تو عقیدہ و مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق کبھی کبھی کوئی چھوٹا بڑا مضمون اور مکتوب و مراسلہ چھپنے کے لیے بھیج دیا کریں تو شکر گزار ہوں گا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اخلاقی، قانونی یا کسی اور قسم کی مصلحت مانع نہ ہو تو کیا آپ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ ''بشارات الدارین'' حسب موقع و گنجائش الاحرار میں بالاقساط شائع کر دی جائے۔ یہ میری دلی خواہش ہے اور مولانا غلام یٰسین مذکورہ جو حسن اتفاق سے اس وقت بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور دوسرے کئی احباب بھی اس بارہ میں میرے ہم نوا ہیں۔ اس کے متعلق پہلی فرصت میں آپ کی تحریری رضامندی اور اجازت کا بے چینی سے منتظر رہوں گا۔ امید ہے کہ مناسب اور حسب ضرورت جواب باصوات سے خورسند فرمائیں گے۔ واللہ الموفق۔

۳۔ جماعت اسلامی اور مودودی کے متعلق آپ کا پرانا اور مشہور و مقبول مضمون جس میں اکابر دیوبند کا بالعموم اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بالخصوص دفاع کیا گیا ہے لیکن اس کا کتابی نام فی الوقت یاد نہیں رہا نیز حضرت مدنی کا مرتب کردہ شجرہ روحانیہ جس میں حضرت کے خود نوشت حالات بھی شامل ہیں اور چند برس ہوئے آپ نے اس کو بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا اور اگر کوئی مزید اس سلسلہ کی نئی مطبوعہ ہو تو سب کے دو دو نسخہ پر مشتمل وی پی میرے نام کر دی جائے انشاء اللہ وصول کر لی جائے گی الخ

یہ مولانا غلام یٰسین صاحب فاضل دیو بند قصبہ بھون نزد چکوال کے رہنے والے ہیں۔ عرصہ سے ملتان میں ہی مقیم ہیں کبھی بھون میں آتے ہیں تو یہاں بھی ملاقات کے لیے تشریف لایا کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے متوسلین میں سے ہیں۔

۲۔ جناب مولانا سید حافظ عطاء المنعم صاحب بخاری کے گرامی نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ میری کتاب بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسینؓ (جو ماتم مروجہ کے رد میں ضخیم کتاب ہے) ان کو اتنی پسند آئی ہے کہ اپنے الاحرا میں بالاقساط چھاپنے کی فرمائش کی ہے۔ میں نے اپنے عریضہ میں دوسرے فتنوں کے علاوہ مودوریت کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا کہ:

ا۔ اہل سنت اس دورِ تنزل میں ہر فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں۔ مودودیت نے تو اقتدار میں بھی وافر حصہ ڈال رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک و ملت کو سب فتنوں سے محفوظ رکھیں اور اہلِ السنّت والجماعت کو ترقی و استحکام نصیب ہو۔ آمین۔ آپ نے اپنے پرچہ الاحرار میں بشارت الدارین بالاقساط شائع کرنے کی فرمائش کی ہے۔ آپ شائع کر سکتے ہیں۔ اگر کہیں بالفرض کسی بات میں اختلاف ہو تو تحریر فرما دیں۔ جس کتاب کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ یاد نہیں، کیا نام ہے۔ ایک کتاب تو علمی محاسبہ ہے جو مفتی محمد یوسف صاحب مودودی کی کتاب ''جائزہ'' کے رد میں ہے۔ صحابہؓ کا معیارِ حق ہونا اور مسئلہ عصمت انبیاء اس کا موضوع ہے۔ والسلام

قاضی درویش صاحب کے چند زنانہ قسم کے مطاعن کا جواب دے دیا ہے اور بظاہر تو ان زنانہ مطاعن کے جواب کی ضرورت نہ تھی لیکن محض اس خیال سے ان کو زیرِ بحث لانا پڑا کہ کہیں درویش صاحب یہ نہ فرماتے رہیں کہ میرے یہ حقائق (مطاعن) لاجواب تھے

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

درویش صاحب کے دلائل کا جائزہ

قاضی شمس الدین صاحب درویش لکھتے ہیں کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے خارجی فتنہ حصہ دوم کے ص ۳۴۸ پر یزید کو امیر المومنین کہنے پر بڑی لے دے کی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منسوب ایک روایت بھی لکھی ہے کہ آپ کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو آپ نے اسے ۲۰ کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا...... اس روایت میں ایک راوی نوفل بن ابی عقرب کی توثیق کے لیے قاضی صاحب کو کوئی حوالہ ہی نہ مل سکا۔ فیا اسفا۔

۱۔ قاضی صاحب کو یزید کے ساتھ ذاتی عناد ہے اور یہ موروثی بھی ہے۔ قاضی صاحب کے والد صاحب عام جلسوں میں یزید پر لعنت کیا کرتے تھے۔ (مناظرہ میر پور ص ۱۲) حالاں کہ حدیث میں آتا ہے کہ مومن لعّان نہیں ہوتا (صحیح بخاری) اور مومن پر لعنت کرنا جائز نہیں اور جو کسی مسلمان پر لعنت کرے، وہ خود ملعون ہے (وفیات الاعلان ج ۳ ص ۲۸۸) اسی طرح قصیدہ ''بدء المعانی'' کی شرح میں علامہ علی قاری نے لکھا ہے کہ یزید بن معاویہؓ پر سلف صالح میں سے کسی نے لعنت نہیں کی۔ البتہ غالی رافضی اس پر لعنت کرتے ہیں جو کہ غلو کرنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ (ضوء المعالی شرح بذالامالی ص ۸۵) بلکہ ان روافض کے مورث اعلیٰ ابن جریر طبری نے تو حضرت امیر معاویہؓ کو لعنت اللہ لکھا ہے۔

۲۔ علامہ علی قاری کی تصریح سے معلوم ہو گیا کہ...... یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے والے غالی رافضی اور حد سے گزر جانے والے ہیں''...... اب چونکہ اس غلو میں قاضی صاحب اپنے والد کے صحیح جانشین ہیں اس لیے مذمتِ یزید میں کسی ضعیف بلکہ موضوع روایت پر بھی نظر پڑ جائے تو نقل فرما لیتے ہیں۔ الخ

الجواب

ا۔ قاضی درویش صاحب پر لازم تھا کہ وہ یزید کے بارے میں میری تحریر پیش کرتے جس میں میں نے یزید پر لعن کیا ہے لیکن برعکس اس کے حضرت والد صاحب مرحوم کا قول پیش کر کے مجھ کو موردِ الزام بنا دیا اور یہ کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے کہ مجھے یزید سے ذاتی عناد ہے۔ یہ تو بتائیں کہ ذاتی عناد کی آخر وجہ کیا ہے؟ اور یہ بھی غلط ہے کہ قاضی صاحب کے والد صاحب عام جلسوں میں یزید پر لعنت کیا کرتے تھے، اگر والد صاحب نے کہیں یزید کو ملعون کہا ہے تو اس کا یہ مطلب کہاں سے نکال لیا کہ عام جلسوں میں لعنت کیا کرتے تھے۔ درویش صاحب میرے والد مرحوم حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ کی ثنا خوانی بھی کرتے ہیں اور بدگوئی بھی، جیسا قبل ازیں ان کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں اور نقیب ختم نبوت کے زیر بحث مضمون کے آخر میں ص ۳۶ پر بطور ضمیمہ نظر (۱) والد صاحب مرحوم کا وہ فتویٰ بھی شائع کر دیا جس میں حضرات اکابر دیو بند کی تکفیر کی گئی ہے اور جو میری پیدائش سے بھی پہلے کا فتویٰ ہے۔ اس فتویٰ کے متعلق درویش صاحب موصوف نے نقیب ص ۱۴ پر لکھا ہے کہ: مولانا کرم دین کا یہ تکفیری فتویٰ ہم نے اس مقالہ کے آخر میں بھی بطور ضمیمہ درج کر دیا ہے اور یہ مفصل فتویٰ دو روپے کے ڈاک ٹکٹ آنے پر فقیر سے علیحدہ بھی دستیاب ہے۔

یہ ہے فقیر درویش کی اکابر دیو بند سے عقیدت کہ اس تکفیری فتویٰ کو عام پھیلا رہے ہیں اور جو لوگ پہلے اس فتوے سے واقف نہیں ہیں اور حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحبؒ سے غائبانہ ان کو عقیدت ہے کیا وہ اس فتویٰ کی وجہ سے اکابر دیو بند سے بدظن نہیں ہو جائیں گے یا جو لوگ اکابرؒ دیو بند کے پہلے سے مخالف ہیں، کیا وہ فقیر موصوف کے شائع کردہ اس فتویٰ کو اکابر دیو بند کے خلاف نہیں استعمال

کریں گے۔ سچ ہے دانا دشمن سے نادان دوست بُرا ہوتا ہے اور یہ پہلے بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ والد ماجد حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ تعالیٰ آخری عمر میں حضرات اکابر دیو بند کے عقیدت مند ہو گئے تھے، اس لیے اس فتویٰ کو شائع کرنا قاضی درویش صاحب کی انتہائی درجے کی بد دیانتی ہے۔

۲۔ میری کتاب بشارت الدارین قاضی درویش صاحب اور جناب مولانا حافظ سید عطاء المنعم صاحب بخاری نے بھی بہت زیادہ پسند کی ہے اور درویش صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے بشارت الدارین میں یزید پر لعنت کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ پر مفصل بحث کر دی ہے اور لعنِ یزید کے مسئلہ میں حضرت امام غزالی کی عبارتیں بھی پیش کی ہیں۔ بخوفِ طوالت یہاں ان کی صرف دو عبارتیں پیش کی جاتی ہیں۔

فان قيل فهل يجوز ان يقال قاتل الحسين لعنه الله او الآمر بقتله لعنه الله قلنا الصواب ان يقال قاتل الحسين ان مات قبل التوبة لعنه الله لانه يحتمل ان يموت بعد التوبة فانّ وحشياً قاتل حمزه عمّ رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قتله وهو كافر ثم تاب عن الكفر و القتل جميعاً۔ (احیاء العلوم جلد سوم) اگر یہ کہا جائے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ قاتل حسین پر اللہ کی لعنت ہو یا آپ کے قتل کا حکم دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو تو ہم کہتے ہیں کہ صحیح یہ صورت ہے کہ کہا جائے کہ قاتل حسین اگر توبہ سے پہلے مر گیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کیوں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ توبہ کے بعد مرا ہو مثلاً وحشی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل ہے اور اس نے جب آپ کو قتل کیا تو وہ کافر تھا پھر اس کے بعد اس نے کفر اور قتل دونوں سے توبہ کر لی تھی۔''

اس سے ثابت ہوا کہ کسی شخص معین پر لعن کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے۔

اس وجہ سے کہ ممکن ہے موت سے پہلے اس نے توبہ کر لی ہو، لیکن یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر قاتلِ حسین نے توبہ نہیں کی تو اس پر لعنت ہو اور امام غزالی یہ بھی فرماتے ہیں کہ والصفات المقتضیة للحن ثلثه الکفر والبدعة والفسق۔ (ایضاً احیاء العلوم جلد ثالث) اور لعنت کرنے کی مقتضی یہ تین صفتیں ہیں۔ کفر، بدعت اور فسق۔

مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد

قُطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہٗ لکھتے ہیں۔ بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کف لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے، کیوں کہ حسینؓ کے قتل کو حلال جاننا کفر ہے مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا محقق نہیں، لہٰذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بے شک تھا۔ نیز لکھتے ہیں کہ جب تک کسی کا کفر پر مرنا متحقق نہ ہو جائے۔ اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے اوپر عودِ لعنت کا اندیشہ ہے لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی اور خوش تھا، ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا اس کے بعد وہ ان افعال کا مستمل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا۔ تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جواز لعن و عدم لعن کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیوں کہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، نہ مستحب۔ محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (بشارت الدارین ص ۲۰۲)

لعن یزید کے مسئلہ میں اکابر دیوبند کا مسلک عدم لعن کا ہے اور بندہ بھی متبع ہے۔ پھر درویش صاحب نے مجھ پر کتنا بڑا بہتان تراشا ہے کہ میں بھی لعن یزید میں والد صاحب کا متبع ہوں۔ درویش صاحب کو موروثیت کا مرض اس قدر لاحق آ گیا ہے کہ عموماً اسی ذہن سے سوچتے ہیں اور اس قسم کے اختلافی مسائل میں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ اور بنی عبشم کا فلسفہ بھی چلاتے پھرتے ہیں۔

کیا یزید پر لعن کرنے والے رافضی ہیں؟

آپ نے ضوء المعالی شرح بدء الامالی کے حوالہ سے علامہ علی القاری حنفی محدثؒ کی یہ عبارت پیش کی ہے کہ: یزید بن معاویہ پر سلف صالح میں سے کسی نے لعنت نہیں کی، البتہ غالی رافضی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ الخ

الجواب:

ا۔ ضوء المعالی تو میرے پاس نہیں ہے لیکن آپ کا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ جو شخص یزید پر لعنت کرتا ہے وہ رافضی ہی ہوتا ہے۔ آپ نے یہ مسئلہ محدث علی قاریؒ کی شرح فقہ اکبر اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے کیوں نہیں پیش کیا، حالاں کہ یہ کتابیں متداول اور مشہور ہیں اور گو علامہ علی لقاری محدثؒ یزید پر لعنت کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے لیکن وہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اہلِ سنت کے ہاں یزید پر لعن کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے شرح عقائد نسفی کی یہ عبارت پیش کی۔ والحق رضا یزید بقتل الحسین واستبشاره بذلک واهانته اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مماتواتر معناه وان کان تفاصیلها آحاداً لانتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة اللہ علیه وعلی انصاری واعوانه (شرح فقہ اکبر ص ۳۷ ناشر قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی) اور حق یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل پر راضی ہونا اور بشارت حاصل کرنا اور اہلِ

بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کرنا تواتر معنوی سے ثابت ہے اگرچہ اس کی تفصیل خبر احاد سے ثابت پس ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان میں بھی توقف نہیں کرتے۔ اس پر بھی اور اس کے معاونین و مددگاروں پر بھی لعنت ہو۔

اگرچہ علامہ علی قاریؒ نے علامہ تفتازانیؒ کے اس قول کی تردید کی ہے لیکن اس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ اہلِ سنت میں لعن یزید کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۲۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:
پھر یزید کا بعد از ظہور فسق وہ حال نہیں رہتا جو ابتدا میں تھا یعنی اس کے اعمال شنیعہ درجۂ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے جیسا کہ امام احمد اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافۃ ہو گیا تھا۔ الخ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مکتوب ۸۹۔ حضرت مدنی کا مکمل مکتوب خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسقِ یزید ص ۳۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ یزید کی تکفیر کے قائل تھے۔

۳۔ علامہ ابن تیمیہؒ لعنِ یزید کی بحث میں لکھتے ہیں

وقد تنازع الناس فی لعن الفاسق المعین فقیل انه جائز کما قال ذلک طائفة من اصحاب احمد و غیرهم کابی الفرج ابن الجوزی وغیره و قیل انه لایجوز کما قال ذلک طائفة اخریٰ من اصحاب احمد وغیرهم کابی بکر عبدالعزیز وغیره. و المعروف عن احمد کراهیة لعن المعین کالحجاج بن یوسف و امثاله وان یقول کما قال الله تعالیٰ لعنة الله علی الظالمین الخ منهاج السنة جلد دوم ص ۲۵۲)

فاسق معین پر لعنت کرنے کے بارے میں لوگوں نے اختلاف و نزاع کیا

ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ کے اصحاب کے ایک گروہ وغیرہ نے کہا ہے مثلاً محدث ابو الفرج ابن الجوزی نے اور ایک قول یہ ہے کہ فاسق معین پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل کے اصحاب کے ایک گروہ اور ان کے علاوہ ابو بکر بن عبدالعزیز وغیرہ نے کہا ہے کہ مشہور قول امام احمد بن حنبل کا یہ ہے کہ معین فاسق پر لعنت کرنا مکروہ (ناپسندیدہ) ہے مثلاً حجاج بن یوسف وغیرہ جیسے لوگوں پر اور یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''لعنة الله على الظالمين''۔ (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۵۲)

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ یزید وغیرہ فاسق معین کے بارے میں لعن اور عدم لعن کے بارے میں دونوں قول ہیں۔ لہٰذا قاضی صاحب درویش کا یہ کہنا کہ یزید پر جو لعن کرتا ہے، وہ رافضی ہے ایک بے بنیاد الزام ہے۔

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: اس حکم میں کہ یزید پر لعن کرنی چاہیے یا نہیں توقف اس وجہ سے ہے کہ یزید کے بارے میں معاملہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام میں روایات متعارضہ ومتخالفہ وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علیہ السلام کی شہادت پر یزید پلید راضی ہوا اور آپ کی شہادت پر خوش ہوا اور اس نے اہلِ بیت اور خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کی، تو جن علماء کے نزدیک یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء نے یزید پلید پر لعن کیا۔ چنانچہ (امام) احمد بن حنبلؒ اور کیا الہراسیؒ جو فقہائے شافعیہ میں سے ہوئے ہیں اور دیگر علماء کثیر نے یزید پلید پر لعن کیا۔ الخ۔

(فتاوی عزیز مترجم اُردو ص ۲۲۲ شائع کردہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اکابر کی مذکورہ عبارات سے صرف یہ ثابت کرنا مقصو ہے کہ یزید پر لعن کرنے یا نہ کرنے میں اکابر اہل سنت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لیے یزید

پر لعن کے جواز کے قائلین کو رافضی قرار دینا یہ قاضی شمس الدین درویش کا اپنا غلو ہے جو دفاعِ یزید میں بہتان تراشیوں سے بھی باز نہیں آتے۔ اصل بحث تو یہ ہے کہ یزید صالح ہے یا فاسق۔ اور جن بزرگوں نے یزید پر لعن کرنے سے منع کیا ہے، وہ بھی یزید کو صالح نہیں مانتے۔ امام غزالیؒ۔ علامہ علی القاری محدثؒ علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ میں سے کسی سے یہ ثابت کر دیں کہ انہوں نے یزید کو صالح قرار دیا بلکہ لعن یزید اور عدم لعن یزید کا اختلاف ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان تمام اکابرین اہلِ حق کے نزدیک یزید فاسق تھا ورنہ جو اکابر لعن یزید کے قائل نہیں ہیں وہ اس کی دلیل یہ دیتے کہ چونکہ یزید صالح و راشد تھا، اس لیے اس پر لعن کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یزید کو امیر المومنین کہنے کی بحث

قاضی شمس الدین صاحب درویش نے لکھا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے خارجی فتنہ حصہ دوم کے ص ۳۴۸ پر یزید کو امیر المومنین کہنے پر بڑی لے دے کی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے منسوب ایک روایت بھی لکھی ہے کہ آپ کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو آپ نے اسے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت میں ایک راوی نوفل بن ابی عقرب کی توثیق کے لیے قاضی صاحب کو کوئی حوالہ ہی نہ مل سکا۔" (نقیب ص ۳۲)

الجواب:

محمود احمد عباسی نے اس روایت کے راویوں پر جرح کی تھی۔ میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۳۵۱ پر ان راویوں کی توثیق ثابت کی تھی (یعنی کہ وہ راوی ثقہ ہیں) اور یہ بھی لکھ دیا تھا کہ نوفل کو بھی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ثقہ قرار دے رہے ہیں۔ کیا میری یہ عبارت درویش صاحب کو نظر نہیں آئی اور حافظ

ابن حجر عسقلانیؒ نوفل کے متعلق لکھتے ہیں۔نوفل بن ابی عقرب ثقة ۔نوفل بن ابی عقرب ثقہ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۶۱ طبع بیروت) جب امام صاحب نے ثقہ قرار دے دیا تو پھر آپ کیوں تسلیم نہیں کرتے اور جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یزید کو امیر المومنین کہنے پر اس شخص کو بیس کوڑوں کی سزا دی تو ثابت ہوا کہ یزید فاسق تھا اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خود بنی امیہ میں سے ہیں۔

۲۔ میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم ۳۴۶ پر یہ بھی لکھا تھا کہ: گو عرفاً یزید وغیرہ بادشاہوں کو خلیفہ اور امیر المومنین کہہ سکتے ہیں لیکن احترام وتعظیم کی بنا پر نہیں کہنا چاہیے اور چونکہ اس شخص نے یزید کو بطورِ احترام امیر المومنین کہا تھا اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے عادل اور متقی خلیفہ نے اس کو بیس کوڑوں کی سزا دی۔ علاوہ ازیں یزید کو امیر المومنین کہنے پر کوڑوں کی سزا کی روایت حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب التہذیب جلد اوّل ص ۳۶۱ میں بھی منقول ہے۔

درویش صاحب کا استدلال غلط ہے

قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں کہ قاضی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ یزید کو خود سیدنا حسین (شہید ومظلومِ کربلا بہ تیغ مفسدین آل سبا) نے امیر المومنین فرما دیا ہے اور اس کے لیے انہوں نے تاریخ طبری۔ تاریخ کامل ابن اثیر اور تاریخ ابن کثیر اور جمہرۃ انساب العرب کی عبارتیں پیش کی ہیں جن میں یزید کو امیر المومنین کہا گیا ہے۔ (نقیب ص ۳۲۔۳۳) ان حوالجات سے قاضی درویش صاحب کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیوں کہ وہاں یزید کو عرفاً امیر المومنین کہا گیا ہے نہ کہ حقیقتاً۔ چنانچہ مشہور مورخ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ فصل نمبر ۳۲ میں عنوان ہی یہ قائم کیا ہے: فی اللقب بامیر المومنین و انه من سمات الخلافة و هو محدث

منذ عهد الخلفاء '' (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۷ بخوف طوالت یہاں صرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

خطاب امیر المومنین ۔عہد امارت کی ایک قدیمی یادگار

اس زمانے میں افسرانِ فوج کو امیر المومنین کہا جاتا تھا۔ چنانچہ (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ کو جو قادسیہ کی جنگ میں سپہ سالار فوج تھے، فوجی امیر المومنین کہتے تھے۔

۲۔ اتفاق سے کسی صحابی نے فاروقِ اعظم کو بھی امیر المومنین کہہ دیا۔ سامعین کرام کو یہ خطاب اچھا معلوم ہوا اور پھر سب نے خلیفہ کے لیے یہی خطاب چن لیا۔ سب سے پہلے فاروق اعظم کو امیر المومنین کہنے والے (حضرت) عبداللہؓ بن جحش ہیں یا (حضرت) عمروؓ بن العاص یا (حضرت) مغیرہؓ بن شعبہ ہیں...... پھر یہی خطاب بہترین ہونے کی وجہ سے ہر بعد میں آنے والے خلیفہ کو دیا گیا۔ حکومت بنی اُمیہ میں بھی یہی خطاب باقی رہا۔

۳۔ پھر شیعہ حضرات نے حضرت علیؓ کو امام کے لقب سے پکارا یعنی آپ امامت بمعنی خلافت کے امام ہیں۔ اس لقب سے ان کا مقصد اپنے عقیدے کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ (حضرت) علیؓ بہ نسبت (حضرت) صدیق اکبرؓ کے امامتِ نماز کے زیادہ مستحق تھے۔ یعنی امام کا خطاب شیعوں کی اختراع ہے۔ پھر بعد میں آنے والے (حضرت) علیؓ کے جانشینوں کو بھی امام ہی سے پکارنے لگے لیکن جب ان کے قبضہ میں حکومت آئی تو یہ بھی امام کو امیر المومنین ہی کہنے لگے۔ حکومت عباسیہ میں شیعہ حضرات ابراہیم تک اپنے اماموں کو امام ہی کہتے رہے مگر جب ان کی تحریک میدانِ عمل میں آئی اور یہ بنی امیہ سے لڑنے کے لیے جھنڈے لے کر کھڑے ہو گئے اور ابراہیم شہید ہو گئے تو انھوں نے سفاحؔ کو امیر المومنین ہی کے خطاب سے پکارا۔

یہی حال افریقہ کے رافضیوں کا ہے کہ وہ آل اسمٰعیل کے ہر فرد کو امام کے نام سے پکارتے رہے، حتیٰ کہ عبید اللہ مہدی اور اس کے فرزند ابو القاسم کو بھی امام ہی کے نام سے پکارا لیکن جب حکومت مضبوط اور مستحکم ہو گئی تو امام کو بجائے امام کے امیر المومنین کہنے لگے۔ مغرب میں بھی یہی طریقہ اَدارِسہ کا رہا کہ انہوں نے ادریس کو اور اس کے بیٹے ادریس اصغر کو امام کے نام سے پکارا۔ پھر حکومت پر قابض ہونے کے بعد یہ لوگ امیر المومنین کہلانے لگے۔ غرض یہ کہ امیر المومنین کا لقب حجازی، شامی اور عراقی سلاطین کا ایک خصوصی اور امتیازی لقب رہا ہے۔ حجاز، شام اور عراق دیارِ عرب کے نام سے موسوم ہیں اور سچ پوچھو تو یہی اسلامی حکومت کے مرکز و محور اور اہلِ ملت وارباب فتوحات کے پسندیدہ مقامات ہیں۔ الخ

(مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص ۵۲ ـ ۵۳)

حافظ ابن کثیر محدثؒ

قاضی درویش صاحب کے محبوب مورخ حافظ ابن کثیر محدث متوفی ۷۷۴ھ ہیں۔ ان کی تاریخ البدایہ والنہایہ سے وہ اکثر حوالے پیش کرتے رہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے بھی بعد کے سلاطین کے ساتھ امیر المومنین کا لقب لکھا ہے۔ مثلاً خلیفہ ناصر الدین متوفی ۶۲۲ھ کے ساتھ امیر المومنین کا لقب لکھا ہے اور لکھا کہ اس کی مدتِ خلافت ایک ماہ کم ۴۷ سال تھی اور اس سے قبل عباسی خلفاء میں سے کسی نے اتنی طویل مدت خلافت نہیں کی...... اور ابن اثیر نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں بیان کیا ہے کہ اس (یعنی خلیفہ ناصر الدین) نے جو غلط رسوم ایجاد کی ہوئی تھیں، اس نے انہیں اپنی بیماری کے ایام میں بھی نہیں چھوڑا اور وہ بھی سیرت اور رعیت کے بارے میں ظالمانہ ارادے رکھتا تھا اور اس نے اپنے زمانے میں عراق کو ویران کر دیا ۔ اور اس نے ان کے اموال واملاک چھین لیے اور وہ ایک کام کر کے اس کے الٹ

کام نہیں کرتا تھا۔ الخ (البدایہ و النہایہ مترجم اُردو ص ۲۰۹۔۲۱۰)۔ فرمایئے ایسے خلیفہ کو بھی حافظ ابن کثیر نے امیر المومنین لکھا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ

علامہ ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۶۸ھ) امام احمد بن حنبلؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں

ومن ولی الخلافة فاجمع علیه الناس و رضوانه و من غلبهم بالسیف حتی صار خلیفة و مسمی امیر المومنین فدفع صدقات جائز برا کان اؤ فاجراً۔ (منہاج السنۃ جلد اوّل ص ۱۴۲ مطبوعہ مصر) اور جو شخص خلافت کا والی بن جائے اور اس سے لوگ راضی ہو جائیں اور سب اس پر اجماع کر لیں اور جو شخص تلوار کے زور پر لوگوں پر غالب آجائے، حتیٰ کہ خلیفہ بن جائے اور امیر المومنین کہلایا جائے تو اس کو صدقات زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے، خواہ وہ نیک ہو یا فاجر۔"

امام احمد بن حنبلؒ کے ارشاد سے وضاحت ہوگئی کہ صالح و فاجر دونوں قسم کے سلاطین کے لیے امیر المومنین کا لقب استعمال کیا جاتا ہے اور اگر یزید کو اپنے دور میں امیر المومنین کہا گیا ہے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ وہ صالح و راشد تھا۔ قاضی درویش صاحب کا یہ استدلال بھی ہباءً منثوراً ہو گیا۔

☆☆☆

قاضی صاحب درویش نے یزید کے صالح و عادل ہونے کے اثبات میں وہ اقوال پیش کیے ہیں کہ جن میں اس کو امیر المومنین کہا گیا۔ تو میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرون اولیٰ میں صالح اور فاسق دونوں قسم کے حکمرانوں کے لیے امیر المومنین کا لقب استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ انہوں نے ایسے اقوال بھی پیش کیے کہ جس میں یزید کو امام کہا گیا ہے۔ تو اس کے جواب میں، مَیں نے یہ ثابت کیا کہ فاسق حکمرانوں کے لیے بھی امام کا لقب استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پیش کر رہا ہوں جس میں عادل اور جائر دونوں قسم کے حکمرانوں کے لیے لفظ امام استعمال کیا گیا ہے۔ حدیث حسب ذیل ہے:

عن ابی سعید قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انّ احب الناس الی اللّٰہ یوم القیٰمۃ واقربھم منہ مجلساً امام و عادل وان ابغض الناس الی اللّٰہ یوم القیٰمۃ واشد ھم عذاباً و فی روایۃ وابعدھم منہ مجلساً امامٌ جائرٌ (راوہ الترمذی)	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور مقرب بارگاہ امام عادل ہوں گے اور تمام لوگوں میں سے قیامت کے دن سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک مغضوب اور سب سے زیادہ سخت عذاب والے اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ راندۂ بارگاہِ الٰہی امام جائر (ظالم) ہوں گے۔ (ترمذی شریف)

فرمائیے اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ امام (یعنی حکمران) دو قسم کے ہیں۔ ایک عادل و صالح اور دوسرے جائر و ظالم۔ پھر آپ نے کہاں سے یہ علمی نکتہ نکال لیا کہ یزید کو چونکہ امام کہا گیا ہے، اس لیے لازماً وہ صالح اور عادل تھا؟

ایک کتابچہ اور یزید

انھی دنوں میں ایک کتابچہ موصول ہوا ہے جس کا نام ہے: ''سید نصیر الدین شاہ گیلانی اور سادات بنو امیہ''۔ اس کے مؤلف مولوی حسین احمد صاحب قریشی ساکن بھوئی گاڑ ضلع اٹک ہیں۔ پیش لفظ میں مولوی حکیم احمد حسن صاحب قریشی نے اس کتابچہ کا پس منظر حسب ذیل عبارت میں بیان کیا ہے:

''میرے برادر عزیز مولانا حسین احمد قریشی سلمہ ربہ (جو کہ

مرکزی جامع مسجد بھوئی گاڑ کے خطیب اور انجمن ربانیہ اہل السنّت و الجماعت کے صدر ہیں) نے درج ذیل مضمون سید السالکین امام العارفین حضرت سید پیر خواجہ مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے مخدوم زادہ سید نصیر الدین شاہ صاحب نصیر گیلانی کی ضخیم کتاب ''نام و نسب'' کے باب نہم کے جواب میں لکھا ہے۔ نصیر صاحب نے نام ونسب کے باب نہم میں سادات بنوامیہ کے خلاف کچھ خلاف حقیقت تلخ باتیں لکھ دیں۔ زیرِ نظر مضمون اس کے جواب میں لکھا گیا ہے۔'' الخ

حکیم مولوی احمد حسن صاحب قریشی نے پیش لفظ کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''قاضی محمد شمس الدین صاحب مدظلہ، درویش کا بھی ممنون ہوں کہ مطلوبہ کتاب مہیا فرما کر مضمون کی تکمیل میں مدد کی۔ یہ بہت اہم مرحلہ تھا کیوں کہ کتاب کے بغیر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا، اس لیے میں حضرت قاضی صاحب کا بھی مشکور ہوں جزاکم اللہ خیر الجزاء''۔

پیش لفظ میں حکیم صاحب موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

یہ جوابی مضمون صاحب زادہ گولڑوی کو ۱۷ فروری ۱۹۹۰ء کو ارسال کیا تھا۔ انہوں نے جواب نہ دیا تو پھر یہ مضمون اولاً کراچی سے شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ، کے زیرِ ادارت چلنے والے عظیم دینی ادارہ جامعہ فاروقیہ کے تبلیغی وفکری ترجمان ماہنامہ ''الفاروق'' میں شائع ہوا اور اب پمفلٹ کی صورت میں انجمن ربانیہ اہل السنّت والجماعت پاکستان کی جانب سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ الخ

تبصرہ

یہاں اس کتابچہ کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اس میں یزید کے صالح و عادل

ثابت کرنے کے لیے جو دلائل مذکور ہیں، وہ قریباً وہی ہیں جو قاضی شمس الدین صاحب درویش موصوف نے ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان (جون ۱۹۹۰ء) کے زیر بحث مضمون میں دیے ہیں۔ یعنی یزید کو فلاں فلاں نے امیر المومنین کہا۔ پھر مشاجرات صحابہؓ کے سلسلے میں میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''آفتابِ ہدایت'' کا حوالہ کہ دونوں طرف سے اجتہادی خطا ہوئی اور مناظر اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی صدر تنظیم اہل سنت پاکستان کے مناظرہ باگڑ سرگانہ کا حوالہ کہ تین شرائط میں سے تیسری شرط حضرت امام حسینؓ رضی اللہ عنہ نے یہ پیش کی تھی کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو۔ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا۔'' اس کتابچہ میں وہی سُن مُن ہونے کے طعنے اور وہی ابن عبشم اور بنی ہاشم کی بحثیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابچہ کے مؤلف ہی قاضی شمس الدین صاحب ہیں۔ یزید کو امیر المومنین کہنے اور ''آفتابِ ہدایت'' کی عبارت کا جواب تو میں نے دے دیا ہے۔ شرائط کی بحث بعد میں آئے گی۔ ہمیں تعجب ہے کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے ماہنامہ ''الفاروق'' میں مضمون کا یہ حصہ کیونکر شائع ہو گیا جس میں بے بنیاد دلائل سے یزید کو صالح و عادل ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ واللہ الھادی۔

ایک اور جاہلانہ طعن

قاضی درویش صاحب موصوف نے اپنے عنایت نامہ (محررہ ۵ ربیع الاوّل ۱۴۰۶ء) میں مجھے لکھا تھا کہ ''ہمیں علم ہے کہ جو آدمی عداوت یزید پر مجہول اور معظور رہوتا ہے۔ وہ معذور ہوتا ہے دو سال پہلے کی بات ہے کہ لاہور کے ذی علم احباب کی مجلس میں آپ کا ذکر آ گیا تو ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب کو یزید کے ساتھ ایسی طبعی عداوت ہے کہ اگر قیامت کو جنت کی گیٹ کیپری

حضرت قاضی صاحب کو مل جائے اور خود اللہ تعالیٰ بھی یزید کو جنت میں داخل کرنا چاہیں تو حضرت قاضی صاحب لٹھ لے کر راستہ روک لیں کہ یا باری تعالیٰ میں تو یزید کو جنت میں نہیں دیکھنا چاہتا کہ یزید جنت میں جائے، تو اس ضد کا علاج تو حضرت لقمان کے پاس بھی نہیں۔ بعد میں جب فقیر نے غور کیا تو ان صاحب کی بات کچھ زیادہ بے محل نظر نہ آئی۔ الخ

الجواب

اس یزیدی لطیفہ کے جواب میں بندہ نے اپنے مکتوب محررہ ۱جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۳ جنوری ۱۹۸۶ء میں لکھا کہ:

"آپ کا عنایت کردہ محررہ ۵ ربیع الاول موصول ہو گیا لیکن بوجہ بیماری اور دوسری مصروفیات کے پورا نہ پڑھ سکا۔ ۲۰ ربیع الثانی کو اس کا مطالعہ کیا لہٰذا تاخیر سے جواب عرض کر رہا ہوں۔"

(۲) آپ کے نزدیک میرا جرم یہی ہے کہ میں یزید کو فاسق قرار دیتا ہوں اور چونکہ یزیدی گروہ یزید کو اپنی تصانیف میں متقی و صالح ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے بحث کی ضرورت پڑ گئی کہ یزید صالح تھا یا فاسق، اور چونکہ صدیوں سے محققین اہل السنّت والجماعت یزید کو فاسق لکھتے چلے آ رہے ہیں اور مسلک اہل سنت یہی ہے حتیٰ کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بھی یزید کو زمرہ فاسقین میں شمار کیا ہے اس لیے بندہ نے مسلک حق کی حمایت میں قدم اٹھایا ہے اور اگر آپ کے نزدیک جو شخص یزید کو فاسق قرار دیتا ہے اس کی جبلت اور فطرت میں ہی یزید کی عداوت پائی جاتی ہے جس کے تقاضا کے تحت وہ العیاذ باللہ قیامت میں حق تعالیٰ کا بھی مقابلہ کر سکتا ہے تو پھر یہ حکم آپ صرف مجھ پر ہی نہیں لگا رہے بلکہ امام ربانی اور تمام اکابر دیوبند اور جمہور علمائے اہلسنت کے بارے میں بھی آپ کا

یہی تصور ہے۔ جس مجلس میں اس قسم کا تبصرہ ہوا ہے اس کو ذی علم کی مجلس قرار دینا علم کی توہین ہے۔ کاش کہ آپ نقشبندی مجددی کہلوا کر اس مجلس کی زینت نہ بنتے۔ آپ یزید کی محبت میں اتنے مغلوب ہو گئے کہ آپ کو یہ فرق بھی محسوس نہیں ہوا کہ میں یزید کو کافر نہیں کہتا، فاسق کہتا ہوں۔ کافر کے لیے تو جنت حرام ہے لیکن فاسق آخر میں جنت میں داخل ہو جائے گا۔ مجھے ذاتی طور پر اس بات سے غصہ نہیں آیا کیونکہ رافضی مجھے ہر قسم کی گالیاں لکھتے رہتے ہیں اور خارجی بھی انہی کی طرح مجھ سے نالاں ہیں۔ الحمد اللہ بندہ کی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' نے پاکستان کے خارجیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ دور حاضر کے یزیدی گروہ کے امام محمود احمد عباسی کی جو گستاخیاں اور بددیانتیاں میں نے اس کتاب میں مختصراً لکھی ہیں ان کی وجہ سے کتنے لوگوں کو احساس ہو گیا کہ یہ ردشیعیت کی تحریک نہیں بلکہ قرآن کے موعودہ خلیفہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین و تذلیل ان کا اصل مقصد ہے لیکن تعجب تو آپ سے ہے کہ سلسلہ مجددیت، سے منسلک بھی ہیں اور عباسی کی تحریک یزیدیت سے متفق بھی۔ بہ بیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی۔ بندہ اپنے اکابر کے محتاط مسلک کے مطابق فسق یزید کا تو قائل ہے لیکن لعن و تکفیر یزید کا قائل نہیں تو فرمایئے کہ آپ کی مذکورہ مجلس علمی کے معاندانہ تبصرہ کا کیا انجام ہو گا۔''

اسی جوابی مکتوب میں میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ:

''یہ تین ماہ کے بعد آپ کا فقیرانہ مراقبہ اس قدر تبدیل کیوں ہو گیا۔ ۱۹ نومبر کے عنایت نامہ میں آپ نے سرعنوان تو بندہ کو فخر اہل سنت لکھا اور اس کے اندر مذکورہ بالا تبصرہ یزیدی مجلس علمی کا نقل فرما دیا اور اس کی تائید کرتے ہوئے یہ فرما دیا کہ ''بعد میں جب فقیر نے غور کیا تو ان صاحب کی بات کچھ زیادہ بے محل نظر نہ آئی'' تو حضرت اس قسم کے متضاد جذبات رکھنے والے فقیر صاحب علمی و تحقیقی

میدان میں کیا کیا شگوفے نہ کھلائیں گے۔

مولانا تقی عثمانی کا موقف

قاضی شمس الدین درویش لکھتے ہیں:

آخر میں ہم قاضی صاحب کو مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی زیدہ مجدہ کا فیصلہ بھی سنائے دیتے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے جماعت اسلامی کے ملک غلام علی کے ساتھ برسوں کے قلمی مناظرے میں جو تحقیق کی اس کے نتیجہ میں لکھتے ہیں: ''بلاشبہ یزید کا فسق وفجور کسی قابل استناد روایت سے ثابت نہیں'' (ماہنامہ البلاغ کراچی بابت ماہ جمادی الاولیٰ ص ۲۵ سطر ۲۷) ہمارا بھی چالیس برس کا حاصل مطالعہ یہی ہے اور ہم پوری دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بنیادی ہدف یہی یزید ہے اور اس کے بعد حضرت معاویہؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ...... چنانچہ خمینی نے صاف لکھا ہے کہ: ہم ایسے خدا کو خدا نہیں مانتے جو یزید اور معاویہ اور عثمان جیسے بدمعاشوں کو حکومت دیتا ہے (معاذ اللہ) دیکھئے خمینی کی کتاب ''کشف الاسرار ص ۱۰۷ بحوالہ ایرانی انقلاب ص ۶۹ مولفہ مولانا منظور نعمانیؒ) (نقیب ختم نبوت ملتانی ماہ جون ۱۹۹۰ء)

الجواب

میرے ساتھ فسق یزید کی بحث میں قاضی درویش صاحب موصوف نے اپنے مکتوب محررہ ۸ محرم ۱۴۰۶ھ میں بھی جناب مولانا محمد تقی صاحب عثمانی زید فضلھم کی مندرجہ عبارت پیش کی تھی اور اس کا میں نے مسکت جواب دے دیا تھا۔ قاضی شمس الدین صاحب موصوف نے مولانا موصوف کا حوالہ پیش کرنے میں دجل وفریب سے کام لیا ہے یا وہ اتنے غبی ہیں کہ وہ ملک غلام علی صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے زیر بحث موضوع کو بھی نہیں سمجھ سکے۔ میں نے اپنے مکتوب محررہ

۲۳ جنوری ۱۹۸۶ء میں جو جواب دیا تھا حسب ذیل ہے۔

آپ بھی عجیب ہیں مولانا تقی عثمانی صاحب کے بڑوں کی تحقیق کو تو نہیں مانتے اور ان کی تحقیق کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔

(۲) مذکورہ ماہنامہ تو پیش نظر نہیں ہے البتہ اپنی کتاب ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' ص ۹۹ پر وہ لکھتے ہیں:

''بلاشبہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں یزید کا فسق وفجور کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں، اس لیے اس کو خلافت کا اہل تو سمجھا جا سکتا تھا لیکن امت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو نہ صرف دیانت وتقویٰ بلکہ ملکی انتظام اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلے میں یہ بدر جہا بلند مقام رکھتے تھے۔ اگر خلافت کی ذمہ داری ان کو سونپی جاتی تو بلاشبہ وہ اس سے کہیں بہتر طریقے پر اہل ثابت ہوتے''

غالباً مندرجہ عبارت کی پہلی سطر ہی آپ نے لکھی ہے لیکن ابتدائی الفاظ آپ ہضم کر گئے ہیں کہ:

بلاشبہ حضرت معاویہ کے عہد میں ''یعنی حضرت معاویہؓ کے عہد میں یزید کا فاسق وفاجر ہونا کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں'' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعد میں بھی اس کا فسق وفجور ثابت نہیں ہوتا اور مولانا تقی عثمانی کی مودودی سے بحث ہی یہی ہو رہی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے نیک نیتی سے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس وقت اس کا فسق وفجور ثابت نہ تھا۔ اس میں وہ حضرت معاویہؓ کا دفاع کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے لیکن یہ تو بتائیں کہ آپ نے پہلا جملہ کیوں نہیں لکھا۔ یہ فن آپ نے کہاں سے سیکھا ہے۔؟

(۳) جناب مولانا تقی عثمانی کی یہ عبارت بھی تو ملحوظ رکھیں کہ: جہاں تک

رائے کا تعلق ہے جمہور امت کا کہنا ہے کہ اس معاملہ میں رائے انہی حضرات صحابہؓ کی صحیح تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کے مخالف تھے جس کی مندرجہ ذیل وجود ہیں:

(۱) حضرت معاویہؓ نے تو بے شک اپنے بیٹے کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا لیکن ان کا یہ عمل ایک ایسی نظیر بن گیا جس سے بعد کے لوگوں نے نہایت ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ انہوں نے اس کی آڑ لے کر خلافت کے مطلوبہ نظام شوریٰ کو درہم برہم کر ڈالا اور مسلمانوں کی خلافت بھی شاہی خانوادے میں تبدیل ہوگئی۔ (ص ۹۹)

اسی سلسلے میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

جمہور امت کے محقق علماء ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کا یہ فعل (یعنی یزید کو ولی عہد بنانا) رائے اور تدبیر کے درجے میں نفس الامری طور پر درست ثابت نہیں ہوا اور اس کی وجہ سے امت کے اجتماعی مصالح کو نقصان پہنچا الخ (ایضاً تاریخی حقائق ص ۸۹)

قارئین حضرات فیصلہ فرمائیں کہ حضرت مولانا تقی عثمانی کی ایک سطر پیش کر کے قاضی درویش صاحب نے جو مہم سر کرنے کا خواب دیکھا تھا وہ شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا بلکہ ان کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ موصوف کو اس میں تنکے کا سہارا بھی نہ مل سکا بلکہ جس چیز کا سہارا بنایا تھا اس نے ان کو بالکل ہی غرق آب کر دیا۔

درویش صاحب موصوف تو حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ کرنے میں بھی حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا نہیں مانتے لیکن فاضل تقی عثمانی صاحب نے تو یزید کے ولی عہد مقرر کرنے کو بھی حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا قرار دیا ہے۔

ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت لاہوریؒ کا مسلک

قاضی شمس الدین صاحب نے زیر بحث ماہنامہ نقیب ص ۳۷ پر ضمیمہ نمبر۲ کے تحت یہ عنوان قائم کیا ہے:

قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی کی کتاب پر ہفت روزہ ''خدام الدین لاہور کا تنقیدی تبصرہ''

اس میں انہوں نے مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی کا وہ تبصرہ نقل کیا ہے جو انہوں نے خارجی فتنہ حصہ اول پر خدام الدین لاہور (۱۳ مئی ۱۹۸۳ء) میں شائع کیا ہے۔ قاضی صاحب درویش کو علم ہوگا کہ علوی صاحب خدام الدین سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ان کے تبصرہ کی نہ ضرورت ہے نہ اہمیت ان کا تبصرہ موصوف نے اس لیے نقیب میں شائع کیا ہے کہ وہ بھی یزیدی گروہ کے ایک فرد ہیں۔ وہ بھی اُمویت میں فنا ہیں۔ چنانچہ اسی تبصرہ میں انہوں نے آغا خان کے متعلق لکھا ہے کہ:

''پھر آغا خان اول کے الفاظ میں بنوامیہ کی عظیم الشان خادم اسلام حکومت وسلطنت پارہ پارہ ہوئی۔'' الخ

آغا خانی فرقہ شیعوں میں بدترین فرقہ ہے جس کے عقائد کھلم کھلا کفریہ ہیں۔ اپنے موقف کی تائید میں آغا خان کی تحریر کو پیش کرنا ناواقف لوگوں کے لیے اس کی عقیدت کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر آغا خان کے کفر کی علوی صاحب یہاں نشاندہی کر دیتے تو پھر ان کا حوالہ یوں محل اعتراض نہ بنتا۔

۲۔ قاضی شمس الدین صاحب کو خدام الدین میں علوی صاحب کا تبصرہ تو یاد آ گیا لیکن ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے بانی مخدوم العلماء والصلحاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ کا مسلک ملحوظ نہ رہا کہ وہ یزید کو فاسق وفاجر مانتے تھے۔ چنانچہ حضرت کا ایک رسالہ ۱۹۸۴ء میں بنام ''شہادت حسینؓ''

انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور نے ہی شائع کیا ہے جس کے ص ۵ پر حضرت لاہوری نے یزید کے متعلق لکھا ہے:

"یزید نے تمام ملکوں میں اپنے حکام کی طرف فرمان بھیجا کہ میرے حق میں لوگوں سے بیعت لی جائے۔ اسی ضمن میں اس نے مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسینؓ سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے۔ امام حسینؓ نے بیعت نہیں کی کیونکہ یزید فاسق، شرابی اور ظالم تھا۔ اس کے بعد امام حسینؓ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ میں جا کر قیام فرمایا۔"

کاش! کہ نقیب میں قاضی درویش صاحب حضرت لاہوریؒ کی یہ عبارت بھی نقل کر دیتے اور غالباً یہ سارا مضمون پہلے خدام الدین میں ہی شائع ہوا تھا۔

یزید ایک نقب ہے (درویشانہ استدلال)

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ: "اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بنیادی ہدف یہی یزید ہے۔" اور اپنے مکتوب محررہ ۸ محرم ۱۴۰۵ھ (۲۴ ستمبر ۱۹۸۵ء) میں بھی آپ نے لکھا ہے کہ:

"فقیر نہ یزید سے کوئی نسبت سیدنا حضرت حسینؓ سے سمجھتا ہے نہ اس کے والد کی حضرت علیؓ سے مگر یزید ایک نقب ہے جس سے روافض گزر کر حضرت معاویہ تک پہنچتے ہیں اور حضرت معاویہؓ سے گزر کر حضرت عثمان اور ان کے عمال تک پہنچتے ہیں او پھر آگے شیخینؓ تک الخ۔"

اس کے جواب میں میں نے اپنے مکتوب ۲۳ جنوری ۱۹۸۶ء میں یہ لکھا تھا کہ: کسی شخص کے عادل یا فاسق ہونے کا حکم لگانا دلائل و واقعات پر موقوف ہوتا ہے نہ کہ کسی ذاتی جذبہ یا حکمت عملی پر۔

(۲) اگر یزید کا فاسق وظالم ہونا ثابت ہو جائے جیسا کہ جمہور اہل سنت کا مسلک ہے اور حضرت معاویہؓ کا صحابی ہونا اور صاحب فضائل ہونا دلائل سے ثابت کر دیا جائے جیسا کہ بندہ نے ''دفاع حضرت معاویہؓ'' میں کیا ہے تو پھر شیعوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ کیا یزید کو صالح ثابت کرنے سے وہ مروجہ ماتم چھوڑ دیں گے اور حضرت معاویہؓ اور خلفاء ثلثہؓ رضی اللہ عنہم اجمعین کو برحق مان لیں گے؟ جب وہ قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین کو ماننے کے لیے تیار نہیں حالانکہ وہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا جواب بھی نہیں دے سکتے اور پھر وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت کو اپنے وضعی اصول تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور چونکہ قرآن سے مہاجرین وانصار کا جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے اس لیے وہ قرآن میں تحریف کے قائل ہو گئے ہیں تو آپ ان کو یزید کا صالح ہونا کیسے منوائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیعیت اور سبائیت کی بنیاد ہی کو نہیں سمجھ سکے الخ

حضرت محمدؒ بن حنفیہ

درویش قاضی لکھتے ہیں، حضرت محمدؒ بن حنفیہ جو سیدنا حسینؓ کے چھوٹے بھائی تھے اور حضرات حسنین کریمینؓ کے بعد سب سے زیادہ مدبر اور سمجھ دار تھے یزید کے متعلق افواہوں کی تحقیق کے لیے اور اس کے حالات سے باخبر ہونے کے لیے ایک ''مطالعاتی دورہ'' پر خود دمشق تشریف لے گئے اور یزید کے پاس کافی عرصہ مقیم رہے۔ پہلی ہی ملاقات میں دوران گفتگو یزید نے پوچھا کہ آپ پر کچھ قرض بھی ہے حضرت محمدؒ بن حنفیہ نے فرمایا کہ نہیں مجھ پر کوئی قرض نہیں ہے۔ اس پر یزید نے اپنے بیٹے خالد بن یزید سے کہا دیکھو تمہارے یہ چچا (محمد بن حنفیہ) خیف ین اور جھوٹ سے کتنے دور ہیں۔ (انساب الاشراف جلد ۳ ص ۲۷۸) یزید حضرت محمدؒ بن حنفیہ کے ساتھ انتہائی احترام سے پیش آتا تھا۔ جب آپ نے دمشق سے واپسی کا قصد فرمایا تو

یزید نے آپ سے عرض کی کہ آپ مجھ میں جو خامیاں دیکھتے ہیں ان سے مجھے آگاہ فرمائیں تاکہ میں انھیں چھوڑ دوں۔ اس پر آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر میں تم میں کوئی برائی دیکھتا تو ضرور تمہیں آگاہ کرتا، مگر میں نے تم میں صرف خیر اور بھلائی دیکھی ہے۔ پھر جب حضرت محمدؒ بن حنفیہ رخصت ہونے لگے تو یزید نے پانچ لاکھ نقد اور ایک لاکھ کے تحائف پیش خدمت کیے، جو آپ نے قبول فرما لیے۔ (انساب الاشراف ج ۳ص ۲۷۸) (نقیب ختم نبوت ماہ جون ۱۹۹۰ء ص ۲۷)

الجواب

ا۔ مورخ بلاذری کی انساب الاشراف میرے پاس نہیں کہ اس کی اصل عبارت دیکھ سکوں اور آپ نے جو اس روایت کو افسانوی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت محمدؒ بن حنفیہ مطالعاتی دورے پر گئے تھے۔ آپ کے معتمد علیہ مورخ حافظ ابن کثیر محدث نے البدایہ میں یہ نہیں لکھا البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یزید سے اہل مدینہ کی مخالفت سے پہلے کہیں وہ یزید کے پاس گئے ہیں۔

۲۔ یہ بھی فرمائیں کہ حضرت محمدؒ بن حنفیہ کو جو پانچ لاکھ نقد اور ایک لاکھ کے تحائف پیش کیے۔ یہ رقم بیت المال کی تھی تو یہ قوم کی امانت تھی۔ یہ ایک رشوت کی صورت ہے اور اگر یزید کی یہ ذاتی رقم تھی تو اس نے یہ کہاں سے حاصل کی تھی۔ کیا عادل اور راشد خلیفہ اتنا ہی سرمایہ دار ہوتا ہے۔ پھر حضرت محمد بن حنفیہ نے اتنی خطیر رقم قبول کیوں کی۔ کیا ان کی زندگی بھی سرمایہ دارانہ تھی؟ حافظ ابن کثیر نے اپنی پیش کردہ روایت میں اس قسم کی رقم کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

آپ نے لکھا ہے کہ: پھر جب واقعہ حرہ کے موقع پر اہل مدینہ وفد بنا کر آئے اور ابن حنفیہ کو اپنے ساتھ ملانا چاہا تو آپ نے سختی سے ان لوگوں کو جھڑک دیا

اور ان کے اعتراضات کے جواب میں فرمایا۔ وقد صحبته اکثر ما صحبتوہ فما رأیت منہ سوءاً (ترجمہ) میں دمشق میں یزید کے پاس تم سے زیادہ عرصہ مقیم رہا ہوں۔ میں نے تو اس میں کوئی خرابی نہیں دیکھی (انساب الاشراف ج ۳، ص ۲۷۹) اور تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص ۲۱۸ میں ہے کہ جب اہل مدینہ نے حضرت محمد بن حنیفہ کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے ان پر زور دیا تو ابن حنیفہ نے بڑی سختی سے یزید کی بیعت توڑنے سے انکار کر دیا۔ (فامتنع من ذلک اشد الامتناع) یزید کی حمایت میں ان کے ساتھ مناظرہ اور جھگڑا کیا (وناظرھم وجادلھم فی یزید) شراب نوشی اور نمازیں چھوڑنے کے جو الزامات اہلِ مدینہ نے یزید پر لگائے تھے ان کی تردید کی (وردّ علیھم الخ) پھر ص ۲۳۳ پر ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن حنیفہ نے اہلِ مدینہ سے فرمایا۔ یزید کی جو برائیاں تم بیان کرتے ہو، میں نے تو یزید میں وہ برائیاں نہیں دیکھیں (فقال لھم ما رأیت منہ ما تذکرون) میں اس کے پاس دمشق میں ٹھہرا رہا۔ میں نے اسے نمازوں کا پابند پایا...... وہ نیکیوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ وہ سنت نبوی کی پابندی کرتا تھا...... فقہ کے مسائل پوچھتا رہتا تھا۔ حضرت محمدؒ حنیفہ سے لاجواب ہو کر وہ لوگ شرمندہ ہو کر واپس چلے گئے...... دل میں تو کہتے ہوں گے کہ یہ ہاشمی بھی پکا یزیدی نکلا''۔ (زیرِ بحث نقیب ص ۲۷۔۲۸)

الجواب

۱۔ حضرت محمدؒ حنیفہ کی مذکورہ روایت بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ میں نے اس پر خارجی حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۶۱ تا ۶۷ اور ص ۵۳۴ تا ص ۵۵۱ مفصل بحث کی ہے۔ حضرت محمدؒ بن حنیفہ کی یہ روایت مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی نے اپنے رسالہ ''جواب شافی'' میں پیش کی تھی اور محمود احمد عباسی صاحب نے بھی ''خلافت معاویہ و یزید'' میں اسی روایت سے یزید کے صالح و عادل ہونے پر

استدلال کیا ہے۔ ملحوظ رہے کہ مورخ بلاذری متوفی ۲۷۹ھ ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ کا شاگرد ہے لیکن ابن سعد نے طبقات ابن سعد میں اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ ابن سعدؒ کے متعلق ابن فا لکھتے ہیں۔ کان احد الفضلآء النبلآء، الاجلاء کان صدوقاً ثقۃً (وفیات الاعیان ج ۴، ص ۳۵۱): آپ بڑے ذہین اور اجل فضلاء میں سے تھے اور آپ سچے اور ثقہ تھے) اور حافظ ابن کثیر بلاذری کے متعلق لکھتے ہیں۔ ولہ ھوس و وسواس فی آخر عمرہ'' (البدایہ والنہایہ ج ۱۱، ص ۶۵) بلاذری کو آخر عمر میں ہوس اور وسواس لاحق ہو گیا تھا۔

درویش صاحب کی علمی خیانت

قاضی شمس الدین صاحب درویش نے حضرت محمدؒ بن حنیفہ اور اہل مدینہ کا جو مکالمہ پیش کیا ہے، اس میں کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ جنگ حرہ میں یزیدی لشکر کے مقابلہ میں صحابہؓ اور تابعین تھے۔ ان کو صرف اہلِ مدینہ کے الفاظ سے یاد کر کے ناواقف قارئین کو فریب دیا ہے اور محمود احمد عباسی نے اتنا تو لکھ دیا کہ عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع اہلِ مدینہ کی قیادت کر رہے تھے لیکن درویش صاحب نے قائدین کے نام تک بھی نہیں لکھے، حالاں کہ حضرت عبداللہؓ بن حنظلہ بھی صحابی ہیں جو حضرت حنظلہؓ غسیل ملائکہ کے صاحب زادہ تھے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب) مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۵ ص ۱۹۳ اور حضرت عبداللہ بن مطیع بھی صحابی ہیں (ملاحظہ ہو الاکمال فی اسماء الرجال و تہذیب التہذیب) اگر نقشبندی درویش صاحب ان قائدین کے نام لکھے دیتے اور ان کے صحابی ہونے کا بھی ذکر کر دیتے تو پھر ان کو جنگ باز ہونے کا طعنہ نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے، پھر جنگ حرہ کے موقع پر حضرت زین العابدین نے جنگ بازان مدینہ کی جنگی تیاریوں کی تفصیل لکھ کر دمشق میں یزید کے پاس بھیج دی'' (نقیب ص ۲۶) نیز لکھتے ہیں۔ پھر جب واقعہ حرہ کے

موقع پر اہلِ مدینہ وفد بنا کر آئے اور ابن حنیفہ کو اپنے ساتھ ملانا چاہا تو آپ نے سختی سے ان لوگوں کو جھڑک دیا۔ (نقیب ۲۷) حضرت محمدؒ بن حنیفہ تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مطیع اور حضرت عبداللہ حنظلہؓ صحابی ہیں۔ کیا حضرت ابن حنیفہ جیسے تابعی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کو جھڑک سکتے ہیں۔ یہ ہے درویش صاحب کے سینے میں صحابہؓ کی محبت کہ یزید کے دفاع میں ایک بے سند اور بے اصل اروایت کو پیش کر کے صحابہ کی عظمت مجروح کر رہے ہیں۔

۳۔ حافظ ابن کثیر محدث خود بھی یزید کے فاسق ہونے کے قائل ہیں اور لکھتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنے یا نہ کرنے میں اکابر علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ محدث ابن جوزی وغیرہ بھی لعن کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ آپ یزید پر لعن کے قائل ہیں اور دوسرے علماء نے لعن سے منع کیا ہے۔ چنانچہ خود قاضی شمس الدین صاحب درویش نے بنام حافظ عبدالوحید صاحب حنفی ناظم دفتر تحریکِ خدام اہل سنت چکوال اپنے مکتوب محررہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ میں حافظ ابن کثیر محدث کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

”پھر آگے چل کر لعن یزید کے متعلق کچھ لوگوں کے جواز لعن کے قول کے بعد لکھتے ہیں۔ ومنع من ذلک آخرون و صنفوا فیه ایضاً لان لا یجعل لعنه وسیلة الی ابیه واَحدٍ من الصحابه (ابن کثیر ۸ (۲۲۳ تو اس طرح یزید کے خلاف بغیر سوچے سمجھے کچھ لکھنا اس کے والد ماجد اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے خلاف کہنے سُننے کا سبب بن سکتا ہے اور بنا ہے۔“

پھر آگے ابن کثیر نے ہی لکھا ہے:

وحملوا ما صدر عنه من سؤ التصرفات علی انه تاول

وا خطاء وقالوا انه كان مع ذلك اماماً فاسقاو الامام اذا فسق لايعزل بمجرد فسقعه على اصح قومى العلماء ولا يجوزا الخروج عليه لما فى ذالك من اثارة الفتنة و وقوع الهرج وسفك ومآءِ الحرام و غير ذلك مما فى كل واحدة فيها من العناد اضعافِ ماجرى الى يومنا هذا۔

(الیضاً ج ۸ ص ۲۲۴)

جناب درویش صاحب کے اس مکتوب کا پس منظر یہ ہے کہ اس سال میرے حج پر جانے کے بعد حافظ عبدالوحید صاحب سے ان کی خط و کتابت جاری رہی۔ چنانچہ اسی مکتوب میں وہ حنفی صاحب کو لکھتے ہیں:

''اور یہ پڑھ کر کہ حضرت قبلہ ماضی صاحب مدظلہ حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے مشرف ہونے کے لیے تشریف لے گئے ہیں، بے حد خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو مشکور اور سفر حج و زیارت کو مبرور فرمائے، کامیاب و کامران واپس لائے اور ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے آمین۔ یہ پڑھ کر مزید اطمینان ہوا کہ حضرت قبلہ قاضی صاحب مدظلہم العالی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی نہیں لکھ رہے ہے۔ حکیم احمد حسن کے بتانے کے بعد فقیر کو بہت تشویش رہی تھی۔ واقعی حکیم احمد حسن صاحب کو کسی نے بالکل غلط بتایا۔ فقیر کو بھی تعجب ہوا تھا کہ حضرت قاضی صاحب قبلہ تو بے حد سنجیدہ انتہائی محتاط بزرگ ہیں، وہ کب ایسی کتاب لکھ سکتے ہیں جس کی وجہ سے روافض کے گھروں میں گھی کے چراغ جلیں۔ ان شاء اللہ فقیر احمد حسن کو اس صورتِ حال سے مطلع کر دے گا۔ تاہم یزید کے خلاف بھی لکھنے کے لیے تھوڑی سی احتیاط کی ضرورت ہے۔ الخ'' قاضی شمس الدین صاحب نے یہاں حکیم احمد حسن صاحب کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہی...... حکیم

صاحب ہیں جو حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمتہ اللہ علیہ ساکن بھوئی گاڑ کے بڑے صاحب زادے ہیں اور انہوں نے ہی اپنے برادر مولوی حسین احمد صاحب قریشی کی کتاب سید نصیر الدین شاہ نصیر گیلانی اور سادات بنی اُمیہ پر پیش لفظ لکھا ہے جس کا ذکر اس مضمون کے شروع میں آیا ہے۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب مرحوم تو صحیح العقیدہ اور صالح سنی عالم تھے لیکن حکیم احمد حسن صاحب یزیدی بن گئے (غالباً وہ قاضی شمس الدین صاحب سے متاثر ہوئے ہیں) قاضی شمس الدین صاحب درویش نے اپنے مکتوب میں البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر کی جو عبارت پیش کی ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اور دوسروں نے اس سے (یعنی یزید پر لعنت کرنے سے) روکا ہے اور اس بارے میں اسی طرح کتابیں تصنیف کی ہیں تاکہ اس کی لعنت اس کے باپ یا کسی صحابی کی لعنت کا ذریعہ بن جائے اور جو کچھ اس سے صادر ہوا ہے، اسے انہوں نے بڑے تصرف پر محمول کیا ہے یعنی یہ کہ اس نے تاویل کی ہے اور غلطی کی ہے اور نیز کہا ہے کہ اس کے باوجود وہ فاسق امام تھا اور علماء کے دو اقوال میں اصح قول کے مطابق امام صرف فسق کرنے سے معزول نہ ہوگا، بلکہ اس کے خلاف بغاوت کرنا بھی جائز نہ ہو گا کیوں کہ اس سے فتنہ انگیزی اور فساد پیدا ہوتا ہے اور حرمت والے خون کی خون ریزی اور اموال کی لوٹ اور عورتوں وغیرہ کے ساتھ قبیح (فعل) کام ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ بھی کچھ کام ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک میں سے اس کے فسق سے کئی گنا زیادہ فساد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ پہلے سے آج تک ہو رہا ہے''۔

(البدایہ والنہایہ مترجم اردو جلد ۸ ص ۱۱۴۸ ناشر نفیس اکیڈمی کراچی)

۲۔حافظ ابن کثیر ایک دوسرے مقام پر یزید کے ترجمہ (یعنی حالاتِ زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولما خرج اهل المدينة عن طاعته وخلعوه و وتوا عليهم ابن مطيع وابن حنظلة. لم يذكرو عنه. وهم اشد الناس عداوةً له. الاماذكروا عنه من شرب الخمر وايتانه بعض القاذورات. لم بتهونه بزندقة كما يتذفه بذلك بعض الروافض. بل قد كان فاسقاً والفاسق لايجوز خلعه لاجل مايور بسبب ذلك من الفتنة و وقوع الهرج كما وقع زمن الحرة (البدايه والنهايه ج ۸ ص ۲۳۲) اور جب اہلِ مدینہ اس کی اطاعت سے دست کش ہو گئے اور انہوں نے اسے معزول کر دیا اور ابن مطیع اور ابن حنظلہؓ کو اپنا امیر بنا لیا تو انہوں نے اس کے بارے میں کوئی بات نہ کی اور وہ سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے عداوت رکھتے تھے۔ صرف اس کے بارے میں شراب نوشی کرنے اور بعض فحاش باتوں کے ارتکاب کرنے کا ذکر کیا اور انہوں نے بعض روافض کی طرح اس پر زندیقیت کا الزام نہ لگایا، بلکہ وہ فاسق تھا اور فاسق کی معزلی اس وجہ سے جائز نہیں ہوتی کہ اس سے فتنہ انگیزی اور جنگ ہوتی ہے جیسا کہ حرہ کے وقت ہوا''۔

(البدایہ والنہایہ مترجم ج ۸ ص ۱۱۶۳)

یہاں حافظ ابن کثیر محدث نے یزید کو یقیناً فاسق قرار دیا ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ خود قاضی شمس الدین صاحب نے بھی حافظ عبدالوحید صاحب کے نام مذکورہ خط میں یہ لکھ دیا ہے کہ: یزید کے امام فاسق ہونے کی امام غزالیؒ نے بھی تصریح کی ہے۔''

۳۔حافظ ابن کثیر محدث نے یزید کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ: وقد کان یزید فیہ خصالٌ محمودۃٌ من الکرم والحلم الخ (البدایہ و النہایہ ج ۸ص ۲۳۰) بخوف طوالت پوری عبارت کی بجائے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''اور یزید میں علم، سخاوت، فصاحت، شعر (گوئی) شجاعت اور حکومت کے بارے میں خوش کن اور قابلِ تعریف خصلتیں بھی تھیں اور وہ باہم مل کر رہن سہن کا بھی اچھا تھا اور اسی طرح اس میں شہوات اور بعض اوقات بعض نمازوں کے ترک کرنے اور اکثر اوقات انہیں نہ پڑھنے کی عادت بھی پائی جاتی تھی۔'' (البدایہ والنہایہ مترجم ص ۱۱۶۰)

فرمایئے کیا نماز کی پابندی نہ کرنے والا بھی صالح و راشد ہوتا ہے؟ جب یزید نماز کا پابند ہی نہ تھا تو اس کو فاسق ہی کہا جائے گا اور یہ حافظ ابن کثیر ہی کی تحقیق ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن کثیر محدث کے نزدیک حضرت محمدؒ حنیفہ کی مذکورہ روایت قابلِ اعتماد نہیں جس میں یزید کو پابندِ نماز اور متبع سنت ظاہر کیا گیا ہے یا وہ پہلے کا حال ہے۔اقتدار کے بعد وہ بگڑ گیا تھا۔

۴۔حافظ ابن کثیر ہوں یا دوسرے مورخین و محدثین حضرات یزید کو فاسق اسی بنا پر قرار دیتے ہیں کہ وہ پابندِ نماز نہ تھا۔شراب نوشی کی بھی عادت تھی۔موسیقی کا بھی دلدادہ تھا اور اس کے حرم میں مغنیہ عورتیں تھیں اور شکاری کتے بھی رکھتا تھا اور چیتے بھی پالتا تھا۔کیا یہ سب صالح اور راشد خلیفہ کے اوصاف ہیں۔علاوہ ازیں واقعہ کربلا۔حرہ اور محاصرہ مکہ کی وجہ سے بھی اس کو ظالم اور فاسق قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر ہی لکھتے ہیں:

وقد اخطاء یزید خطاء فاحِشا فی قولہ لمسلم بن عقبۃ ان یُبیح المدینۃ ثلثۃ ایام و ھذا خطا کبیر فاحش مع انضمّ انما ذلک من

قتل خلق من الصحابة و ابنائهم وقد تقدم انه قتل الحسين واصحابه علی یدی عبیدالله بن زیاد وقد وقع فی هذه الثلاثة ایام من المفاسد العظیمه فی المدینة النبویهمالا یحد ولا یوصف سما لایعلمه الا اللّٰه عزوجل وقد اراد بارسال مسلم بن عقبة تولید سلطانه وملکه و دوام ایامه من غیر منازع فعاقبه اللّٰه بنقیض قصده وحال بینه و بین مایشتهیه فقصمه اللّٰه قاصم الجبارة واخذه اخذ عزیز مقتدر وکذلک اخذ ربک اذا اخذا تقری وهی ظالمة اِنَّ اخذه الیمٌ شَدیدٌ۔ (البدایہ والنہایۃ جلد ۸ص۲۲۲)

اور یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہنے میں کہ وہ مدینہ کو تین دن تک مباح کر دے، فاحش غلطی کی ہے اور یہ ایک بہت بڑی قبیح غلطی ہے اور اس کے ساتھ بہت سے صحابہؓ اور ان کے بیٹوں کا قتل بھی شامل ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس نے حضرت حسینؓ اور آپ کے اصحاب کو عبیداللہ بن زیادہ کے ہاتھوں قتل کیا اور تین ایام میں مدینہ منورہ میں بے حد و حساب عظیم مفاسد رونما ہوئے، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس نے مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی حکومت اور اقتدار کو مضبوط کرنا اور کسی جھگڑا کرنے والے کے بغیر اپنے ایام کو دوام بخشنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ارادے کے خلاف اسے سزا دی اور اس کے ارادے کے درمیان حائل ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا جو جابروں کو ہلاک کرنے والا ہے اور اس نے غالب مقتدر (قدرت رکھنے والے) کی طرح گرفت کی بلاشبہ اس کی گرفت دردناک اور سخت ہوتی ہے۔" (البدایہ والنہایہ ج ۸ مترجم ص ۱۱۴۶)

۵۔ جنگ حرہ وہ لڑائی ہے جو اہلِ مدینہ نے یزیدی لشکر کے خلاف لڑی تھی۔اس کے متعلق حافظ ابن کثیر محدث دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اور فریقین کے بہت سے سادات و اعیان قتل ہوئے جس میں حضرت عبداللہ بن مطیع (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتوں بیٹے ان کے سامنے قتل ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ماں جائے بھائی محمد بن ثابت بن شماس اور محمد بن عمرو بن حزم قتل ہو گئے اور جب وہ پچھڑے پڑے تھے تو مروان آپ کے پاس سے گزرا اور کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، کتنے ہی ستون ہیں جن کے پاس میں نے آپ کو طویل قیام و سجود کرتے دیکھا ہے، پھر مسلم بن عقبہ نے جسے سلف مسرف بن عقبہ (یعنی ظالم) کہتے ہیں اللہ اس برے اور جاہل شخص کا بھلا نہ کرے۔ یزید کے حکم کے مطابق مدینہ کو تین دن کے لیے مباح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ یزید کو اس کی نیک جزا نہ دے اور اس نے بہت سے اشراف کو اور قرآء کو قتل کر دیا اور مدینہ کے بہت سے اموال کو لوٹ لیا اور جیسا کہ کئی مورخین نے بیان کیا ہے کہ بہت سا شر و فساد پیدا ہو گیا اور جن لوگوں کو اس کے سامنے باندھ کر قتل کیا گیا۔ ان میں حضرت معقل بن سنان (رضی اللہ عنہ) بھی تھے اور آپ قبل ازیں اس کے دوست تھے مگر آپ نے یزید کے بارے میں اسے سخت باتیں سنائیں جس کے باعث وہ آپ سے ناراض ہو گیا۔ الخ (البدایہ والنہایہ مترجم ج ۸ ص ۱۱۴۱)

یہ ہے یزید کے لشکروں کا چیف آف سٹاف (جس کو قاضی درویش صاحب صحابی سمجھتے رہے ہیں) جس نے تین دن مدینہ منورہ میں قتل عام کیا۔ صحابہ اور تابعین کو قتل کرایا حتیٰ کہ بعض صحابہؓ کو (حضرت معقل بن سنان) کو زندہ گرفتار کر کے قتل

کروا دیا لیکن محمود احمد عباسی اور قاضی صاحب درویش وغیرہ یزیدی گروہ کے زعماء اس کو اسلام کا ہیرو قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جنگ کربلا جنگ حرہ اور جنگ مکہ (جس میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے قتال کرنے کے لیے لشکر یزید نے بیت اللہ پر بھی حملہ کر دیا تھا) جس میں ایک طرف صحابہ کرامؓ تھے اور دوسری طرف غیر صحابہ لیکن اس کے باوجود قاضی شمس الدین صاحب باوجود دعویٰ حُبِ صحابہؓ کے صحابہؓ کے مقابلہ میں یزید کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو صالح راشد اور عادل قرار دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اصحابِ مدینہ نے کیوں بیعت فسخ کی

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ واقعہ حرہ کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکان السبب فیه ماذکره الطبری سنداً ان یزید بن معاویه کان اَمّرَ علی المدینة ابن عمه عثمان بن محمد بن ابی سفیان واوفد عثمان الی یزید جماعة من اهل المدینه منهم عبدالله بن غسیل الملائکة حنظلة بن ابی عامر و عبدالله بن ابی عمرو بن حفص المخذومی فی آخرین فاکرهم واجازهم فرجعوا فاظهروا عیبیه وَنسبره الی شرب الخمر و غیر ذلک ثم و ثبوا علی عثمان فاخرجوه و خلعوا یزید بن معاویة الخ (فتح الباری شرح البخاری جلد۱۳ص ۶۰ کتاب الفتن)

طبری نے سند کے ساتھ اس واقعہ کا سبب یہ لکھا ہے کہ یزید نے مدینہ پر اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو امیر (والی) مقرر کیا پھر اس نے یزید کے پاس اہلِ مدینہ کا ایک وفد بھیجا جس میں غسیل

ملائکہ حضرت حنظلہؓ کے بیٹے (حضرت) عبداللہؓ اور عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص المخزومی اور دوسرے لوگ تھے۔ پس یزید نے ان کا اکرام کیا اور ان کو عطیات دیے۔ پھر جب وہ واپس (مدینہ منورہ) لوٹے تو انہوں نے یزید کے عیب ظاہر کیے اور اس کے شراب پینے وغیرہ افعال کا ذکر کیا پھر انہوں نے والی مدینہ پر حملہ کیا اور اس کو شہر سے نکال دیا اور یزید کی بیعت توڑ دی۔ الخ

اور ابن کثیر کی یہ عبارت پہلے بھی پیش کی جا چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: صحابہ اور تابعین کے وفد نے یزید پر زندیق ہونے کا الزام نہیں لگایا لیکن اس کی شراب نوشی اور دوسرے عیوب کا ذکر کیا۔
(البدایہ والنہایہ مترجم جلد ۸ ص ۱۱۶۳)

ہم حامیانِ یزید کے مقابلہ میں مدینہ منورہ کے صحابہ اور تابعین کی تحقیق کو صحیح مانتے ہیں کہ یزید شراب نوش بھی تھا اور اس کے فاسقانہ افعال کی بنا پر ہی انہوں نے یزید کی بیعت فسخ کر دی تھی ورنہ بیعت کرنے کے بعد وہ اس کی بیعت کیوں فسخ کرتے اور جمہور محدثین اور مورخین نے بھی اس بنا پر یزید کو فاسق قرار دیا ہے۔

قصہ سلامہ۔ احوص اور یزید

محمود احمد صاحب عباسی نے بعنوان ''منصف مزاجی'' یزید اور سلامہ کا ایک قصہ لکھا ہے کہ: ابن کثیر نے سلامہ نامی ایک کنیز کا واقعہ لکھا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی۔ حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی...... قرآن شریف اچھی قرأت سے سناتی۔ شاعرہ اور مغنیہ (یعنی گانے والی) تھی۔ حضرت حسان بن ثابت کے فرزند عبدالرحمٰن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا،

اس کنیز کی امیر یزید سے بہت کچھ صفت ثنا کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔ کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آ کر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہو گئی لیکن جب یہ راز افشاء ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دامِ محبت میں گرفتار ہیں، امیر یزید نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہہ میں طلب کر کے تصدیق کی۔ ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرارِ محبت کیا۔ سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل رُوح کے میرے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے، تو اب کیا روح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی۔ امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے احوص اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے۔ تم اسے لے لو۔ پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔'' (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۵) انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضا تھا کہ داخلِ حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذباتِ محبت کا احترام کیا۔

(خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۳۷۰)

علمی خیانت

محمود احمد عباسی نے یزید اور سلامہ کے اس واقعہ میں درمیانی عبارتیں چھوڑ دی ہیں جن سے یزید کا کردار زیادہ بے نقاب ہوتا تھا۔ بخوفِ طوالت یہاں پوری عربی عبارت کے بجائے ان عبارات کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

''اور عبدالرحمٰن حسانؓ بن ثابت اور احوص بن محمد اس (سلامہ) کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ پس اسے احوص سے محبت ہو گئی اور اس نے عبدالرحمٰن سے اعراض کیا (یعنی منہ پھیر لیا) تو عبدالرحمٰن ابن حسانؓ، یزید بن معاویہؓ کے پاس شام چلا گیا اور اس نے اس کی مدح کی اور اسے سلامہ کے حسن و جمال اور فصاحت کے متعلق بتایا اور کہا۔ یا امیر المومنین وہ آپ ہی کے لائق ہے اور یہ کہ وہ آپ کے

داستان سراؤں میں شامل ہو۔ پس یزید نے مجھے (یعنی راوی کو) بھیجا اور میں اسے خرید کر اس کے پاس لے آیا۔ اس نے اس کے ہاں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا...... اور عبدالرحمٰن مدینہ واپس آیا اور احوص کے پاس سے گزرا تو اس نے اسے مغموم پایا اور اس نے اس کے غم میں اضافہ کے ارادے سے کہا۔ (اشعار) ''اے وہ شخص جو واضح طور پر مبتلائے محبت ہے جسے محبوب سے شب ہائے عشق کا سوز پہنچا ہے...... اور جس کے پاس وہ ہے اس نے اسے اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے جس سے وہ خوشبو حاصل کرتا ہے وہ اللہ کا خلیفہ ہے۔ محبوب سے پوچھ لے وہ تجھ سے زیادہ مجروح دل ہے''۔ راوی بیان کرتا ہے۔ احوص اس کا جواب دینے رک گیا اور پھر اس کا غم اس پر غالب آ گیا تو اس نے یزید کے پاس جا کر اس کی مدح کی تو یزید نے اس کی عزت کی اور وہ اس کے ہاں صاحب مرتبہ ہو گیا اور سلامہ نے خفیہ طور پر اس کی طرف ایک خادم کو بھیجا اور اسے اس شرط پر مال بھی دیا کہ وہ اسے اس کے پاس لے آئے۔ خادم نے یزید کو اس کی اطلاع دے دی۔ تو اس نے کہا اس کا پیغام لے جاؤ تو اس نے ایسے ہی کیا اور احوص کو اس کے پاس لے گیا اور یزید ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں سے وہ ان دونوں کو دیکھتا تھا اور یہ دونوں اسے نہ دیکھتے تھے اور جب لونڈی نے احوص کو دیکھا تو وہ رو کر اس کے پاس آئی اور وہ رو کر اس کے پاس گیا اور اس کے حکم سے کرسی بچھا دی گئی جس پر وہ بیٹھ گیا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اپنے عشق کی شدت کے شکوے کرتے رہے اور دونوں مسلسل سحر تک گفتگو کرتے رہے اور یزید بغیر اس کے کہ انہیں کچھ شبہ ہو دونوں کی باتوں کو سنتا رہا اور جب احوص نے باہر جانے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا (اشعار) میرا دل اس محبوب کی وجہ سے سخت غمگین ہے جس سے میں ہمیشہ محتاط رہا ہوں۔ وہ کہنے لگی جب محبت کرنے والے جدائی کے بعد مایوس ہو گئے تو وہ تندرست ہو گئے اور میں بھی مایوس ہو گئی اور وہ اپنے

حال پر نہیں رہے (بقیہ اشعار)...... راوی بیان کرتا ہے پھر اس نے سلامہ کو الوداع کیا اور نکلا تو یزید نے اسے پکڑ لیا اور سلامہ کو بلایا اور کہا تم دونوں نے آج شب جو کچھ کیا ہے اس کے متعلق مجھے سچ بتاؤ تو دونوں نے اسے بتایا اور جو اشعار دونوں نے کہے تھے اسے سنائے اور جو کچھ اس نے سنا تھا ان دونوں نے اس میں سے کسی حرف کو نہ بدلا اور نہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کیا۔ یزید نے سلامہ سے پوچھا۔ کیا تو اس سے محبت کرتی ہے۔ اس نے کہا یا امیر المومنین قسم بخدا میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ ایسی شدت محبت جو میرے جسم میں روح کی طرح رواں ہے۔ کیا روح و جسم کے درمیان جدائی ڈالی جاسکتی ہے۔ یزید نے احوص سے پوچھا کیا تم اس سے محبت کرتے ہو۔ اس نے کہا، یا امیر المومنین قسم بخدا میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ ایسی شدید محبت جو قدیم ہے نئی نہیں اور وہ پسلیوں کے درمیان آگ کی مانند بھڑک رہی ہے۔ یزید نے کہا، بلاشبہ تم دونوں شدید محبت بیان کرتے ہو۔ اے احوص اسے پکڑ لو۔ یہ تمہاری ہوئی اور اس نے اسے قیمتی انعام دیا اور احوص خوشی خوشی اسے لے کر حجاز واپس آ گیا الخ

(البدایہ والنہایہ مترجم ج ۸ ص ۱۱۶۷ تا ص ۱۱۷۹۔ وعربی متن ص ۲۳۴۔۲۳۵)

تبصرہ

یزید احوص اور سلامہ کا یہ قصہ میں نے حافظ ابن کثیر محدث کی کتاب البدایہ والنہایہ ج ۸ کے حوالہ سے "دفاع صحابہؓ" میں بھی مختصراً لکھا تھا اور پھر فسق یزید کی بحث میں قاضی شمس الدین صاحب درویش کو بھی فسق یزید کے ثبوت میں یہ حوالہ لکھا تو درویش صاحب موصوف نے بجائے عبرت حاصل کرنے کے اپنے مکتوب محررہ یکم رجب ۱۴۰۵ھ میں مجھے یہ لکھا کہ: صدیوں کے سبائی پروپیگنڈے کا اثر دیکھئے کہ وہ آپ پر بھی اثر کر گیا اور آپ نے سلامہ اور احوص کا قصہ جس نامناسب

طریقے سے لکھا ہے اس قصہ میں یہ بھی تو ہے کہ سلامہ قاریۃ القرآن بھی تھی۔ شاید آپ نے اصل کتاب نہیں دیکھی تھی اور اگر دیکھ کر لکھا ہے تو ایک تابعیہ عورت سلامہ اور ایک تابعی مرد احوص کی عصمتوں کو بچانے کے لیے آپ کو قاریۃ القرآن کے جملے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے تھا۔ اگر یزید اپنے حرم میں مغنیہ رکھتا تھا تو وہ قاریۃ القرآن بھی تو تھی عفی اللہ عنہا۔'' ان کے جواب میں بندہ نے اپنے مکتوب محررہ ۲۷ رجب ۱۴۰۵ھ میں یہ لکھا کہ: یہ بات بھی آپ نے کسی حالت جذب میں لکھی ہے۔ کیا خوش الحانی سے قرآن پڑھنے والا ضرور صالح ہوتا ہے۔ دور حاضر میں کتنے اعلیٰ قاری ہیں جو تارک نماز ہیں۔ ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ جب سلامہ خوش الحان اور مغنیہ (گانے ولی) تھی تو قرآن بھی خوش لہجہ سے ہی پڑھتی ہو گی لیکن اس کا معروف مغنیہ ہونا ہی اس کے فاسق ہونے کی دلیل ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس کی احوص شاعر سے ناجائز محبت تھی اس نے یزید کے دارالخلافہ میں ساری رات اپنے عاشق کے ساتھ گزار دی۔ اس کے باوجود بھی آپ اس کو معصوم یا محفوظ قرار دیں تو آپ کی یہ مجذوبانہ بات ہو گی اور جو خلیفہ صاحب ان کو شب باشی کی اجازت دیتا ہے اور اس شب بیداری ان کے معاشقہ کے مشاہدہ میں صرف ہوتی ہے تو ایسے خلیفے کو اگر فاسق نہ کہا جائے تو کیوں؟ دور صحابہ اور دور تابعین میں اتنی وسیع وعریض مملکت اسلامیہ کا سربراہ اگر اس کردار کا حامل ہے تو اس کو کون علم وانصاف والا شخص صالح دعادل قرار دے سکتا ہے۔ اگر ایسا خلیفہ صالح وعادل ہے تو سابق صدر پاکستان یحییٰ کو بھی صالح کہنا پڑے گا۔ اگر حضرت محمدؒ حنیفہ کو یزید کی اس شب بیداری کا حال معلوم ہوتا تو کیا وہ اس کو صالح وعادل قرار دے سکتے تھے۔ ہرگز نہیں''۔ میرے جواب میں درویش صاحب موصوف نے اپنے مکتوب محررہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ (مطابق ۲۰ مئی ۱۹۸۵ء) میں یہ لکھا کہ: فقیر پوچھتا ہے کہ کیا مغنیہ ضرور ہی فاسقہ ہوتی ہے اور کیا

حضرات صحابیات شادیوں میں گاتی نہیں تھیں اور کیا خود علیﷺ نے اس پاک زمانہ کی عورتوں کا مشہور گانا اَتَیْنَا کم اَتَیْنا کم، فحیانا وھیا کم خود اپنی زبان مبارک سے پڑھ کر ترغیب نہیں دی تھیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ مشکوۃ کتاب النکاح۔ باب اعلان النکاح، اس کے جواب میں میں نے اپنے مکتوب محررہ ۲۱ شوال ۱۴۰۵ھ میں یہ لکھا کہ: آپ تو حُبِ یزید میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ مجھے یہ خیال نہ تھا کہ سلامہ مغنیہ ہونے کے جواز کے لیے آپ حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی العیاذ باللہ مغنی (گویا) ثابت کریں گے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے حالانکہ نہ ازواج مطہرات میں سے کوئی مغنیہ تھی اور نہ ہی صحابیات میں سے۔ جو روایت آپ پیش کر رہے ہیں اس میں جویریات کا لفظ ہے یعنی چھوٹی بچیاں۔ ثانیاً یہ واقعہ ہجرت کے موقع کا ہے جب کہ گانے بجانے کی حرمت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ (۳) ان روایات میں تغنی کا لفظ ہے جس سے مراد معروف گانا نہیں بلکہ خوش آوازی سے شعر کہنا ہے۔ چنانچہ قرآن پڑھنے کے سلسلے میں بھی تغنی کا لفظ فرمایا ہے۔ قال قال رسول اللّٰہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس منمن لم یتغن بالقراٰن رواہ البخاری (مشکوۃ شریف کتاب فضائل القرآن حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول علیﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن خوش آوازی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ چنانچہ (اس حدیث کے تحت) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

> وتحقیق آنست کہ مراد تبغنی تحسین صوت وتطییب وتزئین وترقیق وتخرین اوست الخ (اشعتہ اللمعات جلد دوم ص ۱۴۹) (ترجمہ) اور تحقیق یہ ہے کہ تغنی سے مراد خوشی آوازی سے اچھی طرح سنوار کر قلبی رقت اور ہم وفکر کے ساتھ اس طرح پڑھنا ہے کہ اس کے سننے سے دلوں پر اثر ہو الخ

(۴) اور معروف راگ گانا اور موسیقی حرام ہے۔ چنانچہ سورۃ لقمان کی آیت ومن الناس من یشتری لَھُوَ الْحَدِیث لِیُضِلَّ عن سبیل اللہ بَغَیْرِ علمٍ وَ یَتَّخِذَ ھَا ھُزواً۔ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تا کہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی'' (ترجمہ حضرت شیخ الہند) اس آیت کے شان نزول میں مفسرین لکھتے ہیں کہ مکہ کا ایک مشرک تاجر نضر بن الحارث تھا جو فارس سے بادشاہوں کے قصے کہانیاں لاتا تھا۔ علاوہ اس کے گانے والی باندیاں خرید کر لاتا تھا کہ بجائے قرآن کے تم یہ کہانیاں اور گانے وغیرہ سنو...... صاحب روح المعانی (یعنی علامہ آلوسی) نے امام ابو حنیفہ سے غنا (راگ گانا) کے حرام ہونے کا قول لکھا ہے اور امام مالک کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

اذا اشتری جاریة فوجه ھا مغنیةً فله ان یردھا بالعیب الخ جب کسی نے باندی خریدی اور معلوم ہوا کہ وہ مغنیہ ہے تو اس کو اس عیب کی وجہ سے واپس کر دے۔

(۵) علامات قیامت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وظهرت القینات والمعازف (مشکوۃ شریف باب اشراط الساعۃ) اور ظاہر ہوں گی گانے والی باندیاں اور آلات موسیقی۔

(٦) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا تبیعو القینات ولا تشتروھن الحدیث (روح المعانی بحوالہ طبری) گانے والی باندیوں کی خرید وفروخت مت کرو۔

فرمایئے آپ کے خلیفہ یزید کا یہ فعل یعنی سلامہ کو خریدنا ارشاد نبوی کے خلاف ہے یا نہ؟ اور گانے والی باندیوں کا اس کے حرم کی زینت بنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے یا نہیں۔ اعلان نکاح وغیرہ کی روایات سے آپ کا استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ شیعہ ہر اس آیت وحدیث سے اپنا ماتم ثابت کرتے ہیں جس میں

مُون وگریہ وغیرہ کے الفاظ ہوں۔ محترماً عرفاً مغنی اور مغنیہ ان کہ کہتے ہیں جو موسیقی کار ہوں۔ آپ نے تو موجودہ ملعون ثقافت، فنکاری او موسیقی کو حدیث سے ثابت کر دیا۔ یہ جو کچھ ریڈیو اور ٹی وی پر پروگرام آ رہے ہیں، کیا یہ سب سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ فاعتبر وایآ اولی الابصار۔ اسی مکتوب میں بندہ نے لکھا تھا۔ خادم کو لالچ دے کر خفیہ طور پر احوص کو اپنے پاس بلانا یہ خود سلامہ کے نزدیک بھی معیوب تھا ورنہ لالچ دے کر خفیہ طریقے سے اسے کیوں بلاتی؟

۲۔ اطلاع پانے کے باوجود یزید نے خادم کو اس کی اجازت دے دی یہ رضا بالمنکر ہے حالانکہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے نہی عن المنکر اس کا فریضہ تھا۔ فرمایئے یہ سلامہ یزید کی مملوکہ باندی تھی۔ خلیفہ کے حرم میں رہتی تھی۔ احوص ایک اجنبی شخص تھا۔ یزید نے اس کو سلامہ کے ہاں داخل ہونے کی کیوں اجازت دے دی۔ اس نے اسی وقت کیوں نہ شرعی گرفت کی۔ کیا ایک اجنبی مرد اور عورت کا ایک مکان میں رازداری سے شب باشی کرنا شرعاً جائز ہے؟

۳۔ خلیفہ یزید ساری رات اس نفسانیت کے کشتہ جوڑے کی شب باشی دیکھتا رہا۔ کیا صالح وعادل خلیفہ کی شب بیداری اسی قسم کی ہونی چاہیے؟ آپ خود انصاف فرمایئے کہ یزید کس قماش کا آدمی تھا اگر اس نے تحقیق کرنی تھی تو وہ سلامہ کے پیغام سے مطلع ہونے کے بعد ان دونوں کو بلا کر دریافت کر لیتا کہ احوص کون ہے؟ اور اس کا سلامہ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟...... اگر دور حاضر میں اس قسم کے دو مرد وعورت کا واقعہ ثابت ہو جائے۔ تو ان کے اس تعلق کو مذموم ہی قرار دیا جائے گا چہ جائیکہ دورِ صحابہؓ میں اس طرح کا قصہ پیش آ جائے۔ آپ نے تو حمایت یزید میں دینی اور اخلاقی اقدار ہی کو بدل دیا ہے۔ اس طرح یحییٰ خان اور نور جہان کے قصے بھی پاک دامنی پر محمول کیے جا سکتے ہیں العیاذ باللہ۔ اس سلسلے میں میں نے اپنے مکتوب

محررہ ۲۷رجب ۱۴۰۵ھ میں لکھا تھا کہ: عبدالرحمٰن نے اپنے کامیاب رقیب (احوص) کو ناکام بنانے کے لیے یہ تدبیر کی کہ یزید کے پاس جا کر سلامہ کی تعریف کی اور حرم یزید میں اس کو داخل کرایا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے لوگ خلیفہ یزید کے مزاج و کردار سے واقف تھے کہ وہ مغنیات کا دلدادہ ہے ورنہ کسی صالح خلیفہ کی بارگاہ میں اپنے حریف کو شکست دینے کے لیے کسی مغنیہ کو کوئی شخص یوں داخل حرم کرانے کی جسارت کر سکتا ہے۔ اور پھر خلیفہ صاحب کی ساری رات اس قسم کی کارگزاری کے باوجود آپ اس کو صالح مانتے ہیں اور اس کا پورا پورا دفاع کرتے ہیں اور پھر باوجود اس کے یہ بھی تحریر فرما رہے ہیں کہ: فقیر کو بحمداللہ تعالیٰ یزید کے ساتھ قطعاً کوئی لگاؤ نہیں'' (مکتوب ۱۲جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ۔ حضرت آپ نے یہ بھی عجیب بات فرمائی۔ جب آپ یزید کو صالح اور عادل مانتے ہیں اور اس کا دفاع بھی بہر حال کر رہے ہیں تو پھر عدم ومناسبت اور عدم تعلق کا کیا مطلب اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ سلامہ اور احوص نے بھی یزید کو امیر المومنین کہہ کر تخاطب کیا ہے حالانکہ وہ بھی جانتے تھے کہ یزید کس کردار کا مالک ہے جس نے ساری رات ان کو چھپ کر دیکھنے میں گزار دی ہے۔ ہمارے درویش صاحب بھی تو کچھ سمجھیں۔

یزید بحیثیت شکاری

دور حاضر میں یزیدیت کے علمبردار محمود احمد عباسی لکھتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ امیر یزید بڑے شکاری اور زبردست شہسوار تھے پروفیسر ہٹی نے اسلام میں پہلا بڑا شکاری انہیں کہا ہے (The First Great Hunter In Islam) اور لکھا ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک چیتا کو سدھایا تھا کہ گھوڑے کے دھڑ کے پچھلے حصہ پر سوار چلا کرے۔ مورخ الخضری نے بھی لکھا ہے کہ یزید شکار کے بڑے شوقین تھے۔ ج ۲ ص ۱۲۴ الخ (تحقیق مزید ص ۱۶۹)

کتے اور بندر

سلامہ، احوص اور یزید کا قصہ بیان کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:
روایت ہے کہ یزید گانے بجانے کے آلات، شراب نوشی کرنے، راگ الاپنے، شکار کرنے، غلام اور لونڈیاں بنانے، کتے پالنے، مینڈھوں، ریچھوں او بندروں کے لڑانے میں مشہور تھا۔ ہر صبح کو وہ مخمور ہوتا اور زین دار گھوڑے پر زین سے باندھ دیتا اور وہ اسے چلاتا اور بندر کو سونے کا ٹوپ پہناتا اور یہی حال غلاموں کا تھا اور وہ گھڑ دوڑ کراتا اور جب کوئی بندر مر جاتا تو اس پر غم کرتا اور بعض کا قول ہے کہ اس کی موت کا باعث یہ ہوا کہ اس نے ایک بندر اٹھایا اور اسے نچانے لگا تو اس نے اسے کاٹ لیا اور لوگوں نے اس کے علاوہ بھی اس کے بارے میں باتیں کی ہیں اللہ تعالیٰ ہی ان کی صحت کو بہتر جانتا ہے (واللہ اعلم بصحۃ ذلک)

(ایضاً البدایہ والنہایہ مترجم ج ۸ ص ۱۱۶۹)

تبصرہ

مندرجہ روایت کے متعلق حافظ ابن کثیر کا **واللہ اعلم بصحۃ ذلک** لکھنا (یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ روایات صحیح ہیں یا نہیں) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان روایات کو بالکل بے بنیاد اور وضعی نہیں قرار دیتے اور جب عباسی صاحب نے اپنے محبوب خلیفۃ المسلمین کے متعلق اس کا موسیقی کا دلدادہ ہونا، اپنے حرم میں سلامہ جیسی مغنیات (گانے والیوں کا) رکھنا شکار کھیلنا اور شکار کے لیے چیتے کا سدھانا تسلیم کر لیا ہے تو پھر یہ کوئی بعید از قیاس نہیں کہ بندروں اور ریچھوں کی تربیت گاہ بھی اس نے کھولی ہوئی ہو کیونکہ بہ نسبت چیتے سدھانے کے بندروں اور ریچھوں کا سدھانا آسان ہے اور عام طور پر بازی گر اور نٹ بندر اور ریچھ پالتے رہتے ہیں۔ قاضی درویش صاحب بھی حُبِ یزید کے حصار سے نکل کر انصاف

فرمائیں کہ صحابہ اور تابعینؒ کے دور میں کیا اس کردار کا خلیفہ عادل اور صالح قرار دیا جا سکتا ہے۔

فسق یزید متفق علیہ ہے

یزید کی تکفیر اور لعن میں تو اختلاف ہے لیکن فسق پر جمہو اہلسنت کا اتفاق ہے۔ چنانچہ فاضل مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے وامـا الـحسيـن فانه لماظهر فسق يـزيـد عـنـد الـكافة من اهل عصره الخ (مقدمہ ابن خلدون عربی ص ۲۱۶) مگر حسینؓ کا معاملہ یہ ہے کہ جب اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق ظاہر ہو گیا الخ (مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم)

(۲) حافظ ابن حجر مکیؒ (متوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں: وبـعـد اتفاقهم على فسقه اختلفو اعلى جواز لعنه بخصوص اسمه الخ (صواعق محرقہ ص ۱۳۲) اور اس کے فسق پر اتفاق کرنے کے بعد اہل سنت نے اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے جواز میں اختلاف کیا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد

محمود احمد عباسی وغیرہ حامیان یزید واقعہ حرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول پیش کرتے ہیں اور قاضی شمس الدین صاحب نے بھی ان کی اتباع میں حضرت ابن عمرؓ کا قول پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: بخاری شریف جلد ۲ کتاب الفتن، بـاب، اذا قـال عنه قول شيئاً ثم خرج فقال بخلافه ......اس ترجمۃ الباب کے متعلق علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ یزید کے پاس دمشق گئے تو وہاں ایک اور طرح کی باتیں کرتے رہے او جب دمشق سے واپس آئے تو دوسری طرح کی باتیں کرنے لگے۔ آگے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث لکھی ہے او اس ترجمۃ الباب کا مطلب امام عینی نے یہ بیان فرمایا کہ سیدنا ابن عمرؓ نے اہل مدینہ کے اس دوہرے

روپے کو ایک قسم کی غداری سے تعبیر کیا ہے (نوع من الغدر) اس سے آگے بخاری میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اپنے ملازمین کو جمع کیا اور انہیں مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ ہم نے یزید کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کی بیعت سمجھ کر کی ہے اور میں اس سے بڑی غداری نہیں سمجھتا کہ ایک آدمی (یعنی یزید) کی بیعت اللہ او اس کے رسولؐ کی بیعت سمجھ کر کی جائے پھر غداری کر کے اس سے بیعت توڑی جائے اور اس سے جنگ کی جائے (شعو ینصب له اتقال) اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تم میں سے کسی نے یزید سے بیعت توڑ لی ہے میرا اس سے بائیکات ہے (کانت الفیصل بینی و بینه)...... مسلم شریف ج ۲ کتاب الامارہ باب تحریم الخروج من الطاعۃ ومفارقۃ الجماعۃ ص ۱۲۸ پر تین سندوں سے امام مسلم نے حضرت نافع کی روایت لکھی ہے...... اور یہ روایت اس پس منظر کے ماتحت لکھی ہے کہ جب سیدنا معاویہؓ کے بیٹے یزید کی خلافت میں اس کے خلاف (واقعہ حرہ) کی کھچڑی پک رہی تھی تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن مطیع کے گھر تشریف لے گئے تو عبداللہ بن مطیع نے ابن عمرؓ کے لیے گدا بچھانے کو کہا مگر ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے ہاں بیٹھنے کے لے نہیں آیا ہوں۔ میں تو تمہیں رسول ﷺ کی ایک حدیث سنانے کے لیے آیا ہوں کہ: ''جو شخص کسی سے بیعت کے بعد اس عہد کو توڑے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے یوں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔ جو کسی کی بیعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالے بغیر مر جائے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔'' (نقیب ختم نبوت ص ۲۵ جون ۱۹۹۰ء)

الجواب

(۱) قاضی شمس الدین صاحب درویش نے جو کچھ لکھا ہے وہ محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب سے ماخوذ ہے (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص

۲۵۷۔۲۵۸) ہم نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۵۲۱ تا ص ۵۲۳ میں ان کی ساری عبارت نقل کر دی ہے اور پھر ان کے مغالطہ کی نشاندہی کر دی ہے (تفصیل وہاں قابل ملاحظہ ہے۔) واقعہ حرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مدینہ شریف کے دوسرے صحابہ اور تابعین کے مابین اختلاف یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ بیعت کرنے کے بعد خلیفہ کی بیعت کو توڑنا اور اس کو معزول کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے خواہ اس کا فسق ظاہر ہو جائے اور دوسرے صحابہ کرامؓ خلیفہ کا فسق ظاہر ہونے کے بعد اس کو معزول کرنا جائز قرار دیتے تھے۔ یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ معرکہ کربلا اور حرہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔ فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام حسینؓ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انہوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے وہ اپنی بیعت پر قائم رہے اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کیا جائے گا الخ
(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول مکتوب ع ۸۹ ص ۲۸۷)

(۲) دور فتنہ کے متعلق مختلف احادیث امام مسلم نے نقل فرمائی ہیں جن کی

شرح میں امام نودی لکھتے ہیں ۔ دقد اختلف العلماء فی قتال الفتنة فقالت طائفة لایقاتل فی فتن المسلمین وان دخلوا علیه بیة وطلبو اقتله الخ (نودی جلد ثانی کتاب الفتن ص ۳۸۹) (ترجمہ) اور فتنہ کے دور میں قتال کرنے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مسلمانوں کے باہمی فتنہ کے دور میں لڑائی بالکل نہ کی جائے اگرچہ وہ اس کے گھر میں داخل ہو کر اس کو قتل کرنا چاہیں اس کے لیے اپنی طرف سے مدافعت جائز نہیں ہے کیونکہ جو شخص طالب قتل ہے اس کے پاس تاویل ہے اور یہ مذہب حضرت ابوبکرہ صحابیؓ وغیرہ کا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمران بن الحصین وغیرہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ اس قتال میں حصہ نہ لے لیکن اگر اس کے قتل کا ارادہ کریں تو وہ اپنی طرف سے دفاع کرے۔ یہ دونوں مذہب (مسلک) اس بات پر متفق ہیں کہ اہل اسلام کے باہمی فتنہ میں بالکل دخل نہ دیا جائے اور دیگر بڑے بڑے صحابہ اور تابعین اور عام علماء اسلام کے نزدیک فتنہ میں اہل حق کا ساتھ دینا اور ان کی مدد کرنا۔ لڑائی کے دوران باغیوں کے مقابلے میں واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ باغیوں سے قتال کرو۔ الآیۃ اور یہی مسلک صحیح ہے اور مندرجہ احادیث کے متعلق یہ تاویل کی جائے گی کہ قتال میں حصہ نہ لینا اس شخص کے لیے ہے جس پر یہ ظاہر نہ ہو کہ فریقین میں سے حق وصواب پر کون ہے یا یہ حکم ان دو گروہوں کے متعلق ہے جو دونوں ظالم ہیں اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی تاویل نہیں ہے اور اگر ان حضرات کا پہلا مسلک اختیار کیا جائے تو فساد و بگاڑ رونما ہوگا اور باغی اور اہل باطل کا فتنہ بڑھ جائے گا۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے موقف کے متعلق لکھتے ہیں۔ وکان رای ابن عمرؓ ترک القتال فی الفتنة ولو ظهر ائ

اعدی الطائفتین محقة و الاخری مبطلة۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ فتنہ کے زمانے میں جنگ و قتال کو ترک کر دیا جائے اگر چہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ایک گروہ حق پر ہے اور دوسرا باطل پر۔ حضرت ابن عمرؓ کی زیر بحث حدیث کے تحت ہی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ وفی ھذا الحدیث وجوب طاعة الامام الذی انعقد تاله بیعة و المنع من الخروج علیه ولو جار فی حکمه و انه لاینخلع بالعنق (ایضاً ج ۱۳ کتاب الفتن ص ۶۱) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس امام (خلیفہ) کی بیعت منعقد ہو چکی ہو اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کے خلاف خروج کرنا ممنوع ہے اگر چہ وہ اپنے حکم میں جور و ظلم کرتا ہو اور فسق کی وجہ سے وہ معزول نہیں ہو سکتا اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباس نے یزید کو صالح سمجھنے کی وجہ سے اس کی بیعت فسخ نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنے اس اجتہادی کی وجہ سے بیعت فسخ نہیں کی کہ خلیفہ و امام اگر چہ فاسق بھی ہو جائے تو اس کی بیعت پر قائم رہنا چاہیے اور بیعت فسخ کرنے کو ہی انہوں نے غدر قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام عینی حنفی محدث یہاں غدر کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وھو ترک الوفساث بالعھد (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۹) اور غدر یہ ہے کہ عہد کو پورا نہ کیا جائے اور بیعت بھی چونکہ عہد و اقرار ہوتا ہے اس لیے بیعت فسخ کرنے کو غدر قرار دیا اور حضرت ابن عمرؓ نے جو یہ فرمایا ہے کہ: انّا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللّٰه و رسوله (بے شک ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی بیعت کی ہے (خلافت معاویہ یزید طبع چہارم ج ص ۲۵۷) اور اس سے یزیدی لوگ یزید کی بیعت کا صحیح ہونا اور اسکا صالح ہونا ثابت کرتے ہیں تو اس کا مطلب بھی شارحین حدیث نے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ حافظ بدرالدین عینیؒ محدث لکھتے ہیں: ای علی شرط ما امر اللّٰه به من

ابیـــعة (عمدۃ القاری جلد ۲۴ ص ۲۰۹) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ محدث بھی فرماتے ہیں۔ ''ای علـی شرط ما امر الله ورسوله به من بیعة الامام'' (فتح الباری ج ۱۳ ص ۶۷) یعنی اس شرط پر ہم نے یزید کی بیعت کی ہے جس کا اللہ اور رسول ﷺ نے حکم دیا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اور خلیفہ کا وہی حکم قابل تسلیم ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو۔ البتہ یہ بات شرعی حکمت پر مبنی ہے کہ اگر خلیفہ وامام فاسق ہو جائے تو اس کے ناجائز احکام کی تو پیروی نہیں کی جائے گی مگر اس کی بیعت برقرار رکھی جائے گی۔

ایک سوال

قاضی صاحب درویش بتائیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ حضرات کے بیعت پر قائم رہنے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یزید ان کے نزدیک صالح وعادل خلیفہ تھا۔ زیر بحث حدیث سے آپ کے موقف کی تائید کیونکر حاصل ہوتی ہے بلکہ سانحہ حرہ سے تو یزید کا فسق ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ جمہور اہل سنت والجماعت کا موقف ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ اور حضرت عبداللہ بن مطیعؒ وغیرہ صحابہ اور تابعین نے جب یزید پر یہ الزام لگایا کہ وہ شراب بھی پیتا ہے اور تارک نماز بھی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی یزید کو شراب نوش اور تارک صلوٰۃ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں:

''مورخین نے بیان کیا ہے کہ یزید کو اطلاع ملی کہ حضرت ابن زبیرؓ اپنے خطبہ میں بیان کرتے ہیں کہ یزید دھوکے باز، شراب نوش، تارک الصلوٰۃ اور گلوکارہ لونڈیوں کے ساتھ رہنے والا ہے۔'' (البدایہ والنہایہ مترجم ج ۸ ص ۱۱۴۰)

تو اصحاب مدینہ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ یزید تو صالح وعادل خلیفہ ہے اس لیے تمہارا بیعت فسخ کرنا اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کرنا شرعاً ناجائز ہے حالانکہ یہی موقع تھا ان کی طرف سے جواب دینے کا بلکہ انہوں نے صرف وہ حدیث پیش کی جس سے خلیفہ کی بیعت کے بعد اس کو فسخ کرنا ممنوع ثابت ہوتا ہے۔

(۲) اور یزیدی گروہ کو اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ مدینہ کے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے کیا بلاوجہ کس دینوی طمع یا ہوس اقتدار کی بنا پر یزید کی مخالفت کر کے اپنے عزیزوں کو شہید کرایا تھا یا ان کو یزید سے اس کے فاسقانہ کردار کی وجہ سے دینی اور شرعی اختلاف تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اتنی بڑی قربانی دی۔ ہم اہل سنت تو صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ تصور نہیں کر سکتے کہ انہوں نے محض دنیوی اغراض کی خاطر یا اغیار کی تحریک سے یزید کی مخالفت کی تھی بلکہ حسب شہادت خداوندی یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً (وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں) ان صحابہؓ کو مخلص قرار دیتے ہیں اور ان کی تحقیق کو صحیح مانتے ہیں کہ یزید شرابی بھی تھا اور تارک نماز بھی۔

یزید نے حضرت ابن زبیرؓ کو ملحد کہا

محمود احمد عباسی لکھتے ہیں: جب فوجی دستہ (یعنی مسلم بن عقبہ کی قیادت میں) روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ امیر المومنین (یزید) اسے رخصت کرنے خود آئے۔ تلوار گلے میں لگائے ہوئے تھے۔ لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو بتغیّر الفاظ پہلے نقل ہو چکے ہیں یہاں بلاذری سے نقل کیے جاتے ہیں......

آخری شعر: یا عجبا من ملحد یا عجبا، مُخادع فی الدین

یقفو بالعری ۔ مجھے اس ملحد (دین میں نئی بات کرنے والے) سے تعجب ہوتا ہے جو دین میں مکاری کرتا ہے اور جو بزرگوں کو برا کہتا ہے ۔ پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا۔ جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ یہ لشکریوں کیلئے ہے الخ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۳۲۷)

قاضی شمس الدین صاحب! یہ ہے آپ کا محبوب امیر المومنین یزید جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ملحد اور دین میں دھوکہ دینے والا وغیرہ قرار دیتا ہے لیکن آپ پھر بھی حضرت ابن زبیرؓ کے بجائے یزید کے ہی حامی ہیں اور اس کو عادل اور صالح ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے پاپڑ بیل رہے ہیں اور پھر یہ وہی یزید ہے جس نے مدینہ منوّرہ میں اپنے سپہ سالار مسلم بن عقبہ کے ذریعے قتلِ عام کرایا اور اہل مدینہ کا مال واسباب اپنے لشکروں کے لیے حلال قرار دیا اور اسی ظالم واظلم مسلم نے بعض صحابہ کو زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس کے جواب میں غالباً آپ یہی کہیں گے کہ اہل مدینہ خلیفہ وقت کے باغی تھے اور باغیوں کی سرکوبی شرعاً ضروری ہے تو پھر قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف لڑنے والوں کو آپ کیوں باغی نہیں قرار دیتے بلکہ ان کی خطاء اجتہادی کو بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ میں نے جمہور اہل سنت کی اتباع میں ان کی بغاوت کو بھی صورتاً بغاوت کہا ہے اور ان کی خلیفہ راشد سے اس جنگ کو بوجہ مجتہد صحابی ہونے کے ان کی اجتہادی خطا قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے حُبِّ صحابہ کرامؓ کا مدعی بن کر آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ لیکن یزید کے مقابلے میں آپ مدینہ منوّرہ کے صحابہ کا شرفِ صحابیت بالکل بھول جاتے ہیں۔ آخر خلافت علی المرتضیٰؓ اور خلافت یزید کے

بارے میں اس فرق اور اس نظریہ کی تہہ میں کیا چیز پوشیدہ ہے؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

حضرت ابن زبیرؓ حضرت ابنِ عمرؓ کی نظر میں

اس عنوان کے تحت بندہ نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۵۶۱ پر جو کچھ لکھا ہے وہی یہاں ہدیہ قارئین کرتا ہوں: اور گو حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے موقف اجتہادی کی بنا پر حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی بیعت نہیں کی تھی لیکن آپ ان کے فضائل کے معترف تھے چنانچہ جب وقت کے ظالم ترین شخص حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش کو مکہ مکرمہ میں سولی پر لٹکایا اور شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو تین بار ان الفاظ سے سلام کیا، السلام علیک یا ابا خبیب (ابو خبیب حضرت ابن زبیرؓ کی کنیت ہے) پھر فرمایا۔ اما واللہ لقد کنت انہاک عن ھذا (بخدا میں تجھ کو اس سے منع کیا کرتا تھا) اور پھر آپ کو ان الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا۔ واللہ ان کنت ماعلمت صواما قواماً وصولا للرحم (بخدا میں جانتا ہوں کہ آپ بہت روزے رکھنے والے تھے۔ بہت زیادہ نماز میں قیام کرنے والے تھے اور بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے) (صحیح مسلم جلد ثانی ص ۳۱۲) امام نووی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس ارشاد کے تحت لکھتے ہیں:

فاراد ابن عمرؓ براءۃ ابن الزبیر من ذلک الذی نسبہ الیہ الحجاج واعلام الناس بمحاسنہ وانہ ضد ماقالہ الحجاج ومذھب اھل الحق ان ابن الزبیرؓ کان مظلوماً وانّ الحجاج ورفقہ کانوا خوارج الیہ

حجاج نے چونکہ ابن الزبیرؓ کو ظالم اور عدو اللہ (دشمن خدا) کہا تھا اس لیے

اس کے جواب میں حضرت ابن عمرؓ نے آپ کے محاسن وفضائل بیان کر کے آپ کی صفائی پیش کی ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی واقف ہو جائیں اور اہل حق کا یہی مذہب ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ مظلوم تھے اور حجاج اور اس کے رفقائے کاران کے خلاف خروج کرنے والے تھے۔

(۲) علامہ علی قاری حنفی محدث، فاسق اور ظالم امام (خلیفہ) معزول کرنے کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

لاشک انهم کانو اخائفین من نحویزید والحجاج وزیادولم یکن یتمنّی الخروج حینئذ علی ارباب العنادبل کان یترتب علیه امورمن الفساد ولذا کان ابن عمرؓ یَمْنَعُ ابن الزبیرؓ وینهاهُ عن دعوی الخلافة مع انه کان احق واولی بهامن امراء الجور بلا خلافٍ (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۱)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (یعنی اکابر) یزید، حجاج اور ابن زیاد جیسے امرا (حکام) سے ڈرتے تھے اور ان حالات میں اربابِ عناد کے مقابلے میں خروج بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا بلکہ خروج پر اور دوسرے مفاسد کے واقع ہونے کا خطرہ تھا اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو منع کرتے تھے اور ان کو دعویٰ خلافت سے روکتے تھے باوجود اس کے کہ بلا اختلاف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان ظالم امراء (یعنی یزید وحجاج وغیرہ) سے خلافت کے زیادہ حق دار اور بہتر تھے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۵۶۲)۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کے لیے سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور یزید کو ظالم اور جائر حکمران قرار دیتے تھے۔ البتہ اپنے اجتہاد کی بنا پر آپ حضرت ابن زبیرؓ کو دعویٰ خلافت سے منع فرماتے تھے۔

یزید امام عینیؒ کی نظر میں

قاضی شمس الدین درویش نے امام بدرالدین عینی محدث کی عمدۃ القاری شرح البخاری کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ حدیث تو پیش کردی جس میں انہوں نے یزید کی بیعت فسخ کرنے سے منع فرمایا (جس کی بحث پہلے گزر چکی ہے) لیکن امام عینی کی وہ عبارت نظر انداز کر گئے جس میں انہوں نے یزید کو حسب حدیث امت کی ہلاکت کا باعث قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے قال ابوھریرہؓ سمعت الصادق المصدوق فقول هلكة امتی علی یدی غلمة من قریش۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے صادق ومصدوق (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے نوخیز جوانوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔

امام عینی اس حدیث کی شرح میں ان جوانوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں جن کے ہاتھوں سے اس زمانہ کی ہلاکت ہوگی۔ اوّلھم یزید علیه مایستحق وکان غالباً ینزع الشیوخ من امارة البلدان الکبار ویولیها الاصاغر من اقاربه (عمدہ القاری شرح البخاری جلد ۲۴ ص ۱۸۰) یعنی ان جوانوں میں اول یزید ہے اس پر وہی (عذاب) ہو جس کا وہ مستحق ہے۔ وہ غالباً شہروں کی امارت (حکمرانی) سے بڑوں کو ہٹا دیتا تھا اور اپنے رشتہ دار چھوٹے لوگوں کو ان کی جگہ مقرر کرتا تھا۔

فرمایئے قاضی درویش صاحب! یہ ہے آپ کا ممدوح یزید امام عینیؒ کی نظر میں، لیکن آپ کا حال تو یہ ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔

یزید کی ولی عہدی

قاضی شمس الدین صاحب درویش لکھتے ہیں:

''اور پھر یزید کی ولی عہدی کی بیعت تو سوائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے امت کی اکثریت یزید کی بیعت پر متفق ہوگئی تھی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں۔ ولم یبق فی المخالفة لهذه العهد الذی اتفق علیه الجمهور الا الن الزبیرؓ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۶) (ترجمہ) ''اور یزید کی اس ولی عہدی کی بیعت پر جمہور امت متفق ہو گئے صرف ایک ابن زبیرؓ ہی مخالف رہے'' امام ابن کثیر لکھتے ہیں۔ فاتسقت اللبیعة الیزید فی سائر البلاد (ابن کثیر ص ۸۰ جلد ۸) ''یزید کی ولی عہدی کی بیعت تمام شہروں میں مسلسل ہوئی۔'' پھر ۶۰ھ میں سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت خلافت پوری ملت اسلامیہ نے دوبارہ کرلی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ حسینؓ بن علیؓ، اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے۔ لیکن ان میں سیّدنا ابن عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یزید کی بیعت کرلی اور سیّدنا حسینؓ اور سیّدنا زبیرؓ باقی رہ گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں فلما مات معاویہؓ سنة ستین بریع لیزید بنابع ابن عمر وابن عباس وصمتم علی المخالفة الحسین وابن الذبیر (ج ۸ ص ۱۵۱) الخ علاوہ ازیں حکیم محمود ظفر صاحب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فضائل کے ضمن میں لکھتے ہیں: ۶۴ھ میں یزید بن معاویہؓ کی وفات کے بعد آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا اگرچہ آپ پہلے ہی یزید کی خلافت سے خوش نہ تھے اور آپ امت مسلمہ میں تنہا شخصیت ہیں جنہوںؒ نے یزید کی بیعت نہیں کی (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱) حالانکہ سیدنا حسین بن علیؓ بھی یزید کی بیعت پر راضی تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد کتاب الشافی از شریف المرتضیٰ شیعی ص ۱۷۴) یزید بن معاویہؓ کی زندگی میں تو آپ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں کیونکہ امت مسلمہ یزید کی خلافت پر مجتمع تھی لیکن اس کی وفات کے بعد جب آپ نے دعویٰ خلافت کیا تو اس وقت کے اساطین امت نے ان کی خلافت کو بازیچہ

اطفال سے زیادہ حیثیت نہ دی چنانچہ سیدنا محمد بن حنفیہ، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عباس وغیرہ نے باوجود ان کے اصرار کے ان کی بیعت نہ کی۔ ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں شکست کھائی اور شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۷۲ سال تھی، مدت خلافت ۷ برس تھی اور بعض کے نزدیک ۹ برس (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳) الخ

(سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار جلد دوم حاشیہ ۱۷۳)

تلبیس وخیانت

علامہ ابن خلدون کی عبارت یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مقدمہ ابن خلدون سے قاضی شمس الدین صاحب نے جو پیش کی ہے اور ترجمہ بھی لکھ دیا ہے حکیم محمود صاحب ظفر نے عبارت نہیں لکھی۔ صرف مقدمہ ابن خلدون کا صفحہ لکھ دیا ہے لیکن میرے پاس جو مقدمہ ابن خلدون ہے اس کے صفحہ ۲۱۱ پر تو مذکورہ عبارت ہے لیکن اس کا مطلب وہ نہیں جو یہ دونوں ہمنوا لکھ رہے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ولی عہد مقرر کرنے یا نہ کرنے پر جو اختلاف ہوا تو باقی حضرات نے تو تسلیم کرلیا کہ خلیفہ کو اپنی حیات میں کسی کو ولی عہد بنانا جائز ہے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ آخر وقت تک نفس ولی عہدی کے خلاف رہے ان کے نزدیک کسی کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنانا جائز ہی نہ تھا اور علامہ ابن خلدون نے یہاں ولی عہد کے جواز پر ہی دلائل دیے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے الفصل الثلاثون میں ''فی ولایة العھد'' کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس کے لیے دلیل یہ دی ہے کہ حضرت ابو بکر نے اپنی حیات میں حضرت عمر فاروقؓ کو ولی عہد مقرر کیا تھا چنانچہ لکھتے ہیں: وقد عرف ذالک من الشرع باجماع الامة علی جوازہ وانقادہ اذوقع بعھد ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ لِعُمَرَ بمحضرٍ من الصحابة واجازوہ واو جبو اعلی

انفسهم به طاعة عمر رضى الله عنه وعنهم و كذلك عهد عمر فى الشورى الى الستة بقية العشرة وجعل لهم ان يختارو المسلمين الخ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۰) شریعت مطہرہ میں اجماع سے ولی عہدی کا جواز وانعقاد ثابت ہے کیونکہ صحابہؓ کی موجودگی میں صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظم کو ولی عہد مقرر فرمایا اور اسے تمام صحابہ نے بالاتفاق منظور فرمایا اور سب نے فاروق اعظمؓ کی اطاعت اپنے اوپر واجب ولازم سمجھی۔ اسی طرح فاروق اعظم نے عشرہ مبشرہ میں سے باقی رہ جانے والے چھ صحابہ کو مجلس شوریٰ کے لیے بطور ارکان کے نامزد فرمایا اور انہیں امام چننے کا اختیار سونپ دیا الخ (مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص ۲۶) اسی ولی عہدی کے جواز کے سلسلہ میں ابن خلدون لکھتے ہیں:

اس سلسلے میں امام پر بدگمانی روا نہیں اگر چہ وہ اپنے باپ یا بیٹے ہی کو ولی عہد بنا جائے کیونکہ جب امام کی زندگی میں مسلمانوں کے تمام کاموں پر قابل اعتماد تسلیم کرلیا گیا ہے تو وہ بدرجہ اولی کوئی ایسا جرم کر کے جو قابل اعتراض ہو فوت نہ ہوگا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بیٹے اور باپ کی ولی عہدی کے سلسلے میں امام پر بدگمانی کرتے اور کچھ ایسے بھی جو صرف بیٹے کی ولی عہدی پر بدگمانی کرتے ہیں حالانکہ کسی صورت میں بھی بدگمانی نہیں پیدا ہونی چاہیے خصوصاً جب کہ ولی عہدی کسی مصلحت کی یا کسی فساد سے بچنے کی غرض سے عمل میں لائی گئی ہو۔ ایسی صورت میں تو بدگمانی کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ عہد معاویہؓ میں ان کے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا گیا کیونکہ معاویہؓ کا یہ فعل لوگوں کے اتفاق کی وجہ سے اس معاملہ میں ان کے لیے حجت تھا۔ حضرت معاویہؓ نے دوسروں کو چھوڑ کر یزید کو مصلحت کے ماتحت ولی عہد چنا تھا کیونکہ بنو امیہ کے ارباب حل وعقد

کا یزید کی ولی عہدی پر اتفاق تھا کیونکہ اس وقت بنوامیہ اپنے سوا کسی اور کے لیے خلافت نہیں چاہتے تھے۔ بنوامیہ قریش تھے۔ انہیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور یہی ارباب اقتدار تھے اس لیے انہی میں سے ولی عہد چنا گیا اور جو بظاہر خلافت کے اہل تھے انہیں نظر انداز کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے اتفاق واتحاد میں جو شارع کے نزدیک انتہائی اہم ہے خلل نہ آئے اور ملک میں انتشار نہ پھیلے۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت کا یہی تقاضا ہے الخ (مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص ۲۷)

یزید کو ولی عہد بنانے پر جو لوگ حضرت معاویہؓ سے بدگمانی رکھتے ہیں علامہ ابن خلدون اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس وقت کے حالات کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تھا حالانکہ اس وقت جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے اور اسی سلسلے میں اس کے بعد ابن خلدون نے یہ لکھا ہے۔ ولم یبق فی المخالفة لھذہ العھد الذی اتفق علیه الجمھور الا ابن الزبیر۔'' اس دلی عہدی کی جس پر جمہور کا اتفاق تھا صرف عبداللہ بن زبیرؓ نے مخالفت کی تھی''

(مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ۲۸)

اس سے ثابت ہوا کہ جمہور نے ولی عہدی کے جواز کو تسلیم کر لیا لیکن حضرت ابن زبیرؓ آخر تک ولی عہدی کے عدم جواز پر قائم رہے۔ غالباً حکیم صاحب موصوف نے ابن خلدون کی زیر بحث عبارت کا مطلب سمجھ لیا تھا اس لیے عبارت نہیں لکھی لیکن قاضی درویش صاحب نے یہ ایک سطر دیکھ لی لیکن سیاق وسباق کو نہ دیکھا یا تلبیس وعلمی خیانت سے کام لیا۔ واللہ اعلم

(۲) ممکن ہے اب بھی قاضی درویش صاحب ابن خلدون کی مذکورہ

عبارت کے اس مطلب پر اصرار کریں کہ حضرت ابن زبیرؓ کے سوا تمام صحابہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی تو ہم علامہ ابن خلدون ہی کی عبارت سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابن زبیرؓ کے علاوہ حسب ذیل تین جلیل القدر صحابہ نے بھی یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو جو وصیت فرمائی تھی اس میں یہ بھی فرمایا کہ: وانی لااهناف علیک ان ینَازعُکَ هذا الاصر الذی انتسب لک الا اربعة نفر من قریش الحسینؓ بن علی وعبد اللهؓ بن عمر وعبدالله بن زبیرؓ و عبدالرحمن بن ابی بکر الخ (تاریخ ابن خلدون جلد۳ ص ۱۸) تجھ کو (بطور ولی عہد) یہ سلطنت سپرد کی گئی ہے مجھ کو صرف قریش کے ان چار اشخاص کی طرف سے تجھ سے منازعت کرنے کا ڈر ہے یعنی حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فرمایئے اگر حضرت ابن زبیرؓ کے سوا باقی ان تین حضرات یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی تو پھر حضرت امیر معاویہؓ کو ان کی مخالفت کا کیونکر خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟

(۳) نیز تاریخ ابن خلدون جلد ثالث ص ۱۹ پر بعنوان ''بیعت یزید'' لکھتے ہیں: ولم یکن همهٔ الا بیعة النفر الذین اَبَو اعلی معاویةؓ بیعته فکتب الی الولید بموت معاویة وان یا خذ حسینا وابن عمر وابن ازبیر بالبیعة من غیر رخصة۔ ''یزید کو اپنی چند اشخاص سے بیعت لینے کی فکر لاحق تھی جنہوں نے حضرت معاویہؓ کے سامنے یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے حضرت معاویہؓ کی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے والی مدینہ ولید بن عتبہ کو یہ بھی لکھا کہ وہ بغیر کسی مہلت کے حضرت حسین، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے بیعت لے لے'' ولید نے مردان سے اس معاملہ میں مشورہ کیا تو

مروان نے: فاشار علیه ان یحضر هم توقته فان بایعوا والا قتلتهم قبل ان یعلمو ابموت معاویة الخ۔ ''پھر مروان نے اس کو یہ مشورہ دیا کہ ان کو فوراً بلا لو۔ اگر وہ بیعت کرلیں تو ٹھیک ورنہ ان کو حضرت معاویہؓ کی وفات کا علم ہونے سے پہلے ہی قتل کردو'' اس سے بھی صراحتاً ثابت ہوا کہ ان حضرات صحابہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یزید کی بیعت خلافت کے لیے جبر کیا جاتا تھا۔ قاضی درویش صاحب ہی فرمائیے کہ کیا ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا قتل محض اس لیے جائز تھا کہ وہ یزید کی بیعت خلافت پر راضی نہیں تھے؟ حکیم محمود احمد ظفر ہی فرمائیں کہ کیا یزید کی بیعت خلافت کی خصوصیت یہی تھی جس کے متعلق آپ نے یہاں تک مبالغہ آرائی فرمائی ہے کہ: ''اس معاملہ میں یزید بن معاویہؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب رائے ان کی خلافت پر ہوا اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔'' (سیدنا معاویہ جلد دوم ص ۱۷۰) اور پھر حاشیہ ص ۱۷۱ میں مزید وضاحت کرتے ہیں کہ: گویا یزید بن معاویہؒ کی بیعت آج تک اس اہتمام سے نہیں ہوئی الخ

یہ ہے حکیم صاحب موصوف کا یزید کی خلافت اور اس کی مقبولیت کے بارے میں عقیدہ کہ قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ سے بھی اس کی خلافت کی مقبولیت بڑھ گئی۔ انا لله وانا الیه راجعون۔ حالانکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوا، حضرت سعد بن عبادہ نے بھی آخر رجوع کرلیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورین کی خلافت پر بھی اجماع ہوا۔ البتہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت میں نزاع واختلاف واقع ہوا۔ حکیم صاحب یہ بھی تو سوچیے کہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ سے یزید کی خلافت کو کیا نسبت

چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

مذکورہ چار جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا اور

پھر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آخر تک یزید کی خلافت تسلیم نہیں کی اور پھر معرکہ کربلا، واقعہ حرہ اور حضرت عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ کی حرم مکہ میں الم ناک شہادت، بیت اللہ پر منجنیقوں سے حملہ کیا۔ یہ سب واقعات ہائلہ یزید کی مقبولیت کی دلیل ہیں عبرت، عبرت، عبرت۔

یزید کی صحابہؓ پر برتری

حکیم صاحب موصوف حُبِ یزید سے مغلوب ہو کر لکھتے ہیں:

اگر چہ یہ سب صفات وخصائل ہونے کے باوجود بھی یزید اہلیت سے محروم تھے، تو پھر میں کہوں گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہیں تھی۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں یزید سے زیادہ کاروبارِ حکومت چلانے کی اہلیت ہو۔ اس لیے کہ اس وقت صحابہؓ یا ان کی اولاد میں سے جتنے لوگ بھی موجود تھے، ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبار حکومت میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید ماہر تھے۔ الخ (ایضاً سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار جلد اول ص ۴۹۱)

حضرت ابن زبیرؓ کی تنقیص

حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق حکیم صاحب کی پہلے یہ عبارت درج کی گئی ہے کہ: یزید بن معاویہؓ کی زندگی میں تو آپ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں...... اس وقت کے اساطین امت نے ان کی خلافت کو بازیچہ اطفال سے زیادہ حیثیت نہ دی الخ (سیدنا معاویہ جلد اول حاشیہ ص ۱۷۳) حکیم صاحب ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ: پھر وہ لوگ جن کو امت مسلمہ صحابہ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھمکی سے کلمہ حق کہنے سے ڈر جائیں الخ (ایضاً ص ۱۷۲) اور ادھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یزید کی زندگی میں ان کو دعویٰ خلافت کا حوصلہ نہ ہوا اور ان کی شجاعت کے متعلق بھی

لکھتے ہیں: اپنے والد ماجد کی طرح بچپن ہی سے بڑے شجاع اور بہادر تھے اور بقول ابن حجر اس قدر بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے۔ (اصابہ جلد ۴ ص ۷۰) فرمائیے جب حضرت ابن زبیرؓ اتنے بہادر تھے تو یزید کے مقابلہ میں پست حوصلہ کیسے بن گئے۔ کیا وہ لا یخافون لومة لائم کا مصداق نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دَور دَورِ فتنہ تھا اور صحابہ کرامؓ نے دور فتنہ کی احادیث کی روشنی میں اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی مدت خلافت سات یا نو سال حکیم صاحب نے خود تسلیم کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت کے سلسلے میں لکھتے ہیں: وبویع له بالخلافة عقیب موت یزید بن معاویة سنة (۶۴ھ) وقیل سنة (۶۵ھ) وغلب علی الحجاز والعراقین والیمن ومصر واکثر الشام وکانت ولایته تسع سنین وقتله الحجاج بن یوسف فی ایام عبدالملک بن مروان سنة (۷۳) فی قول الاکثرین وقیل سنة (۷۲) (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳) ''اور یزید بن معاویہؓ کی موت کے بعد ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں آپ کی خلافت کی بیعت لی گئی اور آپ نے حجاز عراق کوفہ وبصرہ، یمن، مصر اور شام کے اکثر حصہ پر غلبہ پالیا اور آپ کی مدت خلافت نو سال تھی اور آپ کو اکثر قول کے مطابق ۷۳ھ میں اور بعض کے نزدیک ۷۲ھ میں عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف نے قتل کیا۔'' حکیم صاحب نے اپنی کتاب جلد دوم حاشیہ ص ۱۷۳ پر لکھا ہے کہ: مدت خلافت ۷ برس تھی اور بعض کے نزدیک ۹ برس۔ انہوں نے تہذیب التہذیب کا وہی صفحہ ۲۱۳ لکھا ہے اور یہی صفحہ میری تہذیب التہذیب میں ہے جس میں ابن حجر نے مدت خلافت کے لیے ایک ہی قول نو برس کا لکھا ہے لیکن حکیم صاحب نے پہلا قول ۷ سال کا لکھا ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ: بعض کے نزدیک ۹ برس۔ حالانکہ اگر آپ کا

سن خلافت ۶۴ھ ہے جیسا کہ ابن حجر نے لکھا ہے اور سن شہادت ۷۳ھ ہو جو اکثر کا قول ہے تو مدت خلافت ۹ سال بنتی ہے اور دوسرا قول سن بیعت خلافت ۶۵ھ بھی ضعیف ہے اور سن شہادت ۷۲ھ کا قول بھی ضعیف ہے جس کے حساب سے مدت خلافت ۷ برس بنتی ہے لیکن حکیم صاحب نے اس کے برعکس پہلے مدت خلافت ۷ برس لکھی ہے اور پھر بعض کے نزدیک ۹ سال ضعیف قول کے اعتبار سے لکھی ہے۔ بہر حال مدت خلافت جتنی بھی ہو آپ کا غلبہ ثابت ہو گیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اس کے بعد پھر لکھتے ہیں: ومناقب عبدالله واخباره كثيرة وخلافة صحيحه خرج مروان بعد ان بويع له في الافاق كلها الابعض قرى الشام (ایضاً تہذیب التہذیب ص ۲۱۴) اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مناقب اور اخبار بہت زیادہ ہیں اور آپ کی خلافت صحیح ہے۔ آپ کے خلاف مروان نے اس وقت خروج کیا جب آپ کی خلافت کے لیے سوائے بعض شام کے دیہات کے مملکت اسلامیہ کے تمام اطراف میں بیعت ہو چکی تھی۔

اہم سوال

ہم حکیم ظفر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت اتنے وسیع وعریض علاقوں تک قائم ہو چکی تھی اور حافظ ابن حجر محدث آپ کی خلافت کو صحیح بھی قرار دے رہے ہیں تو پھر ان کی اتنی عظیم الشان خلافت کو بازیچہ اطفال (بچوں کا کھیل) قرار دینا کیا ایک جلیل القدر صحابیؓ کی خلافت اور ان کی شخصیت کی صریح توہین نہیں ہے؟

(۲) حامیانِ یزید عموماً صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن کی آیت اولئک هم الراشدون سے حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو خلافت راشدہ

تسلیم نہیں کرتے؟ کیا ان کے نزدیک حضرت ابن زبیرؓ صحابی نہیں ہیں۔ یا صحابی تو ہیں لیکن یزید کی محبت کی وجہ سے آپ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دینا ان کو پسند نہیں؟ سپاہ صحابہؓ کے سربراہ مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی بھی اپنی خلافت راشدہ جنتری میں صحابہ میں سے صرف چھ خلفاء کے نام لکھتے ہیں لیکن صحابہ کرام میں سے ساتویں خلیفہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا نام نہیں لکھتے جن کی مدت خلافت ۹ سال ہے۔ایں چہ بوالعجبی است۔

اور مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب نے خلافت راشدہ جنتری ۱۹۹۰ء میں بھی حکیم محمود احمد صاحب ظفر موصوف کا ایک مضمون بعنوان حضرت معاویہؓ وخلافت راشدہ شائع کیا ہے۔ کیا یہ وہی حکیم صاحب نہیں جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو بچوں کا کھیل قرار دیتے ہیں۔ حکیم صاحب کے اس مضمون کے متعلق ادارہ کی طرف سے یہ نوٹ لکھا گیا ہے کہ: ہمارا ادارہ حضرت معاویہؓ کے متعلق ان کی نادرہ تحقیقات اور اعلیٰ معلومات کی فراہمی پر جہاں انہیں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے وہاں یزید کے متعلق ان کے موقف سے دیانت دارانہ اختلاف رکھتا ہے۔" اگر ادارہ کو یزید کے متعلق دیانتدارانہ اختلاف ہے تو ان پر لازم ہے کہ اپنا دیانتدارانہ اختلاف ظاہر کریں اور حکیم صاحب کے غلط موقف کی بلا خوف لومۃ لائم تردید کریں۔ باقی حکیم صاحب کی جو نادر تحقیقات ہیں وہ ادارہ کی سمجھ میں تو آئی ہوں گی لیکن اہل حق کے نزدیک وہ تحقیقات عموماً تلبیسات پر مبنی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حسب فرصت حکیم صاحب کے مزعومات پر مدلل تبصرہ کیا جائے گا۔ واللہ الموفق۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر کا اختلاف

علامہ ابن خلدون کی وہ عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی سے ان چار حضرات نے اختلاف کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن

بن حضرت ابو بکر، حضرت حسین بن علیؓ جفرت، عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ اور حکیم ظفر صاحب موصوف بھی ابن خلدون کو ثقہ مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: بلکہ ابن خلدون جیسے ثقہ اور نقاد مورخ نے تو صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ زہر خورانی کا واقعہ شیعہ حضرات کا گھڑا ہوا ہے الخ (سیدنا معاویہؓ جلد دوم ص ۶۲) ابن خلدون کے علاوہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ، ''زیاد جب مر گیا تو (حضرت) معاویہؓ نے ایک تحریر نکالی اور لوگوں کے سامنے پڑھی۔ اس میں یزید کے جانشین کرنے کا مضمون تھا کہ اگر (حضرت) معاویہؓ کی موت واقع ہو تو یزید ولی عہد ہوگا۔ یہ سن کر پانچ شخصوں کے سوا اور سب لوگ یزید کی بیعت پر تیار ہو گئے۔ (حضرت) حسین بن علی (حضرت) ابن عمر (حضرت) ابن زبیر (حضرت) عبدالرحمٰن بن ابی بکر (حضرت) ابن عباس (رضی اللہ عنہم) نے بیعت نہیں کی۔'' (تاریخ طبری مترجم جلد چہارم ص ۱۴۳) مطبوعہ نفیس اکیڈیمی ان کے علاوہ حافظ ابن کثیر محدث و مورخ بھی لکھتے ہیں (جو قاضی شمس الدین صاحب کے بھی ثقہ مورخ ہیں)۔ **ولما اخذت البیعة لیزید في حیاة معاویةؓ کان الحسین ممن امتنع من مبایعة هو وابن الزبیر وعبدالرحمن بن ابی بکر وابن عمرو ابن عباس ثم مات ابن ابی بکر وهو مصمم علی ذلک فلما مات معاویه سنة ستین وبویع لیزید بایع ابن عمر وابن عباس وهم علی المخالفة الحسین وابن الزبیر الخ (البدایه والنهایه جلد ص ۱۵۱)** جب حضرت معاویہؓ کی حیات میں یزید سے بیعت کی گئی تو حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابو بکر، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) نے بیعت نہیں کی اور پھر حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن وفات پا گئے اور وہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہ کرنے پر قائم

تھے۔ اور جب ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ وفات پا گئے اور یزید کی بیعت کی گئی تو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بیعت کر لی اور حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس کی مخالفت پر قائم رہے۔ یہ ہے یزید کی ولی عہدی کی مقبولیت کا حال کہ ان پانچ جلیل القدر صحابہؓ نے بیعت نہیں کی۔ اب ابن خلدون، طبری اور حافظ ابن کثیر کی مذکورہ تصریحات کے باوجود حکیم محمود احمد صاحب ظفر اور قاضی شمس الدین صاحب درویش کا یہ اصرار کہ ولی عہدی کی مخالفت صرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کی تھی اس کو تلبیس اور علمی خیانت سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ اور قاضی درویش صاحب حافظ ابن کثیر کی مذکورہ عبارت اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ:

"پھر ۶۰ھ میں سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت خلافت پوری ملت اسلامیہ نے دوبارہ کر لی اور حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے لیکن ان میں سے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یزید کی بیعت کر لی اور سیدنا حسینؓ اور سیدنا ابن زبیرؓ باقی رہ گئے۔"
(نقیب ص ۲۲ ماہ جون ۱۹۹۰ء)

درویش صاحب نے ابن کثیر کی عبارت پیش کرنے میں تلبیس سے کام لیا ہے۔ میں نے قبل ازیں ابن کثیر کی عربی عبارت مع ترجمہ لکھ دی ہے۔ ابن کثیر تو یہ فرما رہے ہیں کہ ان پانچ صحابہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی لیکن درویش صاحب یزید کی خلافت کی بیعت کے سلسلہ میں یہ نام لکھ رہے ہیں۔

(۲) دوسری خیانت کی یہ ہے کہ یہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا نام نہیں لکھا حالانکہ ابن کثیر نے ان کا نام بھی لکھا ہے۔

(۳) اور پھر خود بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ

نے خلافت کی بیعت نہیں کی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک حضرت حسینؓ نے ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی تو پھر یزید کی خلافت کی بیعت کرنے میں کونسا امر مانع تھا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ درویش صاحب کو درپیش ہے۔ کاش کہ وہ امر حق کو مان لیتے تو یوں...... نہ ہوتی۔ واللہ الھادی

حکیم صاحب کی ایک اور تلبیس

بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ حٰمٓ الاحقاف میں ایک حدیث منقول ہے جس میں یزید کی ولی عہدی کے بارے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر اور جناب مروان کے مابین منازعت کا ذکر ہے۔ چنانچہ مولوی عظیم الدین نے اس حدیث کا حسب ذیل ترجمہ لکھا ہے:

''سیدنا مروان نے تقریر کرتے ہوئے امیر یزید بن معاویہؓ کا ذکر کیا کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا تو حضرت مروان نے کہا کہ ذرا ان کو پکڑ لو۔ وہ سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے اس لیے لوگ انہیں پکڑ نہ سکے۔ حضرت مروان نے کہا کہ انہی جیسے لوگوں کیبارے میں اللہ نے یہ آیت اتاری۔ والذی قال یعنی وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ افسوس ہے تم پر تم مجھے دھمکی دیتے ہو سیدہ عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق خصوصیت سے قرآن مجید میں میری پاک دامنی کی ہی آیات نازل فرمائی ہیں''

(حیات سیدنا یزید ص ۱۲۶)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی منوانے لیے مروان وغیرہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اگر وہ حضرت عائشہؓ کے

حجرہ مبارکہ میں پناہ نہ لیتے تو خدا جانے ان پر کتنا تشدد کیا جاتا۔ میں نے اس سلسلے میں مولوی عظیم الدین کی پیش کردہ دو حدیثوں پر مفصل بحث کر دی ہے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ۲۴۵ تا ص ۲۵۳) مولوی عظیم الدین کراچی والے مشہور پختہ یزیدی ہیں لیکن انہوں نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ موجود تھے لیکن حکیم محمود احمد ظفر صاحب موصوف اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"ہمارے خیال میں بخاری کی اس روایت میں بھی راوی سے سہو ہو گیا ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن کی طرف جو بیان منسوب ہے کہ انہوں نے اٹھ کر سیّدنا مروان کی تجویز پر اعتراض کیا غلط ہے کیونکہ روایات بتاتی ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کا واقعہ ۵۶ء میں پیش آیا تھا۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۲۴) بلکہ مسعودی نے تو ۹ ھ لکھا ہے (مروج الذہب ج ۳ ص ۳۶، ۳۷) اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ۵۳ھ میں اس دار فانی سے انتقال فرما چکے تھے۔ چنانچہ مشہور مورخ علامہ ابن قتیبہ فرماتے ہیں۔ مات فجاءةً سنة ثلث وخميس بجبل بقرب مكه. سیدنا عبدالرحمٰن کی ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک وفات ہو گئی (المعارف ص ۲۶) امام ابو عبداللہ محمد نیشاپوری صاحب ان کی وفات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: مات عبدالرحمن بن ابی بکر فجاءةً وكنية ابو عبدالله مات سنة ثلث وخمسين۔ "عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اچانک فوت ہو گئے ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور سن وفات ۵۳ھ تھا۔" (مستدرک جلد ۳ ص ۴۷۵) علامہ ابن حجر عسقلانی سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے سن وفات کا ذکر کرتے ہوتے لکھتے ہیں: "توفي عبدالرحمن

بحشی وھو اثنا عشر میلا من مکة فحمل الی مکة فدفن فیھا وقال ابن سعد وغیر واحد کان ذلک سنة ثلاث وخمسین." "سیدنا عبدالرحمٰن کی وفات حبشی کے مقام پر جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ہوئی۔ ان کی لاش کو مکہ لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا۔ ابن سعد اور بہت سے دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی" (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۷) لیکن اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ سیدنا عبدالرحمٰن نے اعتراض کیا تھا وہ اعتراض وہ نہ تھا جس کو سیدنا عبدالرحمٰن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (سیدنا معاویہؓ جلد دوم حاشیہ ص ۱۶۸۔۱۶۹)

الجواب

(۱) جب صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰنؓ موجود تھے اور ابن خلدون، طبری اور ابن کثیر سے بھی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی تو پھر حکیم ظفر صاحب موصوف خواہ مخواہ کیوں اس کا انکار کر رہے ہیں؟

(۲) گو حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سال وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض تاریخی کتب کے حوالے حکیم صاحب نے پیش کیے ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہ اختلافی روایت پیش کی ہے۔ لیکن انہوں نے راجح قول یہ پیش کیا ہے جس کو حکیم صاحب بالکل نظرانداز کر گئے ہیں کہ: وقال ابو زرعته الدمشقی توفی بعد منصرف معاویة من المدینة فی قدمة التی قدم فیھا الاخذ لبیعة یزید توفیت عائشة بعد ذلک بیر سنة (۵۹ھ). وارخ ابن جبان وفاتہ تبعاً البخاری ری سنة (۵۸) (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۷): اور

ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لیے مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت معاویہؓ کی وہاں سے واپسی پر حضرت عبدالرحمٰن کی وفات ہوئی اور حضرت عائشہؓ نے آپ سے تھوڑی مدت بعد ۵۹ھ میں وفات پائی۔ اور ابن حبان نے امام بخاری کی پیروی میں حضرت عبدالرحمٰن کی تاریخ وفات ۵۸ لکھی ہے۔

(۳) حافظ ابن کثیر ۵۸ھ کے واقعات میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی وفات کے متعلق لکھتے ہیں: وکانت وفاته فی هذا العام فی قول کثیر من علماء التاریخ ویقال ان عبدالرحمن توفی فی سنة ثلاث وخمسین قاله الواقدی وکاتبه محمد بن سعد وابو عبید وغیر واحد وقیل سنة اربع وخمسین فالله اعلم (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۹)۔ بہت سے علماء تاریخ کا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا سال وفات ۵۳ھ ہے اور یہ واقدی کا قول او ابن سعد اور ابو عبید اور ایک سے زیادہ کا یہی قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا سال وفات ۵۴ھ فاللہ اعلم۔

ابن کثیر کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ اکثر مورخین کے نزدیک آپ کی تاریخ وفات ۵۸ھ ہی ہے اور دوسرے اقوال ضعیف ہیں لیکن حکیم صاحب کی فن کاری ملاحظہ فرمائیں کہ تہذیب التہذیب کی جس عبارت سے محدث ابوزرعہ دمشقی۔ ابن حبان اور امام بخاری کے اقوال ۵۸ھ کے ثابت ہوتے تھے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ حکیم صاحب کی تصانیف میں ان کی نادرہ تحقیقات اسی قسم کی ہیں۔

☆☆☆

(ہم نے یہاں) یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مولانا قاضی شمس الدین درویش اور حکیم محمود احمد صاحب ظفر سیالکوٹی کی غلط بیانیوں کی نشاندہی کر دی ہے جس سے قارئین حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دورِ حاضر کا یزیدی ٹولہ یزید کو

صالح اور راشد ثابت کرنے کے لیے کس طرح تلبیس و مکر سے کام لے کر ناواقف اہل السنّت والجماعت کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ دورِ حاضر کے علم بردارِ یزیدیت محمود احمد صاحب عباسی نے بھی اپنی تصانیف میں اسی طرح کذب بیانیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں عباسی صاحب کی تلبیس و خیانت کی نشاندہی کر دی ہے۔

ایک اور یزیدی مصنف

گذشتہ ایام میں مجھے ایک صاحب نے خط لکھا ہے جس میں انہوں نے ایک رسالہ بنام ''یزید بن معاویہ۔ شخصیت و کردار'' کے بعض اقتباسات نقل کیے ہیں۔ یہ کتابچہ (صفحات ۴۵) میرے پاس موجود تھا لیکن تا حال اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اس کے مولف مولانا ابو الارشد محمد اسمٰعیل صاحب جاروی السّلفی صاحب مسجد مدینہ طیبہ (کورنگی کراچی) ہیں یہ کتابچہ فروری ۱۹۸۸ء کا مطبوعہ ہے۔ ان مولانا کا میں نے قبل ازیں نام ہی نہیں سنا۔ انہوں نے ص ۲۸ پر میرا بھی ذکر فرمایا ہے چنانچہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ تمام بڑے بڑے علماء کے خلاف کوئی رائے دوں لہٰذا اس سلسلہ میں از خود کوئی جواب دینے کی جسارت کرنے کی بجائے عصر حاضر کے ایک جلیل القدر عالم اور تاریخ اسلام کے ایک عظیم محقق کی تحریر کے حوالہ سے جواب نقل کرتا ہوں جو کہ اس سلسلہ میں نہایت ہی عمدہ اور بہترین جواب قرار دیا جا سکتا ہے اور ''جواب شافی'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں اس جواب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ ایک صاحب علم شخصیت کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ واقعہ یہ کہ مولانا قاضی مظہر حسین چکوال ضلع جہلم نے مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کے بارے میں اپنے رسالہ ''دفاعِ صحابہؓ'' میں اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ:

موصوف (یعنی مولانا محمد اسحٰق) بھی یزید کو ایک صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں۔
حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ حیدر علی مولف منتھی الکلام وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی (جن کو امام تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے امام وقت قرار دیا) سب یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔
یہ تھا قاضی مظہر حسین کا اعتراض اور اس کا جواب آگے آئے گا جو امام اہل سنت مفکر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندوی دصدر مفتی جامعہ مدنیۃ العلوم اورنگ آباد کراچی وسابق صدر شعبہ دعوت وارشاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔.... سابق شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو نے اپنے ایک علمی رسالہ المسمی بہ ''قاضی مظہر حسین صاحب چکوال کے اعتراضات کا جواب'' جواب شافی میں تفصیلی جواب لکھا ہے جو کہ میرے مذکورہ مکتوبہ اشکال کا بھی جواب شافی بن سکتا ہے الخ قارئین حضرات کی واقفیت کے لیے عرض ہے کہ مولانا سندیلوی موصوف کے رسالہ جواب شافی کا مفصل ومدلل جواب میری کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول وحصہ دوم (بحث فسق یزید) میں دے دیا گیا ہے جس میں مولانا موصوف کی کتاب ''اظہار حقیقت'' پر بھی بحث کی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ علمائے کرام نے خارجی فتنہ حصہ اول کی تصدیق کر دی ہے اور خصوصاً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ مدیر ماہنامہ ''بینات'' کراچی نے ''بنیات'' ربیع الاول ۱۴۰۴ھ جنوری ۱۹۸۴ء میں میری کتاب پر مفصل تائیدی تبصرہ تحریر فرمایا ہے۔ علماء کے یہ تائیدی تبصرے میری کتاب ''کشف خارجیت'' اور ''دفاع حضرت معاویہؓ'' میں بھی مختصراً منقول ہیں اور علیحدہ بھی کتابی شکل میں شائع

ہو چکے ہیں۔ یہاں تو مختصراً مولانا محمد اسمٰعیل سلفی موصوف کے استدلات کا ایک نمونہ قائین کی خدمت میں پیش کرنا مقصود ہے جس سے ان کے مبلغ علم و دیانت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا سلفی موصوف لکھتے ہیں:

''امیر یزید برصغیر کے دو عظیم مفکر و عظیم مذہبی سکالر مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ سیّد سلمان ندوی کی نظر میں، حضرت مدنی فرماتے ہیں: یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشیا کو فتح کرنے حتیٰ کو خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیم میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۵۰)

میرے پاس جو مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول مطبوعہ مطبع المعارف اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء ہیں۔ اس میں مذکورہ عبارت مکتوب نمبر ۸۸ ص ۲۶۷ میں ہے اور سلفی صاحب موصوف نے یہاں علمی خیانت یہ کی ہے کہ اس کے بعد کی متصل حسب ذیل عبارت چھوڑ دی جس سے یزید کے بارے میں حضرت مدنیؒ کا نظریہ واضح ہوتا ہے: اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو (یعنی حضرت امیر معاویہ) اطلاع نہ تھی (ص ۲۶۷)

(۲) حضرت مدنی قدس سرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے مکتوب ۸۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مورخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے اس کو نامزد کیا بالکل غلط ہے۔ ہاں ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اس کے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو۔ ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہیے تھا کہ بیٹھا الخ

(۳) اسی مکتوب نمبر ۸۹ کی ابتداء میں حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ مکتوب الیہ کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے ان امور میں جن کو میں نے دوبارہ حضرت معاویہؓ اور یزید کے نامزد کرنے کو کہا تھا بخوبی غور نہیں فرمایا۔ جو اشکال آپ نے ظاہر فرمائے ہیں وہ اسی بنا پر ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ قاسم العلوم نمبر ۴ صفحہ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

تاوقتیکہ امیر معاویہؓ یزید پلید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نہ بود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کر حضرت امیر معاویہؓ را ازاں خبر بنود علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ ازو مشہود است مشہور است الخ

(جس وقت حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا دلی عہد بنایا تھا اس وقت اس کا فسق ظاہر نہ تھا۔ اگرچہ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی۔ اس کے علاوہ جہاد میں اس سے حسن تدبیر کا مشاہدہ ہونا مشہور ہے الخ (ایضاً مکتوب ص ۸۹ ص ۲۶۹)

معلوم ہوا کہ مولانا سلفی موصوف کا حال یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت کلو اوشربوا (کھاؤ اور پیو) پر عمل کیا جائے اور لا تُسرِفُوا (اس میں اسراف مت کرو) کو نظر انداز کر دیا جائے لاتقربوا الصلوۃ (نماز کے قریب مت جاؤ) پر عمل کیا اور وانتم سُکارٰی (جب تم نشہ کی حالت میں ہو) کو نظر انداز کر دیا جائے (العاذ باللہ) اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو اس وقت نماز کے قریب بھی مت جاؤ۔ یہ اس وقت کا حکم ہے جب شراب کی حرمت کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔

سید سلیمان ندویؒ

علامہ سلیمان ندویؒ کے حسبِ ذیل عبارت سلفی صاحب نے یزید کی حمایت

میں پیش کی ہے:

"یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔" (سیرت النبی جلد سوم ص ۱:۶)

برصغیر کے ان دو عظیم سکالروں کا یہ بے لاگ اور حقیقت پر مبنی تبصرہ امیر یزید کی شخصیت کی عظمت اور اس کی مجاہدانہ زندگی، قائدانہ صلاحیت، مدبرانہ انداز، شاہانہ ہیبت اور دبدبہ کا زندہ اور پائندہ ثبوت ہے۔ ع ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما (ایضاً یزید بن معاویہ ص ۴۰)

سلفی صاحب کا تبصرہ قارئین نے پڑھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مورخ اسلام علامہ سید سلیمان صاحبؒ ندوی نے جلد سوم میں پر قرآن وحدیث کی پیش گوئیاں درج کی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں۔ انہیں میں بحر روم کی پیش گوئیاں بھی ہیں۔ مذکورہ پیشگوئی سے یزید کا اپنے دور خلافت میں صالح وراشد خلیفہ ہونے کا ثبوت نہیں ملتا اور مذکورہ عبارت تو سلفی صاحب نے دیکھ لی لیکن سلفی صاحب کو وہ عبارت نظر نہیں آئی جس میں یزید کے دور حکومت کو اسلامی اور روحانی اعتبار سے نہایت تاریک دور قرار دیا ہے۔ چنانچہ مورّخ اسلام علامہ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ بعنوان "یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر" لکھتے ہیں۔ امیر معاویہ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشینی ہوا۔ اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی اور ادبار ونکبت کی اولین شب ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے متعدد روایتیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ۶۰ھ کے

شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو اور دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس پر ایسے ویسے لوگ حکمران نہ ہولیں الخ (سیرت النبی جلد سوم حصہ ص ۷۰۹)
فرمایئے سلفی صاحب یزید کے بارے میں حضرت مولانا مدنیؒ اور علامہ سید صاحبؒ کے ارشادات تو آپ کے سامنے آگئے۔ کیا اب بھی یہی راگ الاپتے رہیں گے کہ یہ حضرات یزید کی اسلامی عظمت کے قائل تھے۔

مدّت خلافت راشدہ

علامہ سید سلیمان صاحب ندوی خلافت راشدہ کی مدت کی پیشگوئی کے تحت لکھتے ہیں: فرمایا خلافت (یعنی خلافت راشدہ) میرے بعد تیس برس ہوگی پھر بادشاہی ہو جائے گی۔ یہ تیس سال کی مدت حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے۔ اس کے بعد سید صاحب رحمۃ اللہ نے چاروں خلفائے راشدین کی مدت خلافت کی تفصیل لکھی ہے۔ مولانا سلفی فرمایئے کیا آپ علامہ سید سلیمان صاحبؒ ندوی کی اس تحقیق کو قبول کرتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانیؒ و حافظ بدرالدین عینیؒ

سلفی صاحب موصوف نے بخاری شریف کتاب الجہاد کی حدیث اوّل جیش من امّتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم کے تحت شارحین بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۵۲ھ۔ (حافظ بدرالدین یعنی ۸۵۵ھ اور امام قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ) کو بھی یزید کی منقبت کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ یہ شارحین حدیث یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں اور محدث مہلب کے قول کا رد کرتے ہیں۔ میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم (فسق یزید) میں حدیث مذکور پر مفصل بحث کی ہے اور حامیان یزید کے استدلال کا قلع قمع کر دیا ہے۔

صحابہؓ اور یزید

مولانا سلفی صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ: میرا موقف یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا یزید بن معاویہؓ نیک وصالح انسان تھے اور صاحب عدالت تھے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو نیک وصالح تسلیم کیا ہے۔ اگر وہ نیک وصالح نہ ہوتا فاسق وبدکردار ہوتا تو صحابہ اس کو کبھی نیک اور صالح نہ کہتے۔ کیونکہ اصحاب رسولؐ کی صفت قرآن نے یہ بیان فرمائی ہے الخ (یزید بن معاویہؓ میں ۴) اور اسی سلسلہ میں ص ۵ پر لکھتے ہیں: مگر صحابہ کرامؓ کا موقف غلط نہیں ہوسکتا اور صحابہؓ کے بارے میں قرآن کی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی لہٰذا یزید کو بُرا کہنا درحقیقت صحابہؓ پر بدترین تبرا ہے جو حقیقت میں دشمنانِ صحابہ کی بدترین چال ہے الخ

تبصرہ

کاش کہ سلفی صاحب کسی ایک صحابی کا قول بھی پیش کردیتے جنہوں نے تخت نشین کے بعد یزید کو صالح اور عادل کہا ہے؟ سلفی صاحب کتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں۔

(۲) یہ سلفی صاحب کا عجیب وغریب فتویٰ ہے کہ جو شخص یزید کو برا کہتا ہے وہ صحابہ کرامؓ پر تبرا کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سلفی صاحب کے نزدیک وہ تمام محدثین، مفسرین، متکلمین، مجددین اور مصلحین امت جو یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں وہ سب صحابہ پر تبرا کرنے والے اور ان کے دشمن ہیں حتیٰ کہ تمام اکابر علمائے دیو بند اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بھی جو یزید کو فاسق وپلید کہتے ہیں سب تبرائی شیعہ ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، سوال یہ ہے کہ یزید کو صالح اور عادل ماننے والے کتنے ہیں علمائے امت میں سے؟ یہ ہیں سلفی صاحب جیسے حامیانِ یزید جو جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور وہ خود بھی نہیں سمجھتے کہ وہ کیا

لکھ رہے ہیں۔

بیعت یزید کے بارے میں صحابہؓ کا اختلاف

(پہلے) یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یزید کی ولی عہدی سے ان پانچ جلیل القدر صحابہؓ نے اختلاف کیا تھا (بحوالہ البدایہ والنہایہ، طبری، ابن خلدون) اس وقت تمام صحابہؓ میں سے یہ حضرات ایک امتیازی مقام رکھتے تھے، یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حضرت حسین بن ابی علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ان حضرات نے بالترتیب حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عباسؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ سے تربیت حاصل کی تھی۔ اب ہر صاحب عقل وانصاف شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یزید کی کیا حیثیت تھی۔

(۲) ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کی ولی عہدی کے متعلق پہلے کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ وہ اپنے بعد خلیفہ کا انتخاب دوسرے حضرات کی مجلس شوریٰ کے سپرد کرنا چاہتے تھے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بعد انتخاب خلیفہ کا فریضہ عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ کرامؓ کے سپرد کر دیا تھا، یعنی حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت امیر معاویہؓ بھی حضرت عمر فاروقؓ کی پیروی میں یہی طریقہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی خود لکھ رہے ہیں کہ:

''بات دراصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا پہلے یہ خیال تھا کہ وہ اس کام کے لیے کسی ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیدنا عمرؓ کی طرح

چھ اشخاص کو نامزد کر جائیں گے جن میں سے کسی ایک شخص کو ارباب حل وعقد یا لوگوں کی اکثریت اپنی پسند سے منتخب کرے گی۔اس کام کے لیے ان کے ذہن میں جو لوگ تھے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں: (۱) سیدنا سعید بن العاص (۲) سیدنا عبداللہ بن عامر (۳) سیدنا حسن بن علی (۴) سیدنا مروان بن الحکم (۵) سیدنا عبداللہ بن عمر (۶) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم (البدایہ دالنہایہ جلد ۸ ص ۸۵)

لیکن ابن کثیر ہی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت کا زیادہ رجحان ان سب میں سیدنا حسن بن علیؓ کو اپنا ولی عہد بنانے کے لیے تھا کیونکہ وہ ایک صلح پسند اور امت مسلمہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتے تھے اور ملت اسلامیہ میں نظم وضبط اور یک جہتی اور اتحاد واتفاق کے خواہاں تھے۔اسی لیے جناب رسول اللہؐ نے ان کی بابت فرمایا تھا۔ **ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئیتن عظیمتین من المسلمین** (میرا یہ بیٹا سردار ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔(بخاری جلد اول ص ۳۷۳ جلد دوم ص ۳۰ھ۔ترمذی جلد دوم ص ۲۴۱ ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۱۔۲۱۲) لیکن جب سیدنا حسن بن علیؓ سیدنا معاویہؓ کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تو آپ نے ملکی حالات اور بنوامیہ کی عصبیت کے تحت یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس میں سیدنا معاویہ جیسے راشد، بردبار، حلیم الطبع وسیع الظرف اور براعظم افریقہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کے ولی عہد ہونے کے جملہ اوصاف موجود تھے۔چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: **کان معاویۃ لما صالح الحسن عهد للحسن بالا مر من بعده فلما مات الحسن قوی امر یزید عند معاویه ورای انه اهلاً وذاک من شدة محبة الوالد لولده** الخ (ترجمہ: جب سیدنا

معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ سے مصالحت کی تو آپ نے سیدنا حسنؓ ہی کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن جب سیدنا حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا معاویہؓ کا یزید کی طرف رجحان قوی ہو گیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی اور اس لئے بھی تھی کہ وہ یزید میں دنیوی شرافت اور شہزادوں کی سی خصوصیات جنگی فنون سے آشنائی سلطنت کا نظم وضبط اور اس کی ذمہ داری کی باردوش سے سبکدوش ہونے کی اہلیت دیکھتے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ صحابہ کرام کی اولاد میں سے کوئی اس بارہ میں بہتر انتظام نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا بن عمرؓ سے فرمایا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں رعیت (پبلک) کو بکریوں کے ایک منتشر اور پراگندہ گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی راعی (چرواہا) نہ ہو" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۰) اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ولی عہدی کے بارے میں جو کچھ کیا وہ بالکل درست اور صحیح کیا اور مصلحت وقت اور ملکی حالات کا بھی یہی تقاضا تھا۔ اسی وجہ سے علماء اہلسنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطہ نگاہ سے بالکل درست مانا ہے (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۴۰ حمبرۃ الانساب میں ۱۰۳) اور اس کو ان ۱۲ خلفاء سے مانا ہے جن کے زمانے میں اسلام چہار دانگ عالم میں عزیز و محترم رہا (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری ص ۱۸۴ فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۸۲۔ شرح عقید الطحاویہ ص ۵۷۳) الخ (کتاب سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار جلد دوم ص ۲۰۸ تا ص ۲۱۱)

تبصرہ

حکیم محمود احمد ظفر نے البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ :سیدنا معاویہؓ کا پہلے یہ خیال تھا کہ وہ اس کام کے لیے کسی ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیدنا عمرؓ کی طرح چھ اشخاص کو نامزد کر جائیں گے۔ اس سے حکیم صاحب

کا وہ پہلا نظریہ غلط ہو گیا۔ کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں یزید سے زیادہ کاروبار حکومت چلانے کی اہمیت ہو۔ اس لیے کہ اس وقت صحابہؓ یا ان کی اولاد میں سے جتنے لوگ بھی موجود تھے ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا۔ جو کاروبار حکومت میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید ماہر تھے (سیدنا معاویہؓ جلد اول ص ۴۹۱)۔

(۲) حضرت معاویہؓ کے نزدیک بھی کاروبار حکومت چلانے کے لیے یزید سے بہتر صحابہ کرامؓ موجود تھے جن کے نام انہوں نے شوریٰ کے لیے تجویز فرمائے تھے ان میں جناب مروان کا نام ہے جن کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے جہاں ان کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ: وَهُوَ صحابی عند طائفته کثیرة (یعنی ایک کثیر جماعت کے نزدیک مروان صحابی ہیں) وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ: وذکرہ ابن سعد فی الطبقته الاولیٰ من التابعین (اور ابن سعد نے جناب مروان کا ذکر تابعین کے طبقہ اولی میں کیا ہے)۔ بہر حال حضرت امیر معاویہؓ نے جن چھ اشخاص کے نام تجویز کیے تھے ان میں یزید کا نام نہیں ہے۔ اگر یزید اتنا ہی اہل ہوتا جتنا کہ حکیم صاحب ثابت کر رہے ہیں تو حضرت معاویہؓ شوریٰ کے لیے یزید کا نام کیوں نہ تجویز کرتے۔ معلوم ہوا کہ وہ صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں حکومت کا نظام چلانے میں بھی حضرت معاویہؓ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

(۳) اب سوال پیدا ہوتا ہے تو پھر آپ نے بھی صحابہؓ کو چھوڑ کر یزید کو کیوں ولی عہد نامزد کیا تو اس کا جواب حافظ ابن کثیر کی عبارت میں ہی آ گیا ہے جو حکیم صاحب نے پیش کی ہے کہ: وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی الخ فرمایئے حکیم صاحب نے بھی یہ بات تسلیم کر لی کہ یزید کو ولی عہد مقرر کرنے میں حضرت معاویہؓ کی شدید پدری محبت کا بھی دخل تھا

اور حکیم صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ: مصلحت وقت اور ملکی حالات کا بھی یہی تقاضا تھا اور اصل بات یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں یزید کو ولی عہد بنانے میں بعض مجبوریاں تھیں ۔ چنانچہ میں نے اپنی کتاب خارجی حصہ دوم ص ۲۲۵ میں ''حل اشکال'' کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے کہ: گو صحابہ کرامؓ کو چھوڑ کر یزید کو خلیفہ بنانے کا پہلو بظاہر سخت قابل اعتراض ہے اور اسی بنا پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا تھا کہ یہ سنت قیصر و کسریٰ ہے نہ کہ سنت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما لیکن ایک دوسرا پہلو ایسا ہے جس کے پیش نظر حضرت معاویہؓ کی پوزیشن مجروح نہیں ہوتی اور وہ یہ ہے کہ سابقہ جنگ جمل اور جنگ صفین کی لڑائیاں، ان کے اور دیگر صحابہ کرام کے سامنے تھیں جن میں ہزار ہا مسلمان شہید ہوئے تھے۔ شام بنی اُمیہ کا مضبوط مرکز تھا اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ جیسے جنتی خلیفہ راشد کے سامنے بھی سر تسلیم خم نہیں کیا تھا۔ ان حالات میں اگر حضرت معاویہؓ کسی جلیل القدر صحابی کو اپنا ولی عہد مقرر کرتے یا انتخاب خلیفہ کے لیے شوریٰ کا تقرر کرتے تو اتفاق بہت مشکل تھا۔ شامی مرکز کی طرف سے پھر اس کی شدید مزاحمت کا خطرہ تھا اس لیے آپ نے اپنے اجتہاد میں اھون البلیتیں پر عمل کیا۔ یعنی دو متوقع مصیبتوں میں سے کمزور مصیبت کو اختیار کیا۔ اگر یزید کو ولی عہد نہ مقرر کیا جاتا تو عموماً بنی امیہ کی طرف سے شدید مخالفت ہوتی جس کے نتیجہ میں بہ نسبت جمل اور صفین کے زیادہ خونریزی کا خطرہ تھا تو امت مسلمہ کو مزید تفرقہ و انتشار اور جنگ و قتال سے بچانے کے لیے حضرت معاویہؓ نے دیانتداری سے یہی راستہ اختیار کیا۔ ہم اہلسنت حضرت معاویہؓ کے خلوص نیت میں شبہ نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غیر معصوم ہیں اگر ان سے دوبارہ استحقاق خلافت اور شروط خلافت غلطی اجتہادی ہو جائے اور وہ یزید کو مستحق خلافت سمجھ کر نامزد فرما دیں یا یہ کہ خلافت میں قریشیت۔ اسلامِ حریت بلوغ اور حسن تدابیر انتظام ہی کو شرط سمجھیں۔ تقویٰ اور دیانت ضروری نہ قرار دیں تو کیا اس پر گرفت سے بچ نہیں سکتے۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۲۹۰)

اور مشہور محقق مورخ ابن خلدونؒ نے بھی توجیہ پیش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

حضرت معاویہؓ نے دوسروں کو چھوڑ کر یزید کو مصلحت کے تحت ولی عہد چنا تھا کیونکہ بنو امیہ کے ارباب حل وعقد کا یزید کی ولی عہدی پر اتفاق تھا کیونکہ اس وقت بنو امیہ اپنے سوا کسی اور کے لیے خلافت نہیں چاہتے تھے۔ بنو امیہ قریش تھے۔ انہیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور یہی ارباب اقتدار تھے، اس لیے انہی میں سے ولی عہد چنا گیا اور جو بظاہر خلافت کے اہل تھے انہیں نظر انداز کر دیا گیا تا کہ مسلمانوں کے اتفاق واتحاد میں جو شارع کے نزدیک نہایت اہم ہے خلل نہ آئے اور ملک میں انتشار نہ پھیلے۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبت رسالت کا یہی تقاضا ہے الخ

(ابن خلدون مترجم جلد دوم ص ۲۷)

(۲) یزید کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے مؤرخ ابن خلدون لکھتے ہیں:

جب یزید فسق وفجور میں مبتلا ہوا تو صحابہ کرام نے اس

کے بارے میں مختلف رائیں قائم کیں۔ کسی نے اس کی بیعت توڑ کر اس سے جنگ کا ارادہ کرلیا جیسا کہ امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے اور ان کے ماننے والوں نے کیا لیکن بعض یہ سوچ کر جنگ کے ارادے سے باز رہے کہ اس سے ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور ناحق لوگوں کا کثرت سے خون ہوگا۔ علاوہ ازیں یزید کا مقابلہ بھی آسان نہ تھا کہ اسے نبھایا جاسکے کیونکہ اس وقت یزید برسر اقتدار تھا اور اس کی حمایت میں بنو امیہ ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔ علاوہ ازیں قریش کے اہل حل وعقد بھی اس کی حمایت کے لیے تیار تھے اور مفیر کا سارا قبیلہ جو سب سے زیادہ طاقتور تھا یزید ہی کے ساتھ تھا جس کے مقابلے کی ان میں تاب نہ تھی۔ چنانچہ یہ لوگ بیعت توڑنے سے اور بغاوت کرنے سے رکے رہے اور اللہ سے اس کی ہدایت کی دعائیں مانگتے رہے پھر اس سے نجات کی۔ مسلمانوں کی جمہوریت اسی خیال کی تھی۔ دونوں جماعتیں مجتہد تھیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی برا نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی اور تلاش حق کے لیے کوشاں تھے۔ ان مقاصد میں ان کی مساعی لوگوں میں مشہور معروف ہیں۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ (مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۳۰ وعربی متن ج ۱ ص ۲۱۲)

(۳) اسی سلسلے میں علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

مگر حضرت حسینؓ (کا معاملہ یہ ہے کہ) جب اس دور کے تمام لوگوں کے نزدیک یزید کا فسق ظاہر ہوگیا تو کوفہ سے اہل بیت کے حامی لوگوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں تشریف لے جائیں تو وہ ان کے مقصد کو قائم کرلیں گے۔ (اس وجہ سے) حضرت حسینؓ کی یہ رائے ہوئی کے یزید کے فسق کی وجہ سے

اس کے مقابلہ میں نکلنا تو متعین ہوگیا ہے اور خصوصاً جب کہ آپ کو اس پر طاقت بھی حاصل ہے اور آپ نے اپنے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ اس کی اہلیت بھی رکھتے ہیں اور آپ کے پاس اس کے لیے قوت اور شوکت بھی ہے مگر اہلیت تو اس سے بھی زیادہ تھی جس کا آپ کو گمان تھا لیکن طاقت وشوکت کا اندازہ لگانے میں آپ سے غلطی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں کیونکہ مضر کی عصبیت قریش میں تھی اور عبد مناف کی عصبیت بنی امیہ میں تھی (اس لیے یزید کی طاقت کا مقابلہ اس وقت نہیں ہوسکتا تھا۔'' (ایضاً مقدمہ ابن خلدون)

(۴) نیز لکھتے ہیں:

تجھ پر حضرت حسینؓ کی غلطی ظاہر ہوگئی ہے مگر یہ غلطی دنیوی امر میں تھی جو آپ کے لیے مضر نہیں ہے لیکن حکم شرعی میں آپ نے کوئی غلطی نہیں کہ کیونکہ وہ آپ کے اپنے گمان پر موقوف ہے اور آپ کا اپنا گمان یہ تھا کہ آپ کو یزید کے مقابلہ پر قدرت حاصل ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور آپ کے بھائی حضرت محمد بن حنیفہ وغیرہ نے کوفہ جانے میں آپ کا ساتھ نہ دیا اور اس میں انہوں نے آپ کو غلطی پر سمجھا۔ اس وجہ سے کہ ان کو کوفیوں کی وفاداری اور طاقت پر اعتماد نہ تھا اور اس میں حضرت حسینؓ نے اندازہ غلط لگایا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے صحابہؓ یزید کو عادل اور صالح خلیفہ سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے حضرت حسینؓ سے اختلاف کیا اور حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی یہی مشیت تھی اور دیگر صحابہ کرامؓ جو حجاز میں اور شام وعراق میں یزید کے پاس تھے اور ان کو ماننے والے اس پر متفق تھے کہ اگرچہ وہ فاسق ہے جنگ ناجائز ہے کیونکہ جنگ باعث فتنہ وخوں ریزی ثابت ہوگی۔ چنانچہ وہ جنگ سے باز رہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں امام حسینؓ کی موافقت کا اظہار کیا اور نہ مخالفت کا اور نہ انہیں خطا کار دو

گنہگار گردانا۔ کیونکہ امام حسینؓ نہ صرف مجتہدوں کے لیے امام نمونہ تھے۔ یہ خیال کر کے گمراہ نہ ہو جانا کہ چونکہ ان صحابہؓ نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا اور ان کی مدد نہیں کی اس لیے یہ گناہگار ہیں۔ کیونکہ صحابہؓ کی کثرت یزید ہی کے ساتھ تھی اور وہ یزید کی بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ خود امام حسینؓ اپنی فضیلت اور استحقاق خلافت پر کربلا میں انہی صحابہ کرامؓ کو بطور شہادت پیش کیا کرتے تھے کہ میرے فضل و استحقاق کے بارے میں جابر بن عبداللہ ۔ابوسعید خدری۔ انس بن مالک، سہل بن سعید۔ زید بن ارقم وغیرہ سے پوچھ لو۔ آپ نے اپنا ساتھ نہ دینے پر ان پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔ نہ آپ نے ان سے مدد کی درخواست کی کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ ان کا اجتہاد میرا ساتھ نہ دینے پر مجبور کر رہا ہے اور میرے اجتہاد کا تقاضا جنگ ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل پیرا ہے الخ (مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۳۵۔۳۶)

تبصرہ

ابن خلدون کی مندرجہ عبارات نقل کرنے کے بعد بندہ نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۲۹۸ پر جو تبصرہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

علامہ ابن خلدون صرف مورخ نہیں بلکہ ایک فاضل محقق بھی ہیں جن پر ان کا فاضلانہ مقدمہ ابن خلدون گواہ ہے اور خود (محمود احمد) عباسی صاحب بھی ان الفاظ میں ان کو خراج تحسین پیش کر چکے ہیں کہ: ایک منفرد مثال ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں مشہور و وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پر کھنے کی کوشش کی الخ (خلافت معاویہؓ و یزید طبع چہارم ص ۴۷)

علامہ ابن خلدون اپنے اسی شہرہ آفاق مقدمہ میں یزید کی ولی عہدی کو جائز قرار دینے کے باوجود بھی اس کو فاسق قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ یزید

کے فاسق ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق تھا۔ اختلاف صرف اس بارے میں تھا کہ طاقت سے اس کا مقابلہ کرنا ناجائز ہے یا نہیں۔ حضرت حسینؓ طاقت سے اس کو معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کا پروگرام یہ تھا کہ کوفہ کو مرکز بنا کر ایک متحدہ طاقت سے کام لے کر اس کے اقتدار کو ختم کر دیا جائے لیکن اس میں انہوں نے کوفیوں پر اعتماد کرنے میں غلطی کی اور گو دوسرے صحابہ کرام بھی یزید کو صالح وعادل نہیں مانتے تھے لیکن ان کا اندازہ یہ تھا کہ طاقت سے یزید کو اقتدار سے ہٹانا آسان نہیں۔ اس سے قتال کرنے میں جو باہمی خونریزی ہوگی وہ مصیبت مسلمانوں کے لیے زیادہ ہے بہ نسبت اس کے کہ دور فتنہ کے احکام کے تحت اس کی حکومت کو برداشت کرلیا جائے۔ یہ صحابہ کرام کا اجتہادی اختلاف تھا۔ علامہ ابن خلدون کا تبصرہ بہت معتدل اور فاضلانہ ہے۔ اس میں صحابہ کرام کے کسی فریق کی تنقیص وتوہین لازم نہیں آتی۔

حضرت نانوتویؒ کا ارشاد

اور ہمارے اکابر حضرات کی یہی تحقیق ہے اور انہوں نے ہر پہلو پر نظر کر کے یہ مسلک حق اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند (متوفی ۱۲۹۷ھ) شہادت حضرت حسینؓ کی تفصیلی بحث میں فرماتے ہیں:

ہاں پس از انتقال اوشاں یزید پائے خود از شکم برآور دو دل بکام دوست بجام سپرد۔ اعلان فسق نمود ترک صلوٰۃ داد۔ بحکم بعض مقدمات سابقہ قابل عزل گردید الخ

(ترجمہ) ہاں ان (یعنی حضرت معاویہؓ) کے انتقال کے بعد یزید نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور دل کو خواہش اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گیا۔ فسق کھلم

کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔ بعض سابقہ تمہیدوں کی بنا پر معزول کر دینے کے قابل ہو گیا اور یزید کے اس قسم کے حالات کی تبدیلی کا بیان کرتا آیا ہوں کیونکہ ممکن ہے محال نہیں مگر اس وقت اہل رائے کی رائے اور تدبیر مختلف ہو گئی جس کسی کو فتنہ وفساد کا اندیشہ غالب نظر آیا اس نے مجبوراً بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور معصیت سے بچنے کے لیے نیکی کی پیروی کرنے کی شرط کو درمیان میں رکھا لیکن جس شخص یعنی حضرت امام حسینؓ کو بڑی جماعت کے وعدے پر غلبہ اور شوکت کی امید نظر آئی وہ ان کے لیے کھڑا ہو گیا اور جنگ کا عزم کر لیا۔ پس جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ حضرت سید الشہداء (امام حسینؓ) نے کیا وہ بالکل حق وصواب کیا۔ اس اختلاف کی بنیاد اُمیدِ غلبہ وعدم غلبہ پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے کے اختلاف پر۔ مگر انجام کار کوفیوں کی وعدہ خلافی کی وجہ سے حضرت سید الشہداء (امام حسین) رضی اللہ عنہ کی تدبیر فیل ہو گئی اور ۱۰ محرم کو قیامت سے پہلے میدان کربلا میں قیامت برپا ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (قاسم العلوم ص ۱۷۵۔ ترجمہ از مولانا محمد انوار الحسن صاحب شیرکوٹی فاضل دیوبند۔ مولوی فاضل پروفیسر اسلامیہ کالج لائل پور) شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ نے حضرت نانوتویؒ کے اس مضمون کے اقتباسات اپنے مکتوب میں درج کر دیے ہیں۔ ملاحظہ ہو مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول مکتوب ۸۹) (خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۲۹۹۔۳۰۰)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وفی ھذا الحدیث وجوب طاعته الامام الذی انعقدت له البیعته والمنع من الخروج علیه ولو جار فی حکمه وانه لا ینخلع بالفسق (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۶۱)

اس حدیث سے اس امام (خلیفہ) کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے جس کی بیعت منعقد ہو چکی ہو اور اس کے خلاف خروج کی بھی ممانعت ثابت ہوتی ہے اگر چہ وہ اپنے حکم میں ظالم بھی ہو اور وہ فاسق ہو جانے کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا۔

(۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں:

یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہؓ نے جائز سمجھا حضرت امام حسینؓ نے ناجائز سمجھا۔ باقی یزید کو اس قتال میں اس لیے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا خصوصاً جب کہ حضرت امام آخر میں فرمانے لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا اس کو تو عداوت ہی تھی۔ الخ

(امداد الفتاویٰ جلد چہارم ص ۲۶۵)

خلاصہ بحث

اکابر اہل سنت کی مندرجہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ یزید کے فسق پر اتفاق ہے جیسا کہ ابن خلدون نے تصریح کر دی ہے اور یزید کی بیعت کے بارے میں جو صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض صحابہ یزید کو صالح کہتے تھے۔ اور بعض اس کے فسق کے قائل تھے بلکہ صحابہؓ کے مابین اجتہادی اختلاف تھا۔ بعض کے نزدیک فاسق ہونے کی وجہ سے خلیفہ معزول ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک وہ معزول نہیں ہوتا اور اس کی بیعت توڑنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث سے اپنا استدلال پیش فرمایا۔ اسی اجتہادی اختلاف کی بنا پر حضرت حسینؓ نے یزید سے قتال کا ارادہ فرمایا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ کوفیوں کی حمایت سے وہ ایک متحدہ طاقت بنا کر یزید کے مقابلے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن کوفیوں کی غداری کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے اور دوسرے صحابہ کرام یہی سمجھتے

تھے کہ یزید کو اتنی قوت حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کا مقابلہ مشکل ہے۔ اس لیے انہوں نے یزید کیخلاف خروج نہیں کیا۔ بیعت خلافت کے بعد کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حادثہ کربلا، واقعہ حرّہ اور محاصرہ مکہ اور قتال حضرت ابن زبیرؓ کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے کہ یزید چونکہ صالح وعادل ہے اس لیے اس کے خلاف خروج جائز نہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب درویش اور حکیم محمود احمد صاحب ظفر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے یزید کے بارے میں فرمایا تھا کہ: ان (یعنی حضرت معاویہؓ) کا بیٹا یزید ان کے خاندان کا نیک آدمی (صالح اھل) ہے۔ وان ابنہ لخیر اھلہ (یعنی وہ اپنے خاندان کا اچھا آدمی ہے" (نقیب ختم نبوت ص ۲۵۔ ۲۶ ماہ جون ۱۹۹۰ء) اور کتاب سیدنا معاویہؓ جلد اول ص ۴۸۹)

الجواب (۱) یزید کا اپنے گھر والوں کی نسبت بہتر یا صالح قرار دینے کا کیا مطلب ہے۔ اگر وہ شرعاً یزید کو صالح سمجھتے تھے تو یہ فرماتے، انہ صالح۔ گھر والوں کی نسبت بہتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان میں سے خلافت کی صلاحیت رکھتا ہے یعنی نظام حکومت سنبھال سکتا ہے۔ اگر حضرت ابن عباسؓ یزید کو اس طرح صالح اور دیندار سمجھتے جس طرح درویش صاحب اور حکیم صاحب منوانا چاہتے ہیں تو آپ ولی عہدی کی بیعت سے کیوں انکار کرتے۔ اب تو آپ حالات کے تحت یزید کی بیعت کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ کی یہ رائے یزید کی بیعت کے شروع زمانہ میں تھی لیکن جب اقتدار پر فائز ہو کر اس کے فاسقانہ افعال ظاہر ہوئے تو پھر آپ نے اصحاب مدینہ کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ یزید صالح وعادل ہے حالانکہ مدینہ منورہ کے صحابہ کرام اور تابعین نے بالاتفاق اس کو تارک نماز اور شراب پینے والا قرار دیا ہے مگر نہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کی تردید کی اور حضرت ابن عمرؓ نے۔ باقی رہا حضرت محمدؒ بن حنفیہ کا یزید کو متبع سنت وغیرہ قرار دینا تو یہ روایت

ہی قابل اعتماد نہیں ورنہ حافظ ابن کثیر یزید کو کیوں فاسق قرار دیتے یا پہلے وہ ایسا تھا بعد میں بگڑ گیا۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ نے یزید کو انه لخير اهله فرمایا ہے لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قال ابو زرعه دمشقی معاویه وعبدالرحمن وخالد اخوه و كانوا من صالحی القوم (ابدایه والنهایه ج ۸ ص ۲۳۷) حضرت ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں۔ عبدالرحمٰن اور خالد یزید کے بھائی ہیں اور وہ قوم کے صالحین میں سے تھے۔"

اور حافظ ابن کثیر معاویہ بن یزید بن معاویہؓ کے ترجمہ (یعنی حالات زندگی) میں لکھتے ہیں:

كان رجلاً صالحاً ناسكاً (ایضاً ص ۲۳۷) وہ ایک صالح اور عابد آدمی تھا۔

لیکن یہی حافظ ابن کثیر یزید کے بارے میں لکھتے ہیں:

بل قد كان سفأو الفاسق لايجوز خلعه لاجل مايثور بسبب ذلک من الفتنه ووقوع الهرج كما وقع زمنّ الحرة (ایضاً ص ۲۳۲) بلکہ وہ فاسق تھا اور فاسق کی بیعت توڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے فتنہ ابھرتا ہے اور جنگ واقع ہوتی ہے جیسا کہ واقعہ حرہ کے زمانے میں ہوا"۔ فاسق کو معزول کرنے یا نہ کرنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اور صحابہ کرام میں بھی یزید کے بارے میں اختلاف ہوا تو جو صحابہ فاسق کے معزول کرنے کو ناجائز قرار دیتے تھے وہ اسی بنا پر تھا کہ ملک میں خانہ جنگی ہوگی اور زیادہ فتنہ پیدا ہوگا لیکن اس رائے کے باوجود واقعہ حرہ کے موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ یزید عادل وصالح ہے۔ اگر حکیم ظفر

صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب کے پاس کوئی ثبوت ہے تو پیش کریں۔ محض یزید کی مفروضہ مدح سرایوں اور مبالغہ آرائیوں سے تو وہ صالح و عادل ثابت نہیں ہو سکتا۔ الیس منکم رجل رشید۔

یزید کا دور خلافت راشدہ کا دور تھا (حکیم ظفر)

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی بارہ خلفاء والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب یہ نیک دل اور صالح بارہ خلفاء جن کے دور حکومت میں اسلام عزیز اور مستحکم ہوگا اور ان کا نظام حکومت قرآن وسنت کے مطابق ہوگا اور دنیا میں ہر جانب رشد و ہدایت اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا وہ ہیں کون۔ ملا علی قاری جو ایک مشہور محدث اور فقیہ ہیں اس حدیث کے بارہ خلفاء کی تعین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: فالاثنا عشر هم الخلفاء الراشدون الاربعته ومعاویته وابنه یزید و عبدالملک بن مروان واولاده الاربعته وبینهم عمر بن عبدالعزیز۔ بارہ خلفاء سے مراد سیدنا ابوبکر۔ سیدنا عمر۔ سیدنا عثمان۔ سیدنا علی۔ سیدنا معاویہ۔ یزید بن معاویۃ۔ سیدنا عبدالملک بن مروان۔ ولید بن عبدالملک۔ سلیمان بن عبدالملک۔ یزید بن عبدالملک ہشام بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز ہیں (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۴۔ شرح عقیدہ الطحادیۃ ص ۵۵۳ فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۲) ملا علی قاری کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ راشد تھے اور خلافت راشدہ صرف چار خلفاء میں محدود نہیں بلکہ بہت سے خلفاء ہیں جن کی تعداد ۱۲ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے الخ (سیدنا معاویۃ ج ۲ ص ۲۶۱)

الجواب:۔ (۱) حکیم صاحب نے یزید سمیت مذکورہ ۱۲ خلفاء کی خلافت کو

خلافت راشدہ ثابت کیا ہے۔انہوں نے ملا علی قاری حنفیؒ کی منقولہ بالا عبارت کا ترجمہ کرنے میں علمی خیانت سے کام لیا ہے حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ: پس بارہ خلفاء وہ چار خلفائے راشدین ہیں اور معاویہ اور آپ کا بیٹا یزید الخ۔ علامہ علی قاریؒ نے ان ۱۲ میں سے صرف چار خلفاء کو خلفائے راشدین قرار دیا ہے اور یہاں ان کے نام بھی نہیں لکھے کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ چار خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق حضرت عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں اور ان چار خلفاء راشدین کی تصریح کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں۔و معاویتہ و ابن یزید اور حضرت معاویہؓ کو بھی علامہ علی قاری نے خلفاء راشدین میں شمار نہیں کیا چہ جائیکہ یزید بن معاویہ کو خلفاء راشدین میں شمار کرتے اور حکیم صاحب اس کے باوجود یہ لکھ رہے ہیں کہ: ملا علی قاری کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ راشد تھے'' ۔حکیم صاحب نے یہ کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے حالانکہ ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت میں کوئی ایک لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ ان کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں اور پھر ملا علی قاری کی ہی عبارت سے یہ ثابت کرنا کہ یزید وغیرہ باقی خلفاء بھی سب خلیفہ راشد تھے یہ مجموعہ کذب وافترا ہے۔

(۳) حکیم صاحب ان بارہ خلفاء کی یہ صفت بیان کرتے ہیں کہ: یہ نیک دل اور صالح بارہ خلفاء جن کے دور حکومت میں اسلام عزیز اور مستحکم ہوگا الخ لیکن وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ: اب تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالیے تو پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمان کی شہادت کے بعد امت تشتت وافتراق کا شکار ہوئی اور بجائے دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد کرنے کے مسلمان خود آپس میں جدال وقتال کرنے لگے اور جمل وصفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا قیمتی خون پانی کی طرح

بہا اور اسلام کی ترقی کا ستارہ غروب ہونے لگا آخر 6/5 سال کی بدنظمی اور افراتفری کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت میں تمام امت نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد شروع کیا اور اسلام کی ترقی کا وہی دور شروع ہوا جو سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت اور ان سے پہلی خلافتوں کے دور میں تھا الخ (ایضاً ص ۲۵۸) فرمایئے۔ حکیم صاحب بارہ خلفاء والی حدیث کے تحت تو لکھتے ہیں کہ: بارہ خلفاء جن کے دور حکومت میں اسلام عزیز اور مستحکم ہوگا اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کے دور خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: جمل اور صفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا قیمتی خون پانی کی طرح بہار اور اسلام کی ترقی کا ستارہ غروب ہونے لگا۔ تو جب آپ کے نزدیک حضرت علیؓ کے دور میں اسلام کی ترقی کا ستارہ غروب ہونے لگا تو پھر آپ علی المرتضیٰ کو کیونکر ان بارہ خلفاء میں شامل کر سکتے ہیں جن کے دور میں اسلام کی ترقی ہو گی۔

(۲) حکیم صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ سنن ابی داؤد میں جابر بن سمرہ کی اس روایت میں ان بارہ خلفاء کی ایک خاص صفت منقول ہے کہ: **کلھم تجتمع علیه الامة** ان سب پر امت جمع ہو گی (سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۴ ص ۱۷۰) (ایضاً سیدنا معاویہ ص ۲۵۸) لیکن اس کے برعکس معاویہؓ کی خلافت سے حضرت علیؓ کی خلافت کا موازنہ کرتے ہوئے حکیم صاحب لکھتے ہیں:

اس کے مقابلہ میں سیدنا علی کی بیعت سے اکثر صحابہ نے گریز کیا۔ (خطط الشام ج ا ص ۱۳۶) جن میں سیدنا اسامہ بن زید۔ سیدنا ابو سعید الخذری.... اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ وغیرھم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاخط ہوا البدایہ دالنہایہ ج ۷ ص ۲۲۶۔ المحاضرات للخضری ج ۲ ص ۳۴۷ وطبری وغیرہ

)(ایضاً ص ۲۶۰)

ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کی پیش کردہ حدیث میں ان بارہ خلفاء کی یہ صفت منقول ہے کہ کہ ''ان پر امت مجتمع ہوگی'' لیکن اس کے برعکس بقول آپ کے اکثر صحابہ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت سے گریز کیا'' تو پھر آپ حضرت علیؓ کو ان بارہ خلفاء میں کیونکر داخل کرسکیں گے۔اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بظاہر تو حضرت علیؓ کو ان بارہ خلفاء میں شمار کردیا ہے لیکن دل سے آپ ان کو ان بارہ خلفاء کا مصداق نہیں قرار دیتے۔۔۔

(۴) اگر **تجتمع علیہ الامۃ** سے آپ کی مراد ساری امت کا اجتماع ہے تو اس حدیث کا مصداق یزید بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس کی ولی عہدی سے تو پانچ جلیل القدر صحابہ کرام نے اختلاف کیا تھا اور پھر بیعت خلافت کے بعد بھی حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما آخر تک مخالف رہے۔کوفہ والوں نے بھی اس کی بخوشی بیعت نہیں کی اور پھر حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ کے صحابہ اور تابعین نے اس کی بیعت توڑ دی جس کے نتیجہ میں حادثہ حرہ پیش آیا جس میں یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ کے ہاتھوں کتنے صحابہ اور تابعین شہید ہوئے اور بعض صحابہ کو تو زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور پھر یزیدی فوج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں مکہ معظّمہ پر حملہ کیا اور بیت اللہ کو نقصان پہنچایا۔تو کیا اجتماع امت اسی کا نام ہے؟ اور علامہ ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں: **لکنتہ مات وابن الزبیرؓ ومن بایعہ بمکتہ خارجون عن طاعتہ لم یتول علی جمیع بلاد المسلمین** (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۳۹) لیکن یزید نے وفات پائی تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مکہ میں جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی اس کی اطاعت سے خارج تھے اور مسلمانوں کے تمام شہروں میں اس کے حکومت نہیں تھی۔

یزید کو خلیفہ راشد ماننا جاہلوں کا عقیدہ ہے:

یزید کے بارے میں ابن تیمیہؒ بعض جاہل کردوں کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وان اعتقد مثل ھذا بعض الجھال کما یحکی عن بعض الجھال من الاکراد و نحوھم انه یعتقد ان یزید من الصحابته وعن بعضھم انه من الانبیاء وبعضھم یعتقدانه من الخلفاء الراشدین المهد فھوآلاء طیسوا من اھل العلم الذین یحکی قولھم الخ اور اگر اس قسم کا اعتقاد بعض جاہلوں کا ہے جیسا کہ کردوں میں سے بعض جاہلوں کا یہ عقیدہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید صحابہ میں سے تھا اور بعض کے نزدیک وہ انبیاء میں سے ہے اور بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خلفاء راشدین مہدیین میں سے ہے تو یہ لوگ علماء میں سے نہیں ہیں جن کا قول قابل ذکر ہوتا ہے الخ (القیاص ۲۳۸)

اب قارئین حضرات بلکہ قاضی شمس الدین صاحب درویش ہی خود فیصلہ کر لیں کہ حکیم محمود احمد ظفر صاحب کو کس کھاتے میں شمار کیا جائے۔ عبرت. عبرت

(۵) آپ نے لکھا ہے کہ: ان بارہ خلفاء نظام حکومت قرآن وسنت کے مطابق ہوگا اور دنیا میں ہر جگہ رشد و ہدایت اور عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا الخ۔

ایک سوال: ۔سوال یہ ہے کہ آپ کے ہمنوا اور مقتدا محمود احمد عباسی نے بھی حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کے حوالے سے یہ تسلیم کیا ہے کہ یزید کے حرم میں سلامہ نامی ایک مغنیہ (گانے والی) تھی جس کا احوص کے ساتھ معاشقہ تھا۔ یزید ساری رات جاگ کر ان کی ملاقات دیکھتا رہا پھر اس نے ان دونوں کو انعام سے نوازا۔ (۲) شکار کا بڑا ماہر تھا۔ چیتے بھی پالتا تھا اور گھوڑے کی پیٹھ پر چیتا بیٹھ جاتا تھا

جو اس کو چلاتا تھا۔ حافظ ابن کثیر کی تحقیق کے مطابق یزید نماز کا بھی پابند نہیں تھا اور اصحاب مدینہ کے نزدیک وہ شراب کا بھی عادی تھا، تو فرمایئے حکیم صاحب! کہ کیا یزید کے یہ سب منکر افعال رشد ہدایت ہی کے جلوہ گاہ ہیں۔ (۵) بارہ خلفاء والی حدیث کے الفاظ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے اس کا مفہوم اور مصداق متعین کرنے میں بھی محدثین کا اختلاف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس کی تفصیل دی ہے۔ ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ بارہ خلفاء سے مراد صرف بنوامیہ کے خلفاء ہیں بعض نے کہا ہے کہ بارہ خلفاء میں تسلسل نہیں ہوگا اور فتح الباری میں جو نام خلفاء کے درج ہیں ان میں گو حضرت معاویہؓ کے بعد یزید کا نام بھی ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے خلفاء راشدین میں صرف پہلے چار خلفاء ہی کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ **فهولآء سبعته بعد الخلفاء الراشدين. يعني** خلفاء راشدین کے بعد حضرت معاویہؓ سمیت سات خلفاء ہیں اور بارہواں خلیفہ انہوں نے ولید بن یزید بن عبدالملک کو قرار دیا ہے۔ (٦) اگر یزید کو بھی حکیم صاحب خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں اور حسب حدیث نبوی خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع بھی لازم ہے تو پھر آپ یزید کی اتباع میں اپنے گھر میں مغنیات (موسیقار) بھی رکھیں۔ کتوں اور چیتوں کا شکار بھی کھیلیں وغیرہ محض کاغذ پر یزید کو خلیفہ راشد ماننے سے آپ کو عملاً کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ (۷) حیرت ہے کہ حکیم صاحب محدث قاری حنفیؒ کی عبارت سے یزید کو خلیفہ راشد منوا رہے ہیں حالانکہ حنفی محدث موصوف کے نزدیک یزید فاسق اور ظالم تھا۔ چنانچہ وہ ظالم اور فاسق امام (خلیفہ) کو معزول نہ کرنے کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **لاشک انهم كانوا خائفين من نحويزيد والحجاج وابن زياد ولم يكس تيمشى الخروج حينئذٍ على ارباب العنادبل كان يترتب عليه امور احق من العناد**

ولما کان ابن عمرؓ یمنع ابن الزبیرؓ وینھاہ عن دعوی الخلافتہ مع انہ کان احق واولی بھامن امرآء الجور بلاخلاف. (شرح فقہ اکبر ص۱۸۱)اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (یعنی اکابر) یزید۔حجاج اور ابن زیاد جیسے امراء سے خوف رکھتے تھے اور ان حالات میں ارباب عناد کے مقابلے میں خروج کرنا کامیاب بھی نہیں ہوسکتا تھا بلکہ خروج پر اور دوسرے مفاسد کے واقع ہونے کا خطرہ تھا۔اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ان کے دعوٰی خلافت سے منع کرتے تھے۔باوجود اس کے کہ بلا اختلاف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان ظالم امراء (یعنی یزید۔حجاج۔ابن زیاد) سے خلافت کے زیادہ حق دارا ور بہتر تھے۔'' بہرحال علامہ علی قاری حنفی محدث یزید کو ظالم اور فاسق حکمرانوں میں شمار کرتے ہیں لیکن حکیم صاحب موصوف انہی کی عبارت سے اپنے جہل یا یزیدی محبت کی وجہ سے اس کو خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں۔بسوقت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیت

(۸)علامہ علی قاری حنفیؒ تو حضرت معاویہؓ کو بھی خلفاء راشدین میں شمار نہیں کرتے بلکہ ان کو ملوک میں شمار کرتے ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں:فتبین ان معاویتہ ومن بعدہ لم یکونو اخلفاء بل ملوکاًو اقراء الخ (ص۷۹)پس ظاہر ہوگیا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے بعد کے حکمران خلفاء نہ تھے بلکہ ملوک اور امراء تھے۔

(۹)جنگ جمل اور صفین پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ علی قاری محدثؒ لکھتے ہیں۔ثم کان معاویتہ مخطبا الا انہ فعل مافعل عن تاویل فلم یصسر فاسقاً واختلاف اھل السنتہ والجماعتہ فی تسمیتہ باغیاً فمنھم من امتنع من ذالک رایصح من اطلق لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لقمار تقتلک الفئۃ الباغیتہ وکان علیاً مصیباًفی التحکیم وزعمت

الخوارج انہ کان مخطیافیہ وقد کفر اذا لواجب فی اھل البغی المحاربتہ الخ (شرح فقہ اکبر ص ۸۲)۔ پھر حضرت معاویہؓ (جنگ صفین) میں خطا کرنے والے تھے مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کی بنا پر کیا اس لیے وہ فاسق نہیں ہوئے اور اہل السنّت والجماعت نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ پر لفظ باغی کا اطلاق جائز ہے یا نہیں۔ بعض نے اس سے اجتناب کیا ہے لیکن جنہوں نے آپ پر لفظ باغی کا اطلاق کیا ہے صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ بن یاسر سے فرمایا کے تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور حضرت علیؓ حکمین کے بارے میں صواب پر تھے اور خوارج کا گمان یہ ہے کہ حکمین تسلیم کرنے کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے کیونکہ باغیوں سے جنگ کرنا آپ پر واجب تھا الخ مندرجہ عبارت سے واضح ہوا کہ علامہ علی قاری حنفیؒ کے نزدیک حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں حضرت معاویہؓ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے اور آپ پر لفظ باغی کا اطلاق صحیح ہے اب حکیم ظفر صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب درویش ہی بتائیں کہ کیا علامہ علی قاری حنفیؒ محدث (جو مشکٰوۃ شریف کے شارح بھی ہیں) سبائی تھے؟ اور بھی کئی اکابر اہل السنّت نے حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ کرنے میں حضرت معاویہؓ کو صورتاً باغی قرار دیا ہے۔ اور اس میں حامیان یزید کے نزدیک میرا جرم یہ ہے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو صورتاً باغی قرار دیا ہے نہ حقیقتاً۔ کیونکہ آپ مجتہد تھے اور اجتہادی خطا میں بھی مجتہد کو جب حدیث بخاری ایک درجہ ثواب ہی ملتا ہے۔ میں نے تو اس میں حضرت معاویہؓ کا دفاع کیا ہے اور سبائی عقیدہ کی تردید کی ہے لیکن یزیدی ٹولہ اس کو حضرت معاویہؓ کی توہین قرار دیتا ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

یزید بارہ خلفاء میں شامل نہیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اثنا عشر امیراُ والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

ویزید بن معاویہؓ خود ازیں میان ساقط است بجہت عدم استقرار مدت معتد بہا و سوء سیرت او رو اللہ اعلم (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۲۴۱ ۔ ناشر فقیر اللہ اینڈ سنز قصہ خوانی بازار پشاور) اور یزید بن معاویہؓ ان (بارہ خلفاء) کے درمیان سے ساقط ہے بوجہ اس کے کہ معتد بہ مدت تک اس کی سلطنت مضبوط نہیں ہوتی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بری سیرت رکھتا تھا۔ واللہ اعلم۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حدیث اثنا عشر خلیفہ مختلف راویوں سے مختلف الفاظ میں مروی ہے۔ اس لیے محدثین میں بھی اس کے متعدد پہلوؤں کی وجہ سے ان بارہ خلفاء کی تعیین میں اختلاف ہو گیا ہے۔ علامہ علی قاری محدث نے بارہ خلفاء میں یزید کو صالح اور راشد سمجھ کر شامل نہیں کیا بلکہ اس بنا پر شامل کیا ہے کہ وہ صاحب سلطنت تھا۔ اس کے پاس تلوار کی قوت تھی۔ وہ اپنے ماتحت حاکم بھی مقرر کر سکتا تھا اور ان کو معزول بھی کر سکتا تھا۔ اور خلیفہ کا اطلاق ایسے حکمرانوں پر بھی مجازاً ہوتا تھا خواہ شخصی طور پر وہ کیسے ہی ہوں۔ چنانچہ خود علامہ علی قاری لکھتے ہیں۔ **والا ظهر ان اطلاق الخليفته على الخلفاء العباسيته كان على المعنى اللغوى المجازيته العرفية دون الحقيقة الشرعيته** (شرح فقہ اکبر ص ۷۹) یعنی یہ بات بہت ظاہر ہے کہ عباسی خلفاء پر لفظ خلیفہ کا استعمال کرنا لغوی، مجازی اور عرفی معنی پر مبنی ہے نہ کہ شرعی حقیقی معنی پر۔ اور علامہ ابن تیمیہ بھی یزید وغیرہ ملوک پر خلیفہ کا اطلاق کرنے کی بحث میں فرماتے ہیں کہ: **فاهل السنته اذا اعتقدوا امامة الواحد من هولآء يزيد اوعبدالملک اور المنصور اوغيرهم كان بهذا الاعتبار** الخ (منہاج

السنۃ ج ۲ ص ۲۴۰) اہل السنّت اگر یزید یا عبدالملک یا منصور وغیرہ کسی کے متعلق امامت (خلافت) کا اعتقاد رکھتے ہیں تو اس اعتبار سے کہ وہ صاحب سلطنت تھے"۔اس مسئلہ پر ابن تیمیہؒ نے مفصل بحث کی ہے (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۳۳۵ تا ۳۴۲)

ابن حنظلہؓ اور ابن مطیعؓ باغیوں کے قائد تھے، حکیم ظفر

حکیم محمود احمد ظفر موصوف واقعہ حرہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"مدینہ منورہ میں عبداللہ بن مطیع اور عبداللہ بن حنظلہ یزید کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی قیادت کر رہے تھے الخ (سیدنا معاویہؓ ج ۲ ص ۱۹۳)

تبصرہ: حضرت عبداللہ بن مطیع اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔حضرت ابن حنظلہؓ کے لیے ملاحظہ ہو۔الاکمال فی اسماء الرجال ۔۲۔تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۹۳ (۳) اُسد الغابہ فی معرفتہ الصحابتہ ج ۳ لابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ (۴) الاصابہ فی تمییز الصحابتہ لابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۲۹۹ (۵) الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب (لحافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ) ص ۲۶۸ اور حضرت عبداللہ بن مطیع کا صحابی ہونا بھی انہی کتابوں سے ثابت ہے۔

لیکن نہ محمود احمد عباسی نے اور نہ حکیم محمود احمد ظفر نے ان حضرات کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے جنگ ۶۳ھ میں حضرت عبداللہ بنؓ حنظلہ غسیل ملائکہ اپنے آٹھ بیٹوں سمیت شہید ہوئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مطیع کے بھی سات بیٹے اس میں شہید ہوئے ہیں اور وہ خود جنگ کے دوران بچ کر نکل گئے اور مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچ گئے تھے اور پھر وہاں حجاج بن یوسف کے دور میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا ہے۔لیکن یہ حُبِ یزید

بھی عجیب مرض ہے کہ یزید کے مقابلہ میں حکیم صاحب مذکورہ دونوں صحابیوں کو نہ صرف باغی بلکہ باغیوں کے قائد قرار دے رہے ہیں العیاذ باللہ۔ اب قاضی شمس الدین درویش ہی بتائیں کہ واقعہ حرّہ میں ان تمام صحابہ کرامؓ کو باغی قرار دنیا کیا شرف صحابیت کی توہین نہیں جو یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور اگر اکابر امت نے قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے لیے باغی کا لفظ استعمال کیا ہے تو چیخ و پکار سے آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ کیا مدینہ منورہ کے صحابہ کرامؓ کو یزید کے مقابلہ میں باغی اور باغیوں کے قائد کہنے پر قاضی شمس الدین درویش حکیم محمود ظفر کا سبائی کہنے کی جسارت کر سکیں گے!!!؟

مسئلہ نامزدگی اور حکیم صاحب

یہ بحث پہلے گزر چکی ہے کہ کوئی خلیفہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دے تو شرعاً جائز ہے لیکن قاضی شمس الدین صاحب اور حکیم محمود احمد صاحب ظفر نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں مقدمہ ابن خلدون کی عبارت سے جو نتیجہ اخذ کیا تھا وہ بالکل غلط تھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے اب حکیم صاحب کی ایک اور نادر تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں: اگر سیدنا ابو بکرؓ کے سیدنا عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے امّت وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں اور سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو نامزد کرنے سے اُن کی خلافت کو صحیح خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے یزید کو نامزد کرنے سے یزید کی خلافت کو صحیح نہیں مانا جاتا بلکہ سیدنا معاویہؓ کو بھی اعتراضات کا ہدف بنایا جاتا ہے لیکن اسلام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے بالکل یزید کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام صوبوں کے ارباب حل وعقد کے باہمی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر کیا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دو نے

مخالفت بھی کی ہو حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی) لیکن اگر سیدنا علیؓ اہل الحل والعقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہو سکتے (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹) تو ایک دو حضرات کی مخالفت کے باوجود یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتے الخ۔

(سیدنا معاویہؓ ج ا ص ۴۸۷۔۴۸۸)۔

(۲) اور یہ حکیم صاحب جلد دوم میں بھی لکھتے ہیں کہ: ان پنج خلفاء راشدین کے عمل سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کا مقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے، (۱) اہل الحل والعقد کی مشاورت سے (۲) خلیفہ کی نامزدگی سے۔ یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ سے منتخب شدہ خلیفہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابوبکرؓ کے سیدنا عمرؓ کو نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں اور سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے پوری امت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے سے یزید کو صحیح خلیفہ نہیں مانا جاتا الخ

تبصرہ

(۱) حکیم صاحب نے یہ ظلم کیا ہے کہ نامزدگی کے مسئلہ میں حضرتِ فاروق اعظمؓ اور یزید کو ایک صف کھڑا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ع چہ نسبت خاک را باعالم پاک، کہاں فاروق اعظمؓ اور کہاں یزید۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر فاروقؓ کو اس لیے بھی نامزد تھا کہ حضرت صدیقؓ کے بعد حضرت فاروقؓ افضل امت تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ خلافت خاص کے لوازم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: واز لوازم خلافت خاصہ آں است کہ خلیفہ افضل امت باشد در زماں خلافت خود عقلاً ونقلاً الخ اور منجملہ لوازم خلافت خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ (ایسا شخص ہو جو) اپنے عہد میں تمام امت سے افضل ہو عقلاً نقلاً) (ازالۃ الخفاء مترجم ج اول ص ۶۴۔ ترجمہ: امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی) اسی سلسلے میں حضرت

شاہ صاحب محدثؒ لکھتے ہیں: حضرت صدیقؓ نے فاروق اعظمؓ کو خلیفہ کرتے وقت (جبکہ لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ (خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت عمرؓ جب ہم خلیفہ بنیں گے تو اور زیادہ سختی و درشتی کریں گے) فرمایا کیا تم مجھے پروردگار کا خوف دلاتے ہو۔ میں خدا کو یہ جواب دوں گا کہ یا اللہ میں نے امت پر خلیفہ بنایا اس شخص کو جو تیری مخلوقات میں سب سے بہتر تھا الخ (ایضاً ازالۃ الخفاء ص ٦٨)

(۳) حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت پر تو اجماع ہوا ہے اور یزید کی ولی عہدی کو بھی پانچ جلیل القدر صحابہؓ نے تسلیم نہیں کیا اور پھر سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مخالفت کی اور کربلا۔ حرہ اور محاصرہ مکہ کے حادثات پیش آئے۔

(۴) یہ بھی حکیم صاحب کی عجوبہ زمانہ تحقیق ہے کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کو نامزد کیا تھا۔ حالانکہ حضرت حسن نے تو نبی کریم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں صلح کرائی تھی (اور بخاری شریف کی یہ حدیث حکیم صاحب نے بھی کتاب میں نقل کی ہے) اور آپؓ نے اپنی خلافت سے دستبردار ہو کر حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کی بیعت کر لی تھی اور اسی طرح حضرت امام حسینؓ نے بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی (جیسا کہ شیعہ مذہب کی کتاب رجال میں بھی مذکور ہے) اور حضرت معاویہؓ کی خلافت کی بیعت تو اس سے پہلے حکمین کے فیصلے کے بعد ہی ہو چکی تھی۔ چنانچہ (۱) طبقات ابن سعد مترجم جلد ۲۱۵ میں لکھا ہے: عمرؓ بن العاص نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو آگے کیا۔ انہوں نے گفتگو کی اور علیؓ کو معزول کر دیا۔ عمروؓ بن العاص نے گفتگو کی اور انہوں نے معاویہؓ کو برقرار رکھا اور ان سے بیعت کر لی۔

(۲) تاریخ طبری مترجم حصہ سوم ص ۳۹۹ میں ہے: فیصلہ کے بعد

(حضرت) عمروؓ اور شامی (حضرت) معاویہؓ کے پاس واپس چلے گئے اور ان لوگوں نے (حضرت) معاویہؓ کو خلافت سونپ دی۔"

(۳) مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں: امیر المومنین حضرت علیؓ کی شہادت کا حال امیر معاویہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی خلافت کی بیعت اہل شام سے لی اور اسی روز امیر المومنین کا خطاب اختیار کیا لیکن صحیح یہ ہے کہ (حضرت) معاویہؓ نے بعد فیصلہ حکمین اپنی غلافت کی بیعت لی تھی۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم حصہ اول ص ۵۵۵) (۴) حافظ ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ) حضرت معاویہؓ کے متعلق لکھتے ہیں: واقعہ تحکیم کے بعد اپنے کو خلافت کے ساتھ نامزد کیا (تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان ص ۲۵۔ بحوالہ النجم لکھنؤ ۲/۲۱ رمضان ۱۳۴۹ھ) (۵) تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵۴ پر ۳۸ھ کے واقعات لکھا ہے: وکان اھل الشام ینتظرون بعد صفین امر الحکمین فلما تفرق بایع اھل الشام معاویةؓ بالخلافته ولم یزددالاقوة: جنگ صفین کے بعد اہل شام حکمین کے فیصلہ کا انتظار کر رہے تھے جب وہ دونوں متفرق ہو گئے تو اہل شام نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کی بیعت کر لی اور آپ کی قوت میں اضافہ ہو گیا جب امام حسنؓ کی دستبرداری سے پہلے حضرت معاویہؓ خلیفہ بن چکے تھے تو پھر امام حسنؓ نے ان کو کس منصب کے لیے نامزد کیا؟ حُبِ یزید میں حکیم محمود احمد ظفر اتنے مغلوب ہو چکے ہیں کہ وہ واقعات وحقائق کا انکار کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے

ابن حجر مکیؒ کے حوالہ میں بدیانتی

حکیم صاحب لکھتے ہیں: ایک اور مقام پر علامہ ابن حجر مکی سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے صحیح اور حق ہونے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو امور خلافت سپرد کرنے کے بعد سیدنا معاویہؓ صحیح معنوں

میں خلیفہ ہو گئے تھے اور وہ خلیفہ حق اور امام صادق تھے۔ علامہ کے الفاظ میں: فالحق ثبوت الخلافتہ لمعاویة من حینئذٍ و انه بعد ذلک خلیفه حق و امام صدق: صحیح اور حق بات یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی صلح کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت صحیح معنوں میں ثابت ہے اور اس صلح کے بعد وہ خلیفہ حق اور امام صادق ہیں۔ (الصواعق المحرقه ص ۲۱۶) اور میں نے بھی خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۷۵ پر لکھا ہے: اسی طرح حضرت امام حسینؓ کی صلح کے بعد جب حضرت معاویہؓ کو بالا تفاق تمام ملت اسلامیہ نے خلیفہ تسلیم کر لیا تو اب اگر کوئی شخص (خواہ کسی بھی لباس میں ہو) حضرت معاویہؓ کی شخصیت کو مجروح کرے گا (جیسا کہ فرقہ شیعہ کے بعد مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں اس جرم کا ارتکاب کیا ہے) تو ہم عقیدہ اہل السنّت والجماعت کی بناء پر حضرت معاویہؓ کا پورا پورا دفاع کریں گے جیسا کہ بندہ نے اپنی کتابوں مودودی مذہب اور علمی محاسبہ وغیرہ میں یہ فریضہ ادا کیا ہے اور خارجی فتنہ حصہ اول کی یہ عبارت میں نے دفاع حضرت معاویہؓ" ص ۱۸۴ پر بھی درج کر دی ہے۔ لیکن حکیم ظفر صاحب کی یہاں بددیانتی یہ ہے کہ انہوں نے حافظ ابن حجر مکی کی حسب ذیل عبارت کو نظر انداز کر دیا ہے جو ان کے موقف کے بالکل خلاف ہے: و من اعتقاد داهل السنته و الجماعة ایضا ان معاویة رضی اللّٰه عنه لم یکن فی ایام علی خلیفة و انما کان من الملوک و غایة اجتهاده انه کان له اجرٌ واحد علی اجتهاده و اما علی فکان له اجوان اجرٌ علی اجتهاده و اجر علی اصابته بل عشرة اجور لحدیث اذا اجتهد المجتهد فاصاب فله عشرة اجور و اختلفو افی امامة معاویته بعد موت علی رضی اللّٰه عنه فیقل صارا اماماً وخلیفه لان البیعة قد تحت له وقیل لم یصر اماماً لحدیث ابی داؤد

الترمذی والنسائی الخلافته بعدی ثلثون سنة ثم تصیر ملکا وقد انقضت الثلاثون بوفاة علیؓ وانت خبیر بما قدمت ان الثلاثین لم تنم بموت علیؓ ...وتمت الثلثون بمدة خلافة الحسن بن علی رضی الله عنهما فالحق ثبوت الخلافة معاویة من حینئذ وانه بعد ذلک خلیفة حق وامام صدق وفئة ومعاویة وان کانت هی الباغیة لکنه بغی لافسق به لانه انما صدر عن تاویل یعذ ریه اصحابه الخ (الصواعق المحرقة ص ۱۲۹۔۱۳۰) اور اہل السنّت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ایام خلافت میں حضرت معاویہؓ خلیفہ نہ تھے اور آپ ملوک (بادشاہوں) میں سے تھے۔البتہ آپ چونکہ مجتہد تھے اس لیے ان کو اپنے اجتہاد پر ایک درجہ ثواب ملے گا اور حضرت علیؓ کو دو اجر ملیں گے۔ایک ان کے اجتہاد کی وجہ سے اور دوسرا ان کے اجتہاد کے صحیح ہونے کی وجہ سے بلکہ اس حدیث کی بنا پر ان کو دس اجر ملیں گے کہ جب کسی مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے تو اس کو دس اجر ملتے ہیں اور حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ کی امامت (خلافت) کے بارے میں اختلاف ہوا ہے۔بعض کے نزدیک آپ امام اور خلیفہ ہو گئے تھے کیونکہ آپ کی بیعت مکمل ہو گئی تھی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی اس حدیث کی وجہ سے امام (خلیفہ) نہ بن سکے تھے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہو جائے گی اور حضرت علیؓ کی وفات پر تیس سال پورے ہو گئے تھے اور جیسا کہ پہلے میں نے بیان کیا ہے اور تو جانتا ہے کہ حضرت حسنؓ کی خلافت کی مدت پر تیس سال پورے ہوتے ہیں اور حق یہ ہے اور اس کے بعد آپ برحق اور سچے امام ہیں اور حضرت معاویہؓ کا لشکر اگرچہ باغی تھا لیکن ان کی بغاوت کے ساتھ فسق نہیں ہے کیونکہ آپ نے تاویل کے ساتھ اختلاف وقتال کیا ہے اس لیے وہ معذور ہیں الخ۔

فرمائیے۔ ابن حجر مکیؒ نے تو دو باتوں کی وضاحت کر دی ہے کہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں (باوجود بیعت کر لینے کے) حضرت معاویہؓ خلیفہ نہ تھے بلکہ آپ ایک ملک (بادشاہ) تھے البتہ امام حسنؓ کی صلح کے بعد آپ برحق خلیفہ ہو گئے اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا گروہ باغی تھا لیکن خلیفہ راشد حضرت علیؓ سے یہ جنگ تاویل واجتہاد کی بناء پر تھی اس لیے وہ لوگ بوجہ معذور ہونے کے فاسق نہیں ہیں: کیا حکیم صاحب اور جناب درویش صاحب حافظ ابن حجر مکیؒ پر بھی سبائیت کا فتویٰ لگائیں گے کیونکہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو باغی لکھا ہے!

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انعقاد خلافت کے چار طریقے لکھے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ خلافت چار طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔ پہلا طریقہ: اہل حل وعقد یعنی عالموں اور قاضیوں اور سرداروں اور نامورلوگوں کا بیعت کر لینا ہے (انعقاد خلافت کے لیے صرف انہیں اہل حل وعقد کا بیعت کر لینا کافی ہے) جو کہ بآسانی موجود ہوسکیں۔ تمام بلاد اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کر لینا بھی (انعقاد خلافت کے لیے) مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا ہے جس نے بدوں مشورہ کے کسی سے بیعت کی تو اس کی بیعت نہ کی جائے بخوف اس کے کہ یہ دونوں (بحکم شریعت) قتل کر دیے جائیں گے (یعنی بے مشورہ بیعت کرنے والا اور بیعت لینے والا) حضرت صدیقؓ کی خلافت کا انعقاد اسی پہلے طریقہ پر یعنی اہل حل وعقد کے بیعت کر لینے سے ہوا ہے۔

دوسرا طریقہ:

(انعقاد خلافت کا) خلیفہ کا کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنا دینا جو خلافت کی شرطوں

کا جامع ہو یعنی خلیفہ عادل بمقتضائے خیر خواہی اسلام ایک شخص کو ان لوگوں میں سے جو شرائط خلافت کے جامع ہو منتخب کرے اور لوگوں کو جمع کر کے (سب کے سامنے) اس کے استخلاف پر نص کر دے اور (مسلمانوں کو) اس کے اتباع کرنے کی وصیت کرے۔ پس یہ شخص (جس کو خلیفہ نے خلافت کے لیے منتخب کیا ہے) ان تمام لوگوں میں سے جو جامع شرائط (خلافت) ہیں مخصوص ہو جائے گا اور قوم کو لازم ہوگا اس شخص کو خلیفہ بنائے حضرت فاروق (اعظم) رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا تھا۔

تیسرا طریقہ:

انعقادِ خلافت کا) شوریٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ خلیفہ جامعین شرائط (خلافت) کی ایک جماعت میں خلافت کو دائر کر دے اور کہہ دے کہ اس جماعت میں سے جس کو (اہل مشورہ) منتخب کر لیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ پس خلیفہ کی وفات کے بعد (اہل شوریٰ) مشورہ کریں اور (اس جماعت میں سے) ایک شخص کو خلیفہ معین کر لیں اور اگر (خلیفہ سابق) اس انتخاب کے لیے کسی (خاص) شخص کو یا کسی (خاص) جماعت کو مقرر کر دے تو اس شخص یا اس جماعت کا انتخاب کرنا ہوگا۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کو چھ آدمیوں کے درمیان دائر کر دیا اور حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد آخر کو ان چھ شخصوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ معین کرنے کے لیے عبدالرحمٰن بن عوفؓ مقرر ہوئے اور انہوں نے حضرت ذوالنورینؓ کو خلافت کے لیے منتخب کیا۔

چوتھا طریقہ:

(انعقاد خلافت کا) استیلا رہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب خلیفہ کی وفات ہو جائے اور کوئی شخص بغیر اہل حل وعقد کے بیعت کیے ہوئے اور بغیر خلیفہ

سابق کے استخلاف کے خلافت کو لے لے اور سب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ وجبر سے اپنے ساتھ کرے تو یہ شخص خلیفہ ہو جائے گا اور اس کا جو فرمان شریعت کے موافق ہوگا اس کی بجا آوری سب لوگوں پر لازم ہوگی اور اس (چوتھے طریقے) کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم یہ ہے کہا استیلاء کرنے والا (خلافت) کی شرطوں کو جامع ہو اور بغیر ارتکاب کسی ناجائز امر کے (صرف) صلح اور تدبیر سے مخالفوں کو (مزاحمت سے) باز رکھے۔یہ قسم عندالضرورت جائز ہے۔حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی خلافت کا انعقاد حضرت علی المرتضیٰؓ کی وفات کے بعد اور حضرت امام حسنؓ کے صلح کر لینے کے بعد اسی طرح سے ہوا تھا۔دوسری قسم یہ ہے کہ استیلاء کرنے والا خلافت کی شرطوں کو جامع نہ ہو (اور خلافت میں) نزاع کرنے والوں کو بذریعہ قتال اور ارتکاب فعل حرام کے (مزاحمت سے) باز رکھے۔یہ (قسم) جائز نہیں ہے اور اس کا کرنے والا عاصی ہے لیکن اس خلیفہ کے بھی ان احکام کا قبول کرنا واجب ہے جو شرع کے موافق ہوں اور اس کے عامل اگر زکوٰۃ وصول کرلیں تو مال کے مالکوں سے (زکوٰۃ) ساقط ہو جائے گی اور اس کے قاضیوں کا حکم نافذ ہوگا اور اس (خلیفہ) کے ساتھ (شریک ہوکر کافروں سے) جہاد کر سکتے ہیں اور (چونکہ) اس کی خلافت کا انعقاد بوجہ ضرورت کے ہے (اس لیے خلیفہ کو معزول نہ کریں گے کیونکہ اس کے معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوں گی اور سخت فتنہ وفساد لازم آئے گا اور (پھر) یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ ان مصائب کا نتیجہ نیک ہو یا نہ ہو (بلکہ) احتمال ہے کہ (اس) پہلے (خلیفہ) سے بھی زیادہ بدتر کوئی دوسرا شخص غالب ہو جائے۔بس ایک موہوم اور احتمال مصلحت کے لیے ایسے فتنے کا ارتکاب کیوں کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔عبدالملک بن مروان اور خلفائے بنی عباس میں سے پہلے خلیفہ کی خلافت کا انعقاد اسی طرح ہوا تھا۔حاصل یہ کہ انعقاد خلافت انہی چار طریقوں میں

منحصر ہے حتیٰ کہ اگر کوئی ایک ہی شخص اپنے زمانہ میں خلافت کی شرطوں کا جامع ہو یا شرائط خلافت سے متصف تو کئی آدمی ہوں مگر یہ شخص سب سے افضل ہو (پھر بھی) اس کی خلافت (چار) مذکور طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے بغیر منعقد نہ ہوگی کیونکہ (جامع شرائط خلافت ہونے یا جامعین شرائط میں سب سے افضل ہونے کی) جو صفت اس میں ہے صرف صفت سے بغیر تسلط (حاصل کیے ہوئے) یا (بغیر اہل حل وعقد کی) بیعت کے لوگوں کا اختلاف دور نہیں ہو سکتا نہ فتنہ فرو ہو سکتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد صحابہؓ کی ایک جماعت نے حضرت (ابوبکر) صدیقؓ سے بیعت کرنے میں مبادرت کی اور (صرف) ان کی فضیلت پر اکتفاء نہ کیا الخ۔

(ازالہ: الخفا ر مترجم حصہ اول ص ۲۳ تا ۲۶)

حضرت محدث دہلوی نے خلافت کے انعقاد کے لیے چار طریقے بتلائے ہیں لیکن حکیم صاحب نے صرف دو طریقے لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت دہلوی نے حضرت معاویہؓ کے انعقاد خلافت کو استیلاء قسم اول میں شمار کیا ہے اس لیے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور حافظ ابن حجر مکیؒ کی عبارت جو حکیم صاحب نے اپنی کتاب ''سیدنا معاویہ ج ۲ ص ۲۸۲ پر نقل کی ہے کہ:

سیدنا معاویہ بھی اگر غلبہ واستیلاء سے مسند خلافت پر قابض ہوئے ہوتے تو جناب رسول اللہ ﷺ ضرور صراحت کے ساتھ یا کم از کم اشارتاً بیان فرمادیتے۔ جب آپ نے ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا بلکہ صراحت کے ساتھ ایسے امور کی خبر دی ہے جو ان کی خلافت کے برحق اور صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کی خلافت کے سے دستبرداری کے بعد سیدنا معاویہ خلیفہ برحق اور صحیح اور سچے امام تھے۔ (الصواعق المحرقہ ص ۲۱۷) اس

میں حضرت معاویہؓ کے لیے استیلاء قسم دوم کی نفی مقصود ہے نہ کہ استیلاء قسم اول کی۔ لٰہذا حضرت شاہ ولی اللہ محدث اور حافظ ابن حجر مکیؒ کی عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (۲) حضرت شاہ ولی اللہ استیلاء قسم اول کے متعلق مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور اگر وہ تاویل قطعی البطلان نہ ہو بلکہ مجتہد فیہ ہو تو وہ گروہ باقی تو ضرور ہوگا مگر قرن اُول میں ایسے گروہ کا حکم وہی ہے جو مجتہد مخطی کا ہوتا ہے کہ اگر وہ گروہ خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے لیکن جبکہ (خلیفہ وقت) بغاوت کرنے کی ممانعت کرنے کی حدثیں جو صحیح مسلم وغیرہ میں ہیں شائع ہوگئیں اور امامت کا اجماع اس پر منعقد ہوگیا تو اب (اگر کوئی بغاوت کرے تو اس) باغی کے عاصی ہونے کا حکم ہم دیتے ہیں الخ (ازالہ: الخفاء مترجم حصہ اول ص ۳۲)۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ یہاں بھی خلیفہ وقت سے بغاوت کرنے والے مجتہد کو اپنے اجتہاد میں خطا کرنے والا قرار دیتے ہیں جس پر ایک اجر بھی ملتا ہے اور میں نے اسی بنا پر اکابر کی عبارتوں میں حضرت معاویہؓ کے لیے جو باغی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کہ صورتاً باغی قرار دیا ہے نہ کہ حقیقتاً لیکن یزیدی ٹولہ اپنی جہالت سے یا ضد اضدی اس کو توہین پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو فہم و خلوص عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت علیؓ کی خلافت

حکیم صاحب موصوف حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق لکھتے ہیں کہ: اس زمانہ میں جن لوگوں کو اہل حل وعقد کہا جاتا تھا انہوں نے بھی آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ چنانچہ حکیم الامت (شاہ ولی اللہ) دہلویؒ فرماتے ہیں: خلافت برائے حضرت مرتضٰی قائم نشد نذ زیرا آں کہ اہل حل وعقد عن جتہاد و نصیحت للمسلمین بیعت نکردہ (ازالۃ: الخفاء ج دوم ص ۲۷۹) سیدنا علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوئی اس لیے کہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی جس کی وجہ سے آپ کی بیعت نہ

کی تھی۔ بہر حال آپ کی بیعت ہوئی اور ان ہنگامی حالات میں سیدنا حسنؓ کے منع کرنے کے باوجود آپ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔" (سیدنا معاویہ ج ا ص ۲۲۵)

(۲) یہاں تک کہ اہل حل وعقد کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ شاہ ولیؒ اللہ فرماتے ہیں خلافت برائے مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہاد نصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ الخ (ایضاً ج دوم ص ۲۶۸)

تبصرہ

حکیم محمود احمد ظفر صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی عبارت میں علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب نے یہ اپنا نظریہ پیش نہیں کیا بلکہ جن حضرات نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی تھی ان کی توجیہ وتاویل پیش کی ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب کی منقولہ عبارت سے پہلے لکھتے ہیں۔ واما آنکہ حضرت عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم مجتہد مخطی معذور بودند ازاں قبیل کہ من اجتہد واخطأ فلہ اجر واحد۔ پس ازاں جہت کہ متمسک بود نہ بشبہ۔ ہر چند دلیل دیگر ارجح از وی بود و موجب آں شبہ دو چیز است۔ یکے آنکہ خلافت برائے حضرت مرتضیٰ منعقد نہ شد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہاد و نصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ اند الخ (ازالۃ الخلفاء جلد دوم فارسی متن ص ۲۷۹) رہا یہ کہ حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم خطا کھانے والے معذور تھے اس اصول پر کہ جس نے اجتہاد کیا اور خطا کھائی تو وہ ایک اجر کا مستحق ہے تو وہ اس جہت سے (معذور ہیں) کہ انہوں نے شبہ سے استدلال کیا اگرچہ اس سے زیادہ راجح دوسری دلیل بھی موجود تھی اور اس شبہ کا موجب دو چیزیں ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضرت مرتضیٰ کے لیے خلافت منعقد نہیں ہوئی کیونکہ اصحاب حل وعقد نے اجتہاد کے ساتھ اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے آپ سے بیعت نہیں کی تھی الخ (ازالۃ الخلفاء مترجم اردو جلد چہارم ص ۵۲۰۔ ترجمہ حضرت مولانا اشتیاق

احمد صاحب دیو بندی۔ناشر قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)میرے پاس جو کتاب ہے اس میں ..... منعقد نشد کے الفاظ ہیں اور حکیم صاحب نے قائم نشد لکھا ہے۔ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔اسی سلسلہ میں فریق ثانی کے حضرات کی دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: دوم آنکہ قصاص حق است وحضرت مرتضےٰ قادر است براخذ قصاص ذی النورین واخذآں نمی کند بلکہ مانع آنست وحضرت مرتضیٰ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔(الخ (ایضاً جلد دوم فارسی ص۲۷۹)

دوسری یہ کہ قصاص حق ہے اور حضرت علی مرتضےٰؓ قادر ہیں ذی النورین کا قصاص لینے پر مگر لیتے نہیں بلکہ اس سے مانع ہیں اور حضرت مرتضیٰ بھی ان پر خطائے اجتہادی کا الزام لگاتے ہیں۔(ایضاً مترجم جلد۲ص۵۲۲)

(۳) جنگ صفین کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں: واما آنکہ معاویہ مجتہد مخطی معذور بود پس ازاں جہت کہ متمسک بود بہ شبہ ہر چند دلیل دیگر درمیزان شرع راجح تر ازاں برآمد مانند آنچہ در واقعہ اہل جمل تقریر کردیم بازیادت اشکال وآں آنست کہ معاویہؓ واہل شام بیعت نکردہ بودند ولی دانستند کہ تمامی خلافت بتسلط ونفاذ حکم است وآں متحق نشد۔بازامر تحکیم آں شبہ را راسخ تر نمود ودر حدیث صحیح آمدہ ودعواھما واحدۃ (ازالۃ الخفا فارسی جلد دوم ۲۸۰)۔اور رہا یہ کہ معاویہؓ مجتہد مخطی اور معذور تھے تو اسکی صورت یہ ہے کہ وہ شبہ کے ساتھ دلیل پکڑے ہوئے تھے ہر چند کہ دوسری دلیل جو میزاں شریعت میں اس سے زیادہ وزن دار تھی ظاہر ہو گئی مانند ان باتوں کے جن کی تقریر ہم اہل جمل کے قصہ میں کر چکے ہیں بعض اشکال کے اضافہ کے ساتھ۔اور وہ یہ ہے کہ معاویہؓ اور اہل شام نے بیعت نہیں کی تھی اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ خلافت کی تکمیل خلیفہ کے تسلط اور اس کے حکم کے نفاذ پر موقوف

ہے اور وہ متحقق نہیں ہوا ہے۔ پھر تحکیم (حکم بنانے) کے معاملہ نے اس شبہ کو اور مضبوط کر دیا۔ اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ دعواھما واحدۃ یعنی دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک ہوگا''۔ (ایضاً مترجم ج چہارم ص ۵۲۵) حضرت محدث دہلویؒ کی منقولہ عبارتوں سے ثابت ہوا کہ اہل جمل یعنی حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت علی المرتضیٰ سے جو نزاع و قتال کیا ہے وہ کسی ذاتی مخالفت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے اجتہاد کی بنا پر ایک شبہ کی بنا پر کیا تھا جس میں ان سے خطا ہو گئی لیکن وہ معذور تھے۔ لیکن حکیم صاحب نے ماقبل اور مابعد کی عبارتوں کو نظر انداز کر کے درمیان میں سے ایک عبارت پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہی نہیں ہوئی تھی۔ یہ ان کی بدنیتی ہے یا کھلی تلبیس کیونکہ حضرت شاہ والی اللہ محدثؒ نے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت منعقد ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافت (شاہ ولی اللہ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے رسول اللہ ﷺ کی بعض پیشین گوئیوں کی روشنی میں یہ لکھا ہے کہ آپ کی خلافت منتظمہ نہ تھی اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ شاید حضرت علیؓ کی خلافت کی کوئی حیثیت نہیں جیسا کہ خارجی یہی کہتے ہیں تو حضرت محدث دہلویؒ نے اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: تم اس مبحث میں مغالطہ میں نہ پڑ جانا اور اس دقیق نکتہ کو غیر محمل پر چسپاں نہ کر لینا۔ میری غرض یہ نہیں ہے کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ نہیں تھے یا حکم شریعت میں ان کی خلافت منعقد نہیں ہوئی یا جو لڑائیاں ان کو پیش آئیں اس میں ان کی سعی للہ نہیں تھی۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی تمام چیزوں سے جو اللہ کا ناپسند ہوں بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ ان جنگوں میں فیض الٰہی کا جارحہ (آلہ) بننے کی فضیلت ان میں ظاہر نہ ہوئی وگرنہ

آپ کا نیر ہونا (مسلم ہے) اور اصلاح خلق بہت فروانی کے ساتھ واضح ہوتی رہی ہے اور اس باریک نکتہ میں فقہاء اور متکلمین کی زبانیں اس کی تقریر سے کوتاہ ہیں۔ اثبات کے یا نفی کے طور پر کسی نے کلام نہیں کیا۔ ہاں فقہاء و صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے اس نکتہ کو پہچانا ہے اور احادیث صحیحہ میں اس نکتہ کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ (ازالہ: الخلفاء مترجم دوم ص ۵۷۵۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ تو صراحتاً قرآن مجید کی سورۃ النور کی آیت استخلاف کے تحت پہلے تین خلفاء راشدین کی طرح حضرت علی المرتضیٰ کو بھی چوتھا خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الخلفاء میں اس کی تفصیل فرمائی ہے اور اپنے فارسی ترجمہ قرآن کے حواشی پر آیت استخلاف کی مراد ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

درحدیث آمدہ است الخلافتہ بعد ثلثون سنتہ واللہ اعلم۔

حدیث میں آیا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ والی اللہ محدث نے ازالۃ الخفا میں حضرت علیؓ المرتضیٰ کی خلافت پر مفصل بحث کی ہے اور متعدد مقامات پر آپ کو بھی مع خلفاء ثلثہ حدیث الخلافتہ بعدی ثلثون کا مصداق ٹھہرایا ہے البتہ انعقاد خلافت کے چار طریقوں میں سے حضرت علیؓ المرتضیٰ کے انعقاد و خلافت کے بارے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اہل علم نے اس بات میں کلام کیا ہے کہ حضرت (علی) مرتضیٰؓ کی خلافت (چار) مذکورہ طریقوں میں سے کس طریقہ پر واقع ہوئی۔ اکثر (علماء) کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ (حضرت علیؓ) ان مہاجرین اور انصار کے بیعت کر لینے سے خلیفہ ہوئے جو مدینہ میں موجود تھے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے اکثر وہ خطوط جو آپ نے اہل شام کو لکھے اس پر شاہد ہیں اور (علماء) کا ایک گروہ کہتا ہے کہ (حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد بذریعہ شوریٰ کے ہوا۔ کیونکہ حضرت

فاروق اعظم کے بعد مشورہ اس پر قرار پایا کہ خلیفہ یا حضرت عثمانؓ ہوں یا حضرت علیؓ (پس پہلے حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے پھر) جب حضرت عثمانؓ نہ رہے تو حضرت علیؓ (خلافت کے لیے) معین ہو گئے (مگر) اس قول میں جو کچھ ضعف ہے وہ ہے۔ اس کے حاشیہ میں امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں: وہ ضعف یہ ہے کہ مشورہ میں یہ بات طے نہ ہوئی تھی کہ بالفعل ان دونوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ ہونا چاہیے۔ حضرت مصنف (یعنی حضرت شاہ ولیؒ اللہ کا مذہب قول اول کے موافق معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس پر کوئی اعتراض مصنف نے نہیں کیا اور حق بھی وہی ہے" (ازالۃ الخلفاء مترجم جلد اول ۲۶۔۲۷) اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی (کراچی) بھی یہ تسلیم کرتے ہیں: اصولاً وہ (یعنی حضرت علیؓ) بھی حضرت معاویہؓ کے ساتھ متفق تھے اور مستقل خلافت کے لیے عام اعیان واکابر کا اجتماعی مشورہ اور آزادانہ انتخاب ضروری سمجھتے تھے مگر جب جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہؓ نے انکی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہو گئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطۂ نظر اپنی جگہ صحیح تھا اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ یہ اختلاف کھلا ہوا اجتہادی اختلاف تھا جو دونوں حضرات کے درمیان آئین کی ایک اہم دفعہ میں پیدا ہو گیا تھا الخ (اظہار حقیقت جلد ۲ ص ۴۱۲) مولنا سندیلوی نے جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہؓ کی طرف سے حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت کو تسلیم کر لیا۔ لیکن حضرت شاہ ولیؒ اللہ نے فرمایا کہ شروع ہی میں مدینہ منورہ کے مہاجرین و انصار نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی۔ اس لیے آپ کی بیعت شرعاً منعقد ہو گئی۔

ایک اور تلبیس

حکیم صاحب موصوف حضرت علیؓ المرتضیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں: سیدنا

عثمانؓ کی شہادت کے بعد اسلامی فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کے زمانے میں ایک شہر بھی اسلامی قلمرو میں داخل نہ ہوا۔ آپ نے اپنے زمانے میں جتنی جنگیں بھی لڑیں وہ اسلام کی خاطر نہیں تھیں بلکہ صرف طلب خلافت کے لیے تھیں۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولیؒ اللہ نے لکھا ہے: مقاتلات وی رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجیت الاسلام۔ سیدنا علیؓ کی لڑائیاں صرف اپنی خلافت کے حصول کے لیے تھیں اسلام کی ترقی کے لیے نہیں تھیں۔ (ازالۃ الخلفاء ج اول ص ۲۲۷) (سیدنا معاویہ جلد دوم ص ۲۸۷)

الجواب

(۱) ہم کہتے ہیں کہ کیا یزید کی جنگیں (۱) معرکہ کربلا (۲) حرہ (۳) محاصرہ مکہ اسلام اور اسلام کی ترقی کے لیے تھیں۔ (۲) حکیم صاحب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو مجروح کرنیکے لیے ان کے پیشرو محمود احمد صاحب عباسی نے منقولہ عبارت پیش کی ہے چنانچہ حضرت علیؓ کے بارے میں لکھا ہے: دشمنان دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب وحصول خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

مقاتلات وی (علیؓ) رضی اللہ عنہ برائے طلب وخلافت بود نہ بجیت اسلام (ازالۃ الخلفاء ج اول ص ۲۷۷ سطرہ ۲۰) ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو (بعد شہادت عثمانؓ) اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لیے تھیں نہ با غراض اسلام الخ (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۵۵ ایضاً تحقیق مزید ص ۱۷۷ و ص ۱۵۸) میں نے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۳۷۔۴۷ میں عباسی صاحب کے جواب میں لکھا ہے کہ: عباسی صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت۔ مقاتلات وی الخ کا مطلب غلط بیان کر کے حضرت علی المرتضیٰ کی تنقیص

وتحقیر کی ہے حالانکہ حضرت شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں کفار اور مرتدین سے جنگ نہیں کی جو کفر و اسلام کی بنا پر ہوتی ہے بلکہ آپ کی جنگ اہل اسلام سے ہوئی تھی جس کا مقصد اپنی خلافت کا دفاع واستحکام تھا نہ کہ اسلام کیونکہ آپ کی خلافت دین اسلام کی ہی خلافت راشدہ تھی نہ کہ خلاف اسلام اور حضرت شاہ صاحب کی مابعد کی عبارت میں پوری وضاحت پائی جاتی ہے۔شاہ صاحب یہاں شیعہ عقیدہ امامت کا ابطال کرتے ہوئے حضرات خلفاء ثلثہ کی خلافت کو بعض آیات قرآنیہ سے ثابت کر رہے ہیں جن میں یہ آیت دعوت اعراب بھی ہے۔قل للمخلفین من الاعرب ستدعون الیٰ قومٍ اولیِ باسٍ شدیدٍ تقاتلونھم اویسلمون الآیتہ (سورۃ الفتح آیت ١٦) ترجمہ: آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں الخ (ازالۃ الخلفاء مترجم جلد دوم ص ٢٩٦) یہ جہاد کی طرف دعوت دینے والے کون ہیں، اس کے لیے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: دعوت ان احتمالات سے باہر نہیں کہ یہ داعی (جہاد کی طرف دعوت دینے والے) یا تو آنحضرت ﷺ تھے یا خلفاء ثلثہ یا حضرت مرتضیٰ یا نبی امیہ یا بنی عباس۔اور آنحضرت ﷺ یقیناً داعی نہیں تھے کیونکہ آپ نے اعراب میں سے کسی کو دعوت نہیں دی۔اور نہ وہ داعی حضرت مرتضیٰؓ تھے کیوں کہ آپ کے مقاتلات طلب خلافت کے لیے ہوئے جیہت اسلام سے نہیں اور تقاتلونھم او یسلمون اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قتال کفار کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت کے لیے ہو گا اور بنو امیہ اور بنو عباس نے اعراب حجاز کو کفار سے قتال کے لیے کبھی دعوت نہیں دی۔یہ بات تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے اور صدیق اکبرؓ کی دعوت اہل شام وعراق سے

قتال کے لیے تھی اور حضرت فاروقؓ کی دعوت بھی عراق اور شام اور مصر سے قتال کے لیے تھی اور ذی النورینؓ کی دعوت اہل خراسان وافریقہ ومغرب سے قتال کے لیے واقع ہوئی اور جیسا کہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور رہے اور جب ان کی حقیقت روم وعجم سے جہاد کے لئے دعوت دینے میں ظاہر ہوگئی تو ان کے تمام احکام واجب الامتثال ہوں گے الخ (ایضاً ازالۃ الخلفاء مترجم جلد دوم ۴۹۸) حضرت شاہ صاحب نے حضرت علی المرتضٰی کے لیے جو لکھا تھا کہ ان کا قتال کفار سے نہیں ہوا جس کی وجہ سے وہ آیت اعراب کا مصداق نہیں ہو سکتے بلکہ اس کا مصداق پہلے خلفاءؓ ثلثہ ہیں لیکن عباسی صاحب اور حکیم ظفر صاحب نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ حضرت علیؓ کا قتال اسلام کے لیے تھا ہی نہیں۔

حکیم صاحب کی ایک اور غلط بیانی

حکیم محمود احمد ظفر ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی خلافتیں دونوں باہم برابر تھیں۔ اگر سیدنا معاویہؓ کی خلافت خلافت راشدہ نہ تھی تو سیدنا علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ نہ تھی۔ شاہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں حل کیا ہے۔ آپ حدیث الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ (خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی) پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے ختم نہیں ہوئی بلکہ سیدنا علیؓ کا زمانہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ ان کا زمانہ شامل کیے بغیر تیس سال مکمل نہیں ہوتے۔ لہٰذا اس حدیث کے معنی کی تحقیق بھی سمجھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ خلافت خاصہ دو وصف سے مرکب ہے۔ پہلا وصف خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔ دوسرا وصف اس کے تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ومتحد ہونا (ازالۃ الخلفاء جلد اول ص ۲۰۷)

اس بحث کے بعد شاہ ولی اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت خاصہ کے ان دو اوصاف میں سے پہلا وصف سیدنا علیؓ میں پایا جاتا تھا اور دوسرا ان میں مفقود تھا۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ خلافت بالکل سیدنا علیؓ کی خلافت کی طرح تھی اور سیدنا علیؓ کی خلافت کو چونکہ راشدہ مانا جاتا ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی راشدہ نہ مانا جائے الخ (سیدنا معاویہؓ دوم ص ۲۶۶)

الجواب

حکیم صاحب بھی عجیب وغریب مصنف ہیں۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے حدیث الخلافة بعد ثلثون سنة (میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی) پیش فرمائی ہے اور حکیم صاحب اس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں: حالانکہ یہ حدیث روایت اور درایت کے لحاظ سے غیر صحیح بلکہ موضوع ہے اور اس کو کسی صورت میں بھی اس اہم فیصلہ کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔'' (سیدنا معاویہؓ جلد دوم ص ۲۵۴)

(۲) اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت تیس سال رہے گی لیکن حضرت معاویہؓ تو اس کے بعد خلیفہ بنے ہیں پھر اس حدیث سے حکیم صاحب امیر معاویہؓ کی خلافت راشدہ کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔یہ تو ان کے مسلک کے خلاف ہے۔

(۳) حضرت شاہ صاحب دہلویؒ نے منقولہ عبارت میں خلافت خاصہ کے دو وصف بیان کر کے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ میں پہلا وصف پایا جاتا تھا اور دوسرا مفقود تھا لیکن اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ حضرت معاویہؓ میں چونکہ دوسرا وصف پایا جاتا تھا اس لیے آپ بھی خلیفہ خاص تھے اور آپ کی خلافت بھی خلافت خاصہ تھی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ نے بھی کسی جگہ حضرت معاویہؓ کو خلیفہ خاص نہیں لکھا نہ ہی

آپ کی خلافت کو خاصہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ محض غلط بیانی ہے بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ خلیفہ خاص نہیں تھے۔ اور حکیم صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحب کی جو عبارت حضرت علیؓ کی خلافت خاصہ کے بارے میں پیش کی ہے اس سے چند سطروں کے بعد ہی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

جس مبحث میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں بھی یہ بات حاصل ہے کہ خلیفہ خاص (یعنی حضرت مرتضیٰؓ) متصف باوصاف کاملہ (خلافت خاصہ) موجود ہیں مگر ان کی خلافت بالفعل موجود نہیں پھر دوسرے زمانے میں لوگوں نے اتفاق کر لیا اور ان کا باہمی اختلاف رفع ہو گیا لیکن اس وقت (کے) خلیفہ (یعنی حضرت معاویہؓ) ان اوصاف کے ساتھ جو خلیفہ خاص میں معتبر ہیں متصف نہ تھے۔ صلح تیرگی کے ساتھ (جو کہ اس زمانہ کا وصف حدیث میں مذکور ہے اس) کے یہی معنی ہیں الخ (ازالۃ الخلفاء مترجم جلد اول ص ۵۵۶) مطلب یہ ہے کہ جب حضرت معاویہؓ ان اوصاف سے متصف ہی نہیں جو خلیفہ خاص کے لیے لازم ہیں تو پھر ان کی خلافت کو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت خاصہ کی طرح کیونکہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب خلافت خاصہ کے لوازم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: منجملہ لوازم خلافت خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو اور نیز ان لوگوں میں سے ہو جو بدر تبوک میں شریک اور سورۃ نور کے نزول کے وقت موجود تھے اور (نیز) ان لوگوں میں سے ہو جو بدر و تبوک اور دوسرے مشاہد عظیمہ میں موجود تھے جن کی عظمت شان اور جن کے حاضرین کے لیے وعدہ جنت شرع میں حدیث مستفیض سے ثابت ہے الخ (ازالۃ الخلفاء مترجم جلد اول ص ۴۴۳) نیز لکھتے ہیں:

اور منجملہ لوازم خلافت خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ (ایسا شخص ہو جو) ا

اپنے عہد میں تمام امت سے افضل ہو۔ عقلاً و نقلاً الخ (ایضاً ص ۶۴)

بہر حال چونکہ حضرت معاویہؓ نہ مہاجرین اولین میں سے ہیں اور نہ اپنے دور میں افضل امت ہیں اس لیے آپ کی خلافت کو خلافت خاصہ اور آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں خلیفہ خاص نہیں قرار دیا جا سکتا اور خلافتِ خاص کا مصداق صرف خلفاء اربعہ (چار یارؓ) ہی ہیں۔ چنانچہ اپنے دور میں افضل امت ہونے کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

اور یہ اس پر مبنی ہے کہ خلافت خاصہ افضیلت کے ساتھ ساتھ ہے۔ خلفاء اربعہ کی افضیلت بہ ترتیب خلافت بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے۔ (ازالۃ الخفاء مترجم ج ا ص ۶۶)

حکیم صاحب نے قرآن کے چوتھے موعود خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کا مجروح کرنے میں کئی صفحات سیاہ کیے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے تنقید کی ہے اور اپنے ناحق موقف کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہ کی عبارتیں پیش کر کے تلبیس سے کام لیا ہے جیسا کہ زیر بحث منقولہ عبارتوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

خلیفہ راشد کا قول و فعل حجت ہوتا ہے، حکیم ظفر

حکیم محمود احمد ظفر حضرت امام حسنؓ کی خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں: سیدنا علیؓ کے بعد بھی شوریٰ کے ذریعہ سیدنا حسنؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا"۔ (البدایہ ج ۵ ص ۲۵۰۔ جلد ۷ ص ۳۲۴ ج ۸ ص ۱۳ بیہقی جلد ۸ ص ۱۴۹) لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنانا (کما فی کتب التواریخ) اب زمام خلافت سیدنا حسنؓ کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسنؓ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا قول و فعل حجت ہوتا ہے اور شیعہ

حضرات کے نزدیک تو وہ ائمہ معصومین میں سے تھے جن کا ہر قول اصول اور ہر فعل خطاء سے مبرا ہوتا ہے۔اب سیدنا حسنؓ نے خود اپنی مرضی سے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا الخ (سیدنا معاویہ ج اول ص ۴۸۷)

<u>تبصرہ</u>

(۱) حضرت حسنؓ تمام امت کے نزدیک خلیفہ راشد تھے حکیم صاحب نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔گو لغوی معنی میں امام حسنؓ خلیفہ راشد تھے لیکن بوجہ مہاجرین اولین میں شامل نہ ہونے کے آپ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد نہیں ہیں جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے ھدایۃ الشیعہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

(۲) حدیث اثنا عشر خلیفہ کے تحت حکیم صاحب نے جو خلفاء کے نام لکھے ہیں ان میں یزید کا نام تو ہے لیکن امام حسنؓ کا نام نہیں۔تو ان کو ان خلفاء میں کیوں شمار نہیں کیا۔

(۳) حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنانا اس کا حکیم صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔حالانکہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: **فقالوا یاامیر المومنین الاتستخلف فقال لا. ولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. قالوا فما تقول لربک اذا لقیتہ وقد ترکتنا ھملا. قال. اقول اللھم استخلفتنی فیھم مابدالک ثم قبضتنی وترکتک فیھم فان شئت اصلحتھم وان شئت افسدتھم۔** (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۲۴)

لوگوں نے کہا یا امیر المومنین! کیا آپ خلیفہ نہیں مقرر کریں گے۔فرمایا نہیں۔میں تم کو اس طرح چھوڑوں گا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے آپ کو چھوڑا

تھا۔انہوں نے کہا کہ جب آپ اپنے رب سے ملاقات کریں گے تو کیا کہیں گے۔فرمایا میں یہ عرض کروں گا کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنی مرضی سے ان میں خلیفہ بنایا تھا پھر تو نے مجھے موت دے دی۔اے اللہ! میں نے تجھے ان میں چھوڑا ہے خواہ تو ان کی اصطلاح فرمایا ان کو برباد کر۔اس سے تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے امام حسنؓ کو نامزد نہیں فرمایا لیکن اس کے برعکس قاضی شمس الدین درویش لکھتے ہیں: یزید کو صحابہؓ کے مشورہ سے حضرت معاویہؓ نے خلیفہ نامزد کیا تھا جس طرح سیدنا حسنؓ کو سیدنا علیؓ نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔(ابن کثیر ۷ ص ۲۴۹) لیکن مجھے ابن کثیر ص ۲۴۹ پر یہ عبارت نہیں مل سکی۔

(۴) حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ: خلیفہ راشد کا قول وفعل حجت ہوتا ہے۔ہم حکیم صاحب سے پوچھتے ہیں کہ پھر آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کے قول وفعل کو کیوں حجت نہیں قرار دیتے حالانکہ وہ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں آپ چوتھے خلیفہ خاص ہیں۔جنگ جمل اور جنگ صفین میں آپ حضرت علیؓ کے قول وفعل کو کیوں مانتے اور ان کو بھی خطائے اجتہادی کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔امام حسنؓ نے حضرت علیؓ کو جو مشورہ دیا تھا آپ اس کو صحیح مانتے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ کے اقدام پر تنقید کرتے ہیں۔چنانچہ حکیم صاحب لکھتے ہیں: آپ جب مدینہ طیبہ سے جا رہے تھے تو سیدنا حسنؓ نے راستہ میں جا کر آپ سے عرض کی۔ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کوئی مشورے دیئے لیکن آپ نے ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔آپ نے پوچھا وہ کون کون سے مشورے تھے۔سیدنا حسنؓ نے عرض کیا۔ابا! کیا میں نے آپ سے سیدنا عثمانؓ کے قتل سے پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور پر مدینہ چھوڑ دیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قتل ہو جائیں اور آپ کے مدینہ میں ہونے کی وجہ سے آپ پر کوئی الزام آئے لیکن آپ

نے نہ مانا۔ پھر کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک کہ کل شہروں کے ارباب حل وعقد آپ سے استدعا نہ کریں لیکن آپ نے اس کو بھی نہ مانا پھر میں نے اس وقت بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ جب سیدہ عائشہؓ طلحہؓ اور زبیرؓ قصاص کے مطالبہ کے لیے نکلے کہ آپ گھر بیٹھے رہیں یہاں تک کہ آپس میں مصالحت ہو جائے لیکن آپ نے میرا کوئی مشورہ بھی نہیں مانا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۷ اص ۲۳۴) (سیدنا معاویہؓ جلد اول ص ۲۳۱) فرمایئے۔ یہ باپ بیٹے کا مکالمہ ہے لیکن اس وقت خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ تھے نہ کہ حضرت حسنؓ اس لیے آپ کے پیش کردہ اس ضابطہ کے مطابق کہ: خلیفہ راشد کا قول وعمل حجت ہوتا ہے تو حضرت علیؓ کی رائے اور عمل امام حسنؓ کے لیے بھی حجت تھا۔ لیکن آپ حضرت حسنؓ کے قول کو حضرت علیؓ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔ آخر قول وفعل میں تضاد کیوں ہے؟

خطائے اجتہادی کی بحث

حکیم محمود احمد ظفر صاحب موصوف حکمین کے فیصلہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں مخلص ہیں۔ معاویہؓ طلب قصاص میں اور علیؓ طلب بیعت میں اور ان کے مابین جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی اختلاف ہے اور یہ اختلاف نگاہ شریعت میں ایسا اختلاف ہے کہ جس میں صواب وخطا دونوں میں ثواب ملتا ہے۔ ہاں جو راہ صواب اختیار کر کے اصل مقصد کو پہنچ گیا اور اس کو راہ خطا پر گامزن ہونے والے سے دوگنا ثواب ہے۔ حضور ختمی مرتبت کے بعد کوئی معصوم نہیں۔ غلطی کا ہر بشر سے امکان ہے۔ ہاں اس میں جو لوگ فتنہ پردازی کی غرض سے شامل ہیں وہ گناہگار اور واجب القتل ہیں اور انہیں کے قتل کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ کر

رہے ہیں لہذا سیدنا علیؓ کی خلافت بالفعل صحیح ہے اور سیدنا معاویہؓ کا قاتلان عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ صحیح ہے اس وجہ سے دونوں کو اپنے اپنے موقف سے معزول کیا جائے یعنی معاویہؓ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور سیدنا علیؓ تلوار روکیں۔ (سیدنا معاویہؓ ج ۱ ص ۳۰۹)

(۲) اس کے بعد ص ۳۱۴ پر حکیم صاحب بعنوان ''اہل السنّت والجماعت کا مسلک'' لکھتے ہیں۔ اس فیصلے کی رو سے اہل السنّت والجماعت کا مسلک ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حق پر تھے اور دونوں سے خطاء اجتہادی سرزد ہوئی سیدنا معاویہؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے قاتلان۔ عثمانؓ سے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور سیدنا علیؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے باوجود قدرت کے قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہ لیا اور اس طرح قضیہ نبٹنے کے بجائے اور طویل ہو گیا۔ سیاسی الجھنیں پیدا ہو گئیں۔ اچھے اچھے لوگ مخالف ہو گئے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: دوم آنکہ قصاص حق است وحضرت مرتضٰی قادر است براخذ قصاص ذوالنورین الخ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد ۲ ص ۲۷۹ اعلاالسنن ج ۲ ص ۲۴۸) یعنی دوسرا یہ کہ قصاص حق ہے اور جناب علی المرتضٰی جناب عثمان ذوالنورینؓ کا قصاص لینے پر قادر تھے لیکن لیتے نہیں تھے بلکہ لینے سے منع کرتے تھے اور جناب مرتضٰی نے خطائے اجتہادی کے ساتھ حکم فرمایا۔

تبصرہ

بلاشبہ اہل السنّت والجماعت مشاجرات صحابہ (جنگ جمل وصفین) کو اجتہادی اختلاف پر مبنی قرار دیتے ہیں اور مجتہد کو اجتہادی خطا پر بھی حسب حدیث بخاری ایک اجر ملتا ہے۔ لیکن حکیم صاحب موصوف نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی اور اس کو اہل السنّت والجماعت

کا مسلک قرار دیا ہے تو یہ بالکل غلط اور کھلا جھوٹ ہے۔ اگر حکیم صاحب اپنے اس دعوی میں سچے ہیں تو اہلسنت کی عقائد اور علم کلام وغیرہ کتابوں سے حوالہ پیش کریں کہ یہی مسلک اہلسنت والجماعت ہے۔

(۲) جمہور اہل سنت والجماعت کا مسلک تو یہ ہے کہ اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے اجتہاد میں صواب پر تھے اور حضرت امیر معاویہؓ سے اس میں اجتہادی خطا ہوگئی اور سابقہ صفحات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت پیش کی جا چکی ہے اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، بھی فرماتے ہیں:

شیخ ابوشکور سلمی در تمہید تصریح کردہ اہل سنت و جماعت برآنند کہ معاویہ با جمع از اصحاب کہ ہمراہ اور بودند بر خطا بودند وخطائے ایشاں اجتہادی بود وشیخ ابن حجر در صواعق گفتہ کہ منازعت معاویہؓ با امیرؓ از رئے اجتہاد بودہ وایں قول را از معتقدات اہل سنت فرمودہ الخ (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۵۱ ص ۲۷۲ طبع قدیم) شیخ ابوشکور سلمی نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور آپ کے ساتھی خطا پر تھے اور ان کی یہ خطا اجتہادی تھی اور شیخ ابن حجر (مکی) نے صواعق محرقہ میں فرمایا ہے کہ حضرت امیر (علی المرتضیٰ) سے حضرت معاویہؓ نے جو نزاع کیا ہے وہ اجتہاد پر مبنی تھا اور اس کو انہوں نے اہل سنت کے عقائد میں شمار کیا ہے۔ نیز امام ربانی حضرت مجدد فرماتے ہیں۔ وکتب القوم مشحونہ بالخطا الاجتہادی کما حرح بہ الامام الغزالی والقاضی ابو بکر وغیرہ ھما الخ (مکتوبات جلد اول مکتوب ۲۴۹،) اور اہل سنت کی کتابیں (حضرت امیر معاویہؓ) کی خطائے اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ امام غزالی اور قاضی ابوبکر۔ نے اس کی تصریح کی ہے۔

(۲) شارح صحیح مسلم امام نوری متوفی ۶۷۵ھ فرماتے ہیں: وکان علی

رضی اللّٰہ عنہ ھو الحق المصیب فی ذلک الحروب ھندا مذھب اھل السنۃ الخ (نووی کتاب الفتن جلد دوم ص ۳۹۰) اور ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق وصواب پر تھے۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔'' قارئین حضرات اندازہ لگائیں۔ حکیم محمود احمد صاحب ظفر کی تلبیس کا کہ مذہب اہل سنت والجماعت کیا ہے اور انہوں نے اہلسنت والجماعت کی طرف یہ قول منسوب کر دیا کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو خطاء اجتہادی کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ کاش کہ حکیم صاحب یہ کتاب نہ لکھتے اور تعجب ہے کہ بعض اکابر علماء نے ان کی اس کتاب کو کیونکر اپنی تقریظات سے نوازا ہے اور ان تقریظات کی وجہ سے کئی ناواقف بھی اس کتاب کو اہل سنت کی کتاب سمجھنے لگے ہیں۔

درویش صاحب

یادش بخیر قاضی شمس الدین صاحب درویش ایک مولانا کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں: مخدوما فقیر کو بھی اس خلفشار کے کھڑا ہو جانے کا سخت افسوس ہے لیکن پہل خود قاضی چکوالی صاحب نے کی ہے کہ اکابر صحابہؓ کو خطائے اجتہادی کے مرتکب۔ صورتاً باغی اور گناہ کا کام کرنے والے۔ حکم خداوندی کی نافرمانی کرنے والے'' اور بہت کچھ لکھا ہے اور موصوف نے یہ تمام تر بحث موضوع حدیثوں کے سہارے سے کی ہے الخ (نقیب ختم نبوت دسمبر ۱۹۹۰ء ص ۴۶ قاضی مظہر چکوالی سے میری قلمی جنگ قسط دوم)

الجواب: (۱) حضرت امیر معاویہؓ ہوں یا کوئی اور صحابیؓ میں نے کسی کے بارے میں سوائے اجتہادی خطا کے اور کوئی بات نہیں لکھی اور حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کا قول معتقدات اہل سنت میں سے ہے جیسا کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں اور امام ربانی نے حضرت امیر معاویہؓ

کی طرف بغاوت کی نسبت بھی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت امیر معاویہ جنگ وجدل فرمودہ نہ بواسطہ میل ورغبت درامیر خلافت بودہ است بلکہ قتال باد بغاۃ فرض می دانستہ ودفع ایہامی کردہ قال تعاظم وتعالیٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تغینی الی امر اللّٰہ غایتہ مافی الباب چوں مہار بان حضرت امیر باغیاں مادل است وصائب رائے واجتہاد اند اگرچہ دریں اجتہاد مخطی باشند از طعن وملامت وار تفسیق وتکفیر دور اند الخ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب ۹۶ ص ۱۷۴): حضرت علیؓ نے امر خلافت کی طرف اپنے ذاتی میلان اور رغبت کی وجہ سے حضرت معاویہؓ سے جنگ نہیں کی بلکہ انہوں نے باغیوں سے جنگ فرض ہونے کی وجہ سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تبارک وتعاظم فرماتے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرو کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لیں۔ اس امر میں آخری بات یہ ہے کہ چونکہ امیر المومنین حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والے تاویل کرنے والے باغی ہیں اور وہ اہل رائے و اجتہاد ہیں۔ اگرچہ اس اجتہاد میں وہ خطا کرنے والے ہیں اس لیے طعن و ملامت اوران کو فاسق اور کافر کہنے سے وہ دور ہیں الخ

امام ربانی نے حضرت امیر معاویہؓ کو اجتہادی خطا کرنے والا اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بغاوت کرنے والا بھی قرار دے دیا تو قاضی شمس الدین صاحب نقشبندی مجددی اب کیا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں۔ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اور معاویہؓ کا محاربہ (یعنی جنگ) حضرت امیر کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۲۳)

نیز حضرت گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

اور یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خلافت معاویہؓ کو حضرت حسنؓ نے بنظر اصلاح جائز رکھا۔ اگرچہ خلافت نبوت نہ تھی مگر خلافت ملوکانہ تھی۔ (ایضاً ص ۸۶)

میں نے خطائے اجتہادی کی بحث میں مذکور عبارتیں خارجی فتنہ حصہ اول میں پیش کی ہیں اور اس کے بعد بعنوان ''تطبیق'' میں نے لکھا ہے کہ: مندرجہ عبارات کا حاصل یہ ہے کہ جن حضرات نے جنگ صفین کے سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کو باغی اور جائر وغیرہ کہا ہے ان کی مراد صورت بغاوت و جور ہے نہ کہ حقیقت کیونکہ یہی حضرات ان کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں اور اجتہادی خطا پر بھی ایک گونہ ثواب نصیب ہوتا ہے حالانکہ حقیقی گناہ اور معصیت پر ثواب نہیں ملتا الخ

(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۹۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

اور معاویہؓ سے فرمایا کہ اگر تو بادشاہ ہو جائے تو نیک کام کرنا اور فرمایا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اگر اللہ نے تجھے قمیص پہنائی۔ اس سے آپ خلافت مراد لے رہے تھے تو (ام المومنین) ام حبیبہؓ نے کہا کہ کیا اللہ میرے بھائی کو قمیص پہنانے والا ہے۔ فرمایا کہ ہاں۔ لیکن اس میں فسادات ہوں گے اور فسادات اور فسادات۔ اور اس کلمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی خلافت تسلط کے ذریعے سے منعقد ہو گی بیعت کے ذریعہ سے نہ ہو گی اور ان کی سیرت شیخین کی سیرت کے موافق نہ ہو گی اور وہ خلافت امام وقت سے بغاوت کے بعد منعقد ہو گی۔ اسی لیے آپ نے تین مرتبہ لفظ (فسادات) فرمایا اور نیز معاویہؓ سے فرمایا۔ تو والی امر بن جائے تو اللہ سے ڈر اور انصاف کر۔ یہ اشارہ امارت شام اور خلافت دونوں کی طرف

ہے۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم ج ۲ ص ۲۷۳)

درسِ عبرت

قاضی شمس الدین درویش ایک مولانا کے جواب میں لکھتے ہیں:

جب تک چکوالی صاحب صرف رفض کی تردید کرتے تھے تو ان کی سر گرمیوں سے فقیر کا دل بہت خوش ہوتا تھا اور فقیر ان کی کھل کر تعریف اور تائید کرتا تھا۔ پھر جب موصوف نے پینترا تبدیل کیا اور تحقیق کا کانٹا بدلا اور صرف حضرت معاویہؓ کی یکطرفہ خطا اور بغاوت پھیلانے کا سبائی دھندا شروع کیا اور حضرت عمرو بن عاص اور ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم کو خطا کار گنہگار اور حکم الٰہی کے نافرمان ثابت کرنا شروع کیا اور جعلی اور موضوع روایتوں سے کیا اور فسق یزید کو بھی موضوع روایتوں سے ثابت کرنے کے کرتب کھیلنے شروع کیے تو فقیر ٹھٹک کر رہ گیا کہ یا خدا یہ وہی چکوالی ہیں یا دوسرے چکوالی۔ تو فقیر نے چکوالی صاحب کی ان حرکات کو رفض کی خوبصورت اور بہت لطیف تائید سمجھا الخ (نقیب ختم نبوت نومبر ۱۹۹۰ ص ۱۸)

الجواب

(۱) اگر حضرت معاویہؓ کی طرف یک طرفہ اجتہادی خطا کی نسبت کرنا اور آپ کو حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقابلہ میں باغی قرار دینا درویش صاحب کے نزدیک سبائی دھندا اور رفض کی خوبصورت اور بہت لطیف تائید ہے اور یہ فتویٰ آپ نے سوچ سمجھ کر دیانتداری سے دیا ہے تو آپ کے نزدیک جن اکابرؒ امت نے حضرت امیر معاویہؓ کی طرف اجتہادی خطا اور بغاوت کی نسبت کی ہے وہ بھی آپ کے نزدیک سبائی دھندا اختیار کر کے رفض کی خوبصورت اور بہت لطیف تائید کرتے رہے ہیں۔ ذرا کھل کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ صرف چکوالی چکوالی کہنے سے کیا فائدہ۔ میں نے تو ان اکابر محققین کی عبارتیں ہی پیش کی ہیں اور انہی کے مسلک حق

کی ترجمانی کی ہے اور حسب ذیل حضرات کی عبارتیں خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۹۰ تا ص ۶۰۹ پر درج کردی ہیں:

(۱) امام عبدالقاہر بغدادیؒ متوفی ۴۲۹ھ (۲) علامہ ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ (۳) امام ابو اسحٰق اسفرائینیؒ متوفی ۴۱۸ھ (امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ (۵) قاضی ابوبکر بن العربیؒ متوفی ۴۵۳ (۶) حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ متوفی ۵۶۱ھ (۷) نووی متوفی ۶۷۶ھ (۸) صاحب ہدایہ امام علی بن بکر فرغانی مرغنیانی متوفی ۵۹۳ھ (۹) شارح ہدایہ امام ابن ہمامؒ متوفی ۸۶۷ھ (۱۰) امام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۶۸ھ (۱۱) حافظ ابن کثیر محدث ومفسرؒ متوفی ۷۷۴ھ (۱۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ (۱۳) حافظ ابن حجر مکیؒ متوفی ۹۷۴ / ۹۷۳ھ (۱۳) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ متوفی ۱۰۱۲ھ (۱۴) علامہ علی قاریؒ محدث حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ (۱۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ (۱۶) علامہ مولانا عبدالعزیز فرہارویؒ متوفی ۱۲۳۹۔۱۲۴۰ھ (۱۷) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی۔ ان کے علاوہ تمام اکابر دیو بند کا یہی مسلک ہے اور یہ مسلک جمہور اہل سنت کا ہے۔ ان حضرات میں سے امام عبدالقاہر بغدادیؒ، امام ابواسحٰق اسفرائینیؒ، امام غزالیؒ، امام نوویؒ، امام ابن ہمامؒ، حافظ ابن کثیرؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ ابن حجر مکیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور علامہ فرماہارویؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے لیکن اس کے برعکس حکیم محمود احمد ظفر اور قاضی شمس الدین درویش حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے ان مشاجرات وقتال میں دونوں کی اجتہادی خطا مانتے ہیں۔

امام غزالیؒ

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے تو تصریح کردی ہے کہ: لم یذھب الی

تخطئة عليؓ ذو تحصيل اصلاً (احیاء العلوم ج اص ۱۰۲): ''اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو کہا ہو کہ وہ خطا پر تھے۔'' (مذاق العارفین ج ا ترجمہ احیاء العلوم) اور قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے تو یہ فرمایا ہے کہ: اگر حضرت علیؓ کی جنگ نہ ہوتی تو ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کا طریقہ ہی نہ معلوم ہوتا۔'' (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۱۶)

امام اعظمؒ

اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی ارشاد ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری حنفی محدثؒ لکھتے ہیں: قال ابو حنيفة لولا علی لما يعرف اسيرة فی الخوارج (شرح فقہ اکبر) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو خوارج کے بارے میں کوئی طریقہ معلوم نہ ہوسکتا۔ اور علامہ ابن حزمؒ بھی فرماتے ہیں: وهو الامام الواجب طاعته (الفصل ص ٦٠) اور آپ (حضرت علیؓ) ہی اس وقت امام تھے جن کی اطاعت واجب تھی۔ بہرحال اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ ان مشاجرات (جنگ وقتال) میں حضرت علیؓ کا اجتہاد صحیح تھا اور دوسرے حضرات سے اجتہادی خطا ہوگئی۔

ایک اہم مطالبہ

قاضی شمس الدین درویش اور حکیم محمود احمد ظفر سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ جس طرح ہم نے اکابر محققین اہلسنت (جن میں متقدمین بھی ہیں اور متاخرین بھی) کی عبارتیں پیش کردی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے باہمی مشاجرات میں حضرت علیؓ مصیب تھے (یعنی ان کا اجتہاد صحیح تھا) اور حضرت معاویہؓ وغیرہ مخطی تھے یعنی ان سے اجتہادی خطا ہوگئی تھی اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اسی طرح آپ بھی ان اکابر محققین اہلسنت کی عبارتیں پیش کریں

جنہوں نے یہ لکھا ہو کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

ایک مولانا کے خط کا جواب (درویش)

قاضی شمس الدین ایک دوسرے مولانا کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں: دکھ کی بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ، حضرت عائشہؓ اور ان کے رفقائے کارؓ کو خطا کار ثابت کرنے کے لیے موصوف کرتب کھیل جانے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ اپنے مضمون جون ۱۹۹۰ء مندرجہ ''چار یار'' ص ۱۰۲ پر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی ندامت کے متعلق جو صرف ایک ہی سطر کی ہے وہ حاشیہ میں نقل کی اور اس کا ترجمہ بھی کیا اور حوالہ بھی ص ۱۸۰ ج ۳ منہاج السنۃ سے نقل کیا۔ پھر اس کی شرح بھی لکھی لیکن کیا یہ ظلم نہیں کہ اس ایک سطر کے بعد امام ابن تیمیہؒ نے اسی صفحہ ۱۸۰ ج ۳ منہاج السنۃ سے نقل کیا۔ پھر اس کی شرح بھی لکھی لیکن کیا یہ ظالم نہیں کہ اس ایک سطر کے بعد امام ابن تیمیہ نے اسی صفحہ ۱۸۰ ج ۳ منہاج السنۃ پر حضرت علیؓ کی ندامت اور پشیمانی اور غیر جانبدار صحابہؓ کے موقف کی بھرپور تعریف اور تائید کی اور پھر حضرت معاویہؓ کی بھی اس مضمون میں تعریف کی تو اس کو جناب چکوالی صاحب غچہ دے گئے۔ اب جناب ہی بتائیں کہ کیا اب بھی فقیر چپ رہے۔ یہاں تو اگر خاموش بنشینم گناہ است والی بات بن جاتی ہے۔

(نقیب ختم نبوت دسمبر ۱۹۹۰ء ص ۴۶ قاضی مظہر چکوالی سے میری قلمی جنگ)

الجواب

اگر کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنے کا مطلب آپ کے نزدیک ان کو خطا کار ثابت کرنے کے لیے کوئی کرتب دکھلانا ہے تو پھر یہی فتوی

ان حضرات اکابر پر بھی لگائیں جنہوں نے حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقائے کار کو ان مشاجرات میں اجتہادی خطا کرنے والا قرار دیا ہے۔ آپ اپنے آپ کو نقشبندی مجددی کہتے ہیں۔ اب پھر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

لیکن جمہور اہلسنت بہ دلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد براتند کہ حقیقت در جانب امیر بودہ ومخالف اوراہ خطارا پچودہ لیکن ایں خطاچوں خطائے اجتہادی است از ملامت وطعن دوراست واز تشنیع وتحقیر پاک ومبرا۔ از حضرت امیر منقول است کہ فرمودہ برداران مابر ما باغی گشتند لیتہانہ کافراں ونہ فاسقاں۔ زیرا کہ ایشاں راتا ویلے است کہ منع کفر وفسق می کند۔ پس اہل سنت درفضہ ہر دو تخطہ محارباں امیری نمائند دہر دو بحقیت جانب امیر قائل۔ لیکن اہل سنت زیادہ از اطلاق لفظ خطا کہ ناشی از تاویل است درحق محارباں امیر تجویز نمی کنند وزبان راازطعن وتشنیع ایشاق نگاہ می دراند ومحافظت حق صحبت خیرا لبشر نمائند علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی مکتوب ۳۶۔ طبع قدیم ص ۵۳۔ ۵۴۔ لیکن جمہور اہلسنت اس دلیل کی بنا پر جوان پر ظاہر ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حضرت امیر (علی المرتضیٰؓ) حق پر تھے اور آپ کے مخالف غلط راہ پر چلے لیکن یہ چونکہ اجتہادی خطا ہے اس لیے ملامت اور طعن سے دور ہے اور تشنیع وتحقیر سے پاک اور مبرا ہے) حضرت امیر (علیؓ) سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے بھائی ہمارے خلاف باغی ہو گئے لیکن یہ نہ کافر ہیں اور نہ فاسق کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر فسق سے روکتی ہے۔ پس اہل سنت اور رافضی دونوں حضرت علیؓ سے لڑنے والوں کو خطا پر قرار دیتے ہیں اور دونوں حضرت امیرؓ کے حق ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن اہل سنت خطا سے زیادہ کوئی لفظ حضرت امیرؓ سے لڑنے والوں کے بارے میں نہیں بولتے کیونکہ ان کی

خطا کا منشا تاویل ہے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے سے زبان کو روکتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ ﷺ کے صحابی ہونے کے حق کی حفاظت کرتے ہیں علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) (۲) میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور و معروف کتاب آفتاب ھدایت ردّ رفض و بدعت "کی ایک عبارت سے درویش صاحب نے یہ غلط نتیجہ نکالا تھا کہ مولانا دبیر مرحوم بھی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی اجتہادی خطا تسلیم کرتے ہیں میں نے ان کے استدلال کا رد کیا تھا اور حضرت علی المرتضیٰؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق جو حضرت والد صاحب نے لکھا ہے کہ دونوں سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی۔ میں نے لکھا تھا کہ انہوں نے شیعوں کو یہ الزامی جواب دیا ہے اور اسی سلسلہ میں بندہ نے منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۰ سے حاشیہ میں یہ عبارت درج کی تھی: **وکذلک عائشة رضی اللہ عنهما ندمت علی میسرها الی البصرة وکانت اذا ذکرته تبکی حتی تبل خمارها** الخ: اور اسی طرح حضرت عائشہؓ اپنے بصرہ جانے پر پریشان ہوئیں اور جب آپ اس کو یاد کرتیں تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی (ماہنامہ حق چار یارؓ ص ۱۰۲ ماہ جون جولائی ۱۹۹۰) میری اس تحریر کو جناب درویش صاحب نے مورد طعن بنالیا اور اتنے غضب ناک ہوگئے کہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اب بھی خاموش رہوں تو گناہ ہوگا۔ اور ان کے نزدیک میرا جرم یہ ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ندامت کے متعلق تو عبارت لکھ دی لیکن اس کے بعد امام ابن تیمیہؒ نے جو حضرت علیؓ کی ندامت کا ذکر کیا ہے اس کو مدنظر انداز کردیا۔

حضرت علیؓ کا ندامت نامہ

میں نے تو مختصراً حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق ابن تیمیہؒ کی عبارت لکھی

تھی لیکن قاضی درویش صاحب نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ کا مفصل ''ندامت نامہ'' (از ص ۴۷ تا ص ۵۰) چار صفحات میں پیش کر کے اپنا عندیہ ظاہر کر دیا ہے۔ بخوف طوالت ہم اس کے بعض ضروری اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ درویش صاحب لکھتے ہیں:

خلیفہ راشد چہارم حضرت علیؓ کے اس واضح ''ندامت نامہ'' کو پڑھ کر جب فقیر قاضی چکوالی صاحب کے کرتوت دیکھتا ہے تو مدعی سست گواہ چست یا من چہ سرائم وطبورۂ من چہ سرایدوالی بات ہی نظر آتی ہے۔ فقیر حضرت علیؓ کا یہ منظوم اور منثور مفصل ندامت نامہ منہاج السنۃ ص ۱۸۰ ج ۳ سے ہی باترجمہ نقل کرتا ہے۔ خود جناب پڑھ لیں اور چکوالی صاحب کے مشاجرات صحابہ کے خارزار میں نہ الجھنے کے لیے فقیر نے ہر جتن کیا لیکن سوائے افسوس کے اور فقیر کیا کر سکتا ہے۔ شاید چکوالی صاحب کا مشن ہی یہی ہے کہ مشاجرات کے بھولے بسرے واقعات دوبارہ منصۂ شہود پر آجائیں اور گڑے مردے اکھیڑتے رہیں۔ فیا للاسف۔

اب خلیفہ راشد چہارم امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا ''ندامت نامہ'' ترجمہ سمیت پیش خدمت ہے اور بڑے دکھ سے یہ واقعات منظر عام پر لانے پڑے ہیں۔ پوری دنیا کا باطل ملت واحدہ بن کر اسلام کو للکار رہا ہے اور ایک ہم ہیں کہ آپس کی سر پھٹول سے فارغ نہیں۔ مودودی صاحب نے سینوں کا لبادہ اوڑھ کر جس طرح رفض کو کمک پہنچائی وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ اب وہی کام جناب چکوالی صاحب کر رہے ہیں اور افسوس کہ سُنیوں کے سرمایہ سے کر رہے ہیں۔ دعائیں فرمائیں فقیر کا زیر ترتیب مضمون مکمل ہو جائے پھر چھپ بھی جائے تو وہ انکشافات سامنے آئیں گے کہ سنی دنیا حیران رہ جائے گی۔ از درویش ڈاکخانہ ہری پور ہزارہ ۱۶ نومبر ۱۹۹۰ء) اب خلیفہ چہارم امیر المومنین حضرت علیؓ کا مفصل ندامت

نامہ ملاحظ فرمائیں۔ امام ابن تیمیہ" منہاج السنتہ ص ۱۸۰ جلد ۳ پر سطر ۸ تا ۱۶ پر لکھتے ہیں: وعلی بن طالب رضی اللہ عنہ ندم علی امور فعلھامن القتال وغیرہ وکان یقول (آگے یہ مثلث (سہ بیتہ) نقل کیا ہے۔ لقد عجزت عجزۃ الخ اردو ترجمہ: اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے ان بہت سے کاموں پر نادم اور پشیمان ہو گئے تھے جو موصوف نے (جمل و صفین) کی جنگوں کی صورت میں کیے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسا بے بس ہو گیا تھا کہ میرے پاس اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہے اور آئندہ میں بہت ہوشیاری سے چوکنا ہو کر رہوں گا اور متفرق اور منتشر آرا کو مجتمع کر کے رکھوں گا (یعنی ایک ہی رائے پر پختہ رہوں گا) اور صفین کے زمانے میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت سعد بن مالکؓ (ابی وقاص) سے کیا اچھا (غیر جانبداری والا) موقف اختیار کروایا تھا جس موقف پر وہ ثابت قدم بھی رہے تھے۔ ان کا یہ موقف اگر اچھا ہے تو اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اگر غلط ہے تو بھی اس کی برائی بہت کم ہے۔ پھر حضرت حسنؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یا حسن۔ یا حسن! تیرے باپ کو یہ گمان نہ تھا کہ معاملہ اتنا بڑھ جائے گا اور اب تو تیرا باپ یہ آرزو کرتا ہے کہ یہ سب کچھ پیش آنے سے بیس برس پہلے کاش کہ تیرا باپ مر چکا ہوتا اور جب آپ صفین سے واپس آئے تو آپ کا انداز کلام بالکل ہی بدل گیا تھا اور آپ کہا کرتے تھے کہ لوگو! معاویہؓ کی حکومت کو برا مت سمجھو کیونکہ اگر تم معاویہؓ کو بھی گم کر بیٹھے تو تم دیکھو گے کہ سر اپنے کندھوں سے کیسے اُڑتے پھرتے ہیں۔ یہ روایت حضرت علیؓ سے دو یا تین مختلف طریقوں سے مروی ہے اور تواتر کے ساتھ ایسی روایات موجود ہیں کہ پیش آمدہ حالات اور واقعات کو آپ آخر میں ناپسند کرنے لگے تھے اور آپ دیکھ رہے تھے کہ لوگوں میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور فرقوں میں بٹ گئے ہیں اور

برائیاں اور شر بہت بڑھ چکے ہیں اور اس سے یہی پختہ نتیجہ نکلتا ہے اگر حضرت علیؓ کو ان پیش آمدہ حالات کا پہلے سے علم ہو جاتا جو واقعات بعد میں ان کو پیش آئے تھے تو جو کچھ وہ کر چکے تھے ہرگز نہ کرتے ۔ منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۰۔ مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۲۲ء از سطر ۹ تا سطر ۱۶۔ کل ۸ سطر) اس کے بعد حاشیہ پر درویش صاحب لکھتے ہیں : اس مفصل ندامت نامے نے چکوالی صاحب کے خود تراشیدہ تصورات اور تخیلات کو جو وہ سالہا سال سے تعبیر کر رہے تھے ایک جھٹکے میں زمین دوز کر کے رکھ دیا اور اس سے صاف واضح ہو گیا کہ آخر میں حضرت علیؓ ان غیر جانبدار اصحاب کے موقف کو کتنا اچھا سمجھنے لگ گئے تھے اور حضرت معاویہؓ کے وجود کو امت مسلمہ کے تحفظ کے لیے ضروری سمجھتے تھے اور امام ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ کے متعدد مقامات پر اس ندامت نامے کو قدرے اختصار سے ہو بہو لکھا ہے جو آگے آ رہا ہے) اس کے بعد درویش صاحب نے ابن کثیر کی بھی وہ عبارت پیش کی ہیں جن کے نقل کرنے کی اب ضرورت نہیں ۔ پھر آخر میں درویش صاحب لکھتے ہیں : سبحان اللہ حضرت علیؓ نے کتنا سچ فرمایا۔ حضرت معاویہؓ کا وجود فتنوں کے آگے مضبوط بند تھا۔ وہ بند جب ٹوٹا تو پھر واقعہ کربلا۔ واقعہ حرہ اور حصار و شہادت حضرت ابن زبیرؓ جیسے پے در پے المناک واقعات امت مسلمہ کے سر سے گزر گئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔ سچ کہا کسی نے قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ (نقیب ختم نبوت دسمبر ۱۹۹۰ء)

الجواب

(۱) قارئین حضرات اندازہ فرمائیں (درویش صاحب کس طرح مزے لے لے کر حضرت علیؓ کا ندامت نامہ پیش کر رہے ہیں اور ایک دفعہ نہیں بلکہ غالباً چھ مرتبہ انہوں نے حضرت علیؓ کا مفصل ندامت یا ندامت نامہ " کے الفاظ لکھے ہیں اور اگر بالفرض میں حضرت معاویہؓ کے متعلق کوئی ایسا عنوان قائم کرتا تو پھر یہ یزیدی

درویش ماتمیوں کی طرح ہائے دادیلا سے اودھم مچا دیتے۔ (۲) حضرت علیؓ المرتضیٰ کے منقولہ ندامت نامہ کے متعلق تو بعد میں عرض کروں گا پہلے درویش صاحب سے میرا سوال یہ ہے کہ میں نے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی منقولہ عبارت کے بعد حضرت علیؓ کے متعلق امام ابن تیمیہؒ کی عبارت چھوڑ دی تھی (جس کو آپ سبائیت نوازی سے تعبیر کر رہے ہیں لیکن آپ نے اس سے پہلے کی عبارت کیوں درج نہیں کی جس میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی ندامت اور توبہ کا ذکر ہے اور آپ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق مندرجہ عبارت سے پہلے کی عبارت بھی نقل نہیں کی جس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی ندامت کا ذکر ہے۔ کیا آپ کا یہ درویشانہ کرتب قابل مدح ہے۔ ابن تیمیہؒ کی سابقہ عبارت حسب ذیل ہے: وعثمان بن عفان رضی الله عنه قاب توبته ظاهرة من الامور التی صاروا ینکرونها ویظهرله انها منکر وهذا ماثور مشهور عنه رضی الله عنه وارضا وکذلک عائشة رضی اللّٰه عنها ندمت علی میسرها الی البصره وکانت اذا ذکرته تبکی حتی تبل خمارها وکذلک طلحتهؓ ندم علی ظن من تفریطه فی نصر عثمان وعلی غیر ذلک والزبیرؓ ندم علی میسره یوم الجمل وعلی بن ابی طالب رضی الله عنه ندم علی امور فعلها من القتال وغیره وکان یقول الخ (منهاج السنة جلد سوم ص ۱۸۰)

حضرت عثمانؓ بن عفان کے جن امور پر لوگوں نے نکیر کی تھی اور آپ پر بھی یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ منکر امور ہیں تو آپ نے ان امور سے ظاہر طور پر توبہ کر لی اور یہ بات آپ سے منقول اور مشہور ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہؓ نے بھی اپنے بصرہ کے سفر پر ندامت کا اظہار کیا اور جب آپؓ اس کا ذکر کرتی تھیں تو آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی اور اسی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی ندامت کی

اور حضرت زبیرؓ بھی جنگ جمل میں شریک ہونے پر پشیمان ہوئے اور حضرت علیؓ بھی جنگ وقتال کرنے پر پشیمان ہوئے الخ (ب) اور علامہ ابن تیمیہ نے اسی سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ: انہ قاب من امور کثیرۃ انکرت علیہ وندم علیھا. حضرت عثمانؓ نے ان بہت سے کاموں سے توبہ کرلی اور ان پر پشیمان ہوئے جن کی وجہ سے ان پر نکیر کی گئی تھی۔

(۲) اور ابن تیمیہؒ حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل ومناقب بیان کرنے کے بعد خود لکھتے ہیں کہ: ولم یتول احد من الموک خیرا من معاویۃ فھو خیر ملوک الاسلام وسیرتہ خیر من سیرۃ سائر الملوک بعدہ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۲۱)

اور بادشاہوں میں سے کوئی بھی حضرت (معاویہؓ) سے بہتر بادشاہ نہیں ہے آپ اسلام کے ملوک (بادشاہوں) میں سب سے بہتر ہیں اور آپ کی سیرت باقی تمام بادشاہوں کی سیرت سے بہتر ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

وعدل عمر بن عبدالعزیز اظھر من عدل معاویۃ وھو ازھد من معاویۃ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عدل حضرت معاویہؓ کے عدل سے زیادہ ظاہر ہے اور وہ حضرت معاویہؓ سے زیادہ زاہد ہیں الخ

(۳) اور اس کے بعد ہی حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

وعلی آخر الخلفاء الراشدین الذین ولایتھم خلافۃ نبوۃ ورحمۃ (ایضاً ص ۱۲۱) اور حضرت علیؓ خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ راشد ہیں جن کی حکومت خلافت نبوت ورحمت ہے اور اس کی تائید میں ابن تیمیہؒ نے یہ

حدیث پیش کی ہے:

تکون نبوۃ ورحمۃ ثم تکون خلافۃ نبوۃ ورحمۃ ثم یکون ملک ورحمۃ ثم یکون ملک (ایضاً ص ۱۲۱)

پہلے نبوت اور رحمت ہوگی پھر خلافت نبوت اور رحمت ہوگی پھر بادشاہی اور رحمت ہوگی پھر بادشاہی ہوگی۔

اس حدیث کے تحت علامہ ابن تیمیہؒ نے حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت ورحمت کے بعد دور خلافت نبوت ورحمت کا مصداق چار خلفاء راشدین کو قرار دیا ہے اور ملک ورحمت کا مصداق حضرت معاویہؓ کو قرار دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ حضرت معاویہؓ کو خلفاء راشدین میں شمار نہیں کرتے بلکہ ملوک (بادشاہوں) میں شمار کرتے ہیں البتہ آپ کو تمام بادشاہوں سے بہتر بادشاہ تسلیم کرتے ہیں لیکن قاضی درویش صاحب کے نزدیک تو امام ابن تیمیہ بھی سبائیوں کی فہرست میں شمار ہو جائیں گے کہ انہوں نے آیت اولیک ھم الراشدون کو نظر انداز کر کے حضرت معاویہؓ کو ملوک میں شامل کر دیا۔

☆☆☆

(۱) ایک مشہور شیعی مجتہد حسن بن یوسف المعروف بہ حلی متوفی ۷۲۶ھ نے عقیدہ امامت کے بیان میں ایک کتاب بنام ''منہاج الکرامۃ فی معرفۃ الامامۃ'' تصنیف کی تھی جس میں خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کو طعن وملامت کا ہدف بنایا گیا تھا۔ اسی کتاب کے جواب میں علامہ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم المعروف با بن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ نے ایک جامع کتاب منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ تصنیف کی جو چار جلدوں میں مطبوعہ مصر شائع ہو چکی ہے۔ قاضی شمس الدین درویش نے اسی کتاب کے اقتباسات پیش کیے ہیں جس سے انہوں نے

حضرت علیؓ کا ندامت نامہ ثابت کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی مشاجرات صحابہؓ (جنگ جمل وصفین) میں خطائے اجتہادی کا ارتکاب کیا ہے۔

(۲) شیعی مصنف حلی نے حضرت عثمانؓ پر متعدد اعتراضات کیے تھے کہ انہوں نے نااہلوں کو والی بنایا اور اپنے اقرباء کو عہدے دیئے وغیرہ تو علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کا مختلف پہلوؤں سے جواب دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ: کل مانیقل عن عثمان غایته ان یکون ذنب او خطاوعثمان رضی اللّٰہ عنه قد حصلت له اسباب المغفرة من وجوه کثیرة منهامسابقته وایمانه وجهاده وغیر ذلک من طاعاته وقد ثبت ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم شهدله بل بشره بالجنته علی بلوی نصیب ومنه انه تاب من عامته ماانکروه علیه وانه ابتلی ببلاء عظیم فکفر اللّٰہ به خطایاه وصبر حتی قتل شهیداً مظلوماً وهذا من اعظم مایکفر اللّٰہ به الخطایا. وکذلک علیؓ ماتنکره الخوارج وغیرهم علیه غایته ان یکون ذنباًاوخطاء وکان قد حصلت اسباب المغفرة من وجوه کثیرة منهاسابقته وایمانه وجهاده وغیر ذلک من طاعته وشهاده النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم له بالجنته ومنها انه تاب من امور کثیرة انکرت علیه وندم علیها ومنها انه قتل مظلوماًشهیداً (منہاج السنۃ جلد سوم ص ۱۷۷): اور جو کچھ حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ گناہ ہے یا خطاء اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے کتنی وجہوں سے مغفرت کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے اس کا سابق الاسلام اور مومن ہونا اور جہاد کرنا وغیرہ نیکیاں ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے لیے نہ صرف جنت کی شہادت دی ہے بلکہ ان کو اس موقع پر جنت کی بشارت سنائی ہے جبکہ ان کو بلوائیوں

کی طرف سے مصیبت آئے گی اور اسباب مغفرت میں سے یہ بھی ہے کہ اُن پر جن امور کی وجہ سے نکیر کی گئی تھی اس سے انہوں نے رجوع کر لیا اور نیز آپ کو ابتلائے عظیم پیش آیا اور آپ نے صبر کیا جس کی وجہ سے اللہ نے ان کی خطاؤں کو مٹا دیا اور یہی حال حضرت علیؓ کا ہے کہ خارجیوں وغیرہ نے ان پر نکیر کی اور اس کی نیابت بھی یہی ہے کہ وہ گناہ ہے یا خطا اور آپ کو بھی کتنی وجوہ سے اسباب مغفرت حاصل ہوئے ہیں جن میں سے ان کا سابق الاسلام اور مومن ہونا اور آپ کا جہاد کرنا اور آپ کی دوسری نیکیاں۔ نبی ﷺ نے آپ کے لیے جنت کی شہادت دی اور اسباب مغفرت میں یہ بھی ہے کہ جن امور کی وجہ سے آپ پر نکیر کی گئی تھی ان میں سے زیادہ امور سے انہوں نے رجوع کر لیا اور ان پر ندامت ظاہر کی اور اسباب مغفرت میں یہ بھی ہے کہ آپ ظلماً قتل ہوئے اور آپ شہید ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی منقولہ عبارت کی وجہ سے جناب درویش پر لازم ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نہ صرف ندامت نامہ بلکہ توبہ نامہ شائع کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ رافضی مصنف علامہ حلی کے مطاعن کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض حضرت عثمانؓ سے اور حضرت علیؓ سے کوئی گناہ بھی سرزد ہوا ہے یا بعض امور میں خطا ہوگئی ہے تو ان کی مغفرت کے کئی اسباب پائے جاتے ہیں۔ ان حضرات کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور ان کی حسنات اور ان کی شہادت بھی ان کی خطاؤں کا کفارہ بن سکتی ہے۔ اس لیے ان جنتی حضرات پر کسی طعن و تشنیع کی گنجائش نہیں۔

(۳) حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے جن بعض امور پر ندامت کا اظہار فرمایا ہے یہ ان کے ایمان و تقویٰ کے کامل ہونے کی علامت ہے کیونکہ وہ مقربان بارگاہ الوہیت تھے۔ حسب ضابطہ مقربان را بیش بود حیرانی وہ ادنیٰ

سے ادنیٰ لغزش کو بھی بہت بڑا سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کہ امام ابن تیمیہؒ نے اس مذکورہ بحث میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

وبالجملة ليس علينا ان نعرت ان كل واحد تاب ولكن نحن نعلم ان التوبة مشروعة لكل عبدللانبياء ولمن دونهم وان الله سبحانه يرفع عبده بالتوبة و اذاابتلاه بما يتوب منه فالمقصود كمال النهاية لانقص البداية فانه تعالىٰ يحب التوبين ويحب المتطهرين الخ

(ایضاً ص ۱۸۰)

"اور حاصل کلام یہ ہے کہ ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ جانیں کہ ہر ایک نے توبہ کی ہے لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ توبہ ہر ایک بندہ کے لیے مشروع ہے انبیاء کے لیے بھی اور غیر انبیاء کے لیے بھی اور اللہ سبحانہ توبہ کی وجہ سے اپنے بندے کا رتبہ بلند کرتا ہے اور جب اپنے بندے کو ایسے امر میں مبتلا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرے تو اس سے مقصود انتہائی درجے کا کمال ہوتا ہے نہ کہ ابتدائی درجے کا ناقص ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک ہونے والوں سے بھی محبت کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ توبہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے بھی مشروع ہے اور انہوں نے بھی توبہ کی ہے حالانکہ وہ معصوم ہیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے اگر بعض امور میں توبہ منقول ہے تو یہ ان کے کمال کی دلیل ہے نہ کہ نقص کی۔ قرآن حکیم میں انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی توبہ مذکور ہے اور خصوصاً حضرت آدم علیہ السلام کیلیے جبکہ آپ کو اور حضرت حواء کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ **لاتقرب هذه الشجرة فتكونا من الظالمين** (سورۃ البقرہ آیت ۳۵) اور مت نزدیک جاؤ اس درخت کے پس ہو جاؤ گے ظالموں سے"۔ (ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین

صاحب دہلویؒ)۔اور نہ نزدیک جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی ان ہی میں شمار ہو گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توبہ کے یہ کلمات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی اور حضرت یونس علیہ السلام نے ان کلمات کے ساتھ توبہ کی لا الـــــــه الا انــت سبحانک انی کنت من الظلمین ۔کیا قاضی شمس الدین درویش ان انبیاء کرام کے مذکورہ کلمات کے پیش نظر اب حضرت آدم، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہم السلام کا ظلمنا نہ شائع کریں گے۔اگر وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم مانتے ہیں تو یہی کہیں گے ان سے تو کسی قسم کا گناہ بھی نہیں ہوا بلکہ ان کی شان نبوت کے تحت لغزش کا صدور ہوا ہے جس کو ذلت کہا جاتا ہے جس میں ان کے ارادہ کا کوئی دخل نہیں بلکہ وہ خوف وخشیت خداوندی کے پیش نظر ایک معمولی لغزش پر بھی بہت زیادہ ندامت کا اظہار کرتے ہیں۔چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: بعد ازاں حاصل کرنے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ (یعنی معذرت کے کلمات کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہوئے تھے حضرت آدم علیہ السلام کی ندامت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور خود ہی معذرت کے الفاظ تلقین فرمادیے) تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر (یعنی توبہ قبول کرلی)

حضرت علیؓ کی ندامت

جب انبیاء علیہم السلام باوجود معصوم ہونے کہ بھی اپنے کیئے پر ندامت کا اظہار کرتے ہیں تو اگر حضرت علی المرتضیٰؓ نے ندامت کا اظہار کردیا تو وہ کیوں قابل گرفت ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جب ان جنگوں کا انجام دیکھا کہ فریقین کے ہزاروں افراد قتل ہوئے ہیں۔تو اس پر تاسف اور ندامت کا اظہار کیا کہ کاش ایسا

نہ ہوتا تو کون ایسا مسلمان ہے جو اس پر اظہار افسوس نہ کرے۔ علاوہ ازیں حضرت علی المرتضیٰؓ خطائے اجتہادی سے محفوظ تھے۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ محقق باشند و مخالف ایشاں برخطا۔ ہر چند دراسر محاربہ حق بجانب امیر بودہ۔ (مکتوبات جلد دوم مکتوب نمبر ۲۶ طبع قدیم ص ۵۸)

یہ لازم نہیں ہے کہ حضرت امیر تمام اخلاقی امور میں حق پر ہوں اوران کے مخالف خطا پر۔ البتہ محاربہ (باہمی جنگ وقتال) میں حق وصواب حضرت امیر (علی المرتضیٰؓ) کی طرف تھا۔

اور اسی مکتوب میں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں تین موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''لیکن جمہور اہل سنت بہ دلیلے کہ برایشاں شدہ باشد برانند کہ حقیقت درجانب امیر بود لیکن مخالف او راہِ خطارا بیجودہ لیکن ایں اخطا براشیاں چوں اجتہادی است از ملامت وطعن دور است۔

''لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بناپر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے یہ مسلک رکھتے ہیں کہ حق حضرت امیر کی جانب تھا اور آپ کے مخالف خطا کے راستہ پر چلے لیکن چونکہ یہ اجتہادی خطا ہے اس لیے طعن وملامت سے دور ہے۔'' اور زیر بحث مسئلہ ہی یہی ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں کون فریق حق وصواب پر تھا اور کس سے خطائے اجتہادی کا صدور رہوا۔

توقف کا مسلک

قاضی درویش صاحب اسی سلسلے میں لکھتے ہیں'': اس مفصل ندامت نامے نے چکوالی صاحب کو خود تراشیدہ تصورات اور تخیلات کو جو دہ سالہاسال سے تعبیر

کرر ہے تھے ایک جھٹکے میں زمین دوز کر کے رکھ دیا اور اس سے صاف واضح ہو گیا کہ آخر میں حضرت علیؓ ان غیر جانب دار اصحاب کے موقف کو کتنا اچھا سمجھنے لگے تھے اور حضرت معاویہؓ کے وجود کو امت مسلمہ کے تحفظ کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ (نقیب ختم نبوت دسمبر ۱۹۹۰ء)

الجواب:۔ (۱) درویش صاحب جواب دیں کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہی جنگ ہوئی تھی اور غیر جانبدار صحابہ وہ تھے جنہوں نے کسی بھی ایک فریق کی مدد نہیں کی۔ تو حضرت علی المرتضیٰؓ کس کام میں غیر جانبدار رہ سکتے تھے۔ کیا وہ اپنی خلافت سے دست بردار ہو جاتے۔ حالانکہ آپ کی خلافت بھی پہلے تین خلفاء راشدین کی طرح قرآن کی چوتھی موعودہ خلافت راشدہ تھی۔ چنانچہ خود درویش صاحب نے بھی مکتوب محررہ ۲۰ مئی ۱۹۸۵ء میں لکھا ہے کہ:

ان چاروں خلفاء راشدین میں سے باتفاق صحابہ اور حضرت علیؓ کی خلافت باختلاف صحابہؓ آیت استخلاف وتمکین کی مصداق اول تھی الخ

یہاں درویش صاحب نے حضرت علیؓ کی خلافت کو باختلاف صحابہ آیت استخلاف وتمکین کا مصداق قرار دیا۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ کیا جناب درویش یہ نظر یہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو باقتضاء النص نہیں تسلیم کرتے تھے۔ اگر بعض صحابہؓ نے باوجود اقتضاء النص کے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تو پھر آپ باقتضاء النص حضرت علیؓ کی خلافت کو کیوں تسلیم کرتے ہیں۔ کیا آپ حضرت معاویہؓ کی تحقیق کو غلط سمجھتے ہیں ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

(۲) درویش صاحب خود لکھ چکے ہیں کہ: حقیقت یہ ہے کہ ان مشاجرات میں حضرات صحابہؓ کے تین گروہ تھے۔ ایک گروہ تو بالکل غیر جانب دار تھا اس پر یہ واضح نہ تھا کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں یا حضرت معاویہؓ حق پر ہیں۔ اس لیے وہ کسی

طرف بھی نہ تھا۔ دوسرا گروہ حضرت علیؓ کا تھا۔ ان کا اجتہاد اور اعتقاد یہ تھا کہ حق پر صرف حضرت علیؓ ہیں اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی قطعاً باغی ہیں جن کے ساتھ احقاق حق کے لیے لڑنا واجب ہے۔ تیسرا گروہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کا تھا۔ ان کا اعتقاد اور اجتہاد یہ تھا کہ حق پر صرف حضرت معاویہؓ ہیں اور مخالف گروہ (حضرت علیؓ) باغی ہے اور اس کے ساتھ احقاق حق کے لیے لڑنا واجب ہے (نووی) اصل الفاظ یوں ہیں.... بل اعتقد کل فریق انه الحق و مخالفه باغ۔ پھر امام نووی نے یہی بات زیادہ وضاحت سے ص۲۷۲ جلد۲ پر بھی لکھی ہے: پہلا گروہ جو بالکل غیر جانب دار تھا ان کا مسلک بیان کرتے ہوئے امام ابن حزم لکھتے ہیں:

> وزهب سعد بن ابی وقاص وعبدالله بن عمرو جمهورا لصحابه الی الوقوف فی علی واهل الجمل واهل الصفین وبه یقول جمهوراهل السنة وابو بکر کیسان ۔ (ترجمہ) حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور صحابہؓ کی اکثریت کا یہی مسلک تھا کہ علیؓ اور اہل جمل اور اہل صفین کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے یعنی کسی کو بھی برا یا غلط نہ کہا جائے اور جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا بھی یہی مسلک ہے۔

دیکھئے اگرچہ امام ابن حزم کا اپنا یہ مسلک نہیں مگر وہ بھی اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ صحابہ کی اکثریت اور جمہور متقدمین اہل سنت کا مسلک یہی تھا کہ وہ ان مشاجرات میں توقف کے قائل تھے۔" (نقیب ختم نبوت جون ۱۹۹۰ء ص۱۶۔۱۷)

الجواب:۔ (۱) فرمائیں کہ اگر جمہور صحابہؓ کی اکثریت اور جمہور اہل سنت کا

مسلک توقف کا ہے اور بقول آپ کے ابن حزم اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں تو پھر انہوں نے خود یہ توقف کا مسلک کیوں نہیں اختیار کیا اور وہ مسلک اختیار کیا جو خلاف حقیقت تھا۔

(۲) اگر آپ کے نزدیک صحابہؓ کی اکثریت اور جمہور اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ مشاجرات صحابہؓ میں توقف اختیار کیا جائے تو آپ خود یہ مسلک کیوں نہیں اختیار کرتے اور اس کے برعکس آپ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی خطائے اجتہادی تسلیم کوتے ہیں۔ آخر یہ گڑبڑ کیسی؟ کیا سینہ میں یہ مرض تو نہیں ہے کہ کسی نہ کسی پہلو سے حضرت علیؓ کی خلافت کو مجروح کیا جائے۔ اگر میں نے باتباع جمہور یہ لکھا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؓ کا اجتہاد صحیح ہے اور حضرت امیر معاویہؓ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے تو آپ سیخ پا ہوتے ہیں لیکن اگر میں بھی حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کی اجتہاری خطا بھی تسلیم کرلوں تو پھر آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں رہتی۔ آخر اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

(۳) امام نوویؒ کی عبارت سے آپ نے خود تسلیم کیا ہے کہ: ایک گردہ تو بالکل غیر جانبدار تھا۔ اس پر یہ واضح نہ تھا کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں یا حضرت معاویہؓ حق پر اس لیے وہ کسی طرف بھی نہ تھا۔" تو اگر ان پر کوئی حقیقت کھل نہیں سکی اور تردّد میں رہے تو پھر اس تردّد والے مسلک کو کیونکر صحیح اور حق پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ حق تو وہ ہوتا ہے جس میں شرح صدر ہو جائے۔؟ یہ بھی فرمائیں کہ ان کے نزدیک اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی بالیقین حق پر نہ تھا تو کیا ان غیر جانبدار حضرت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے ان دو گردہوں میں سے کوئی خلاف حق بھی ہو سکتا تھا۔ کیا اس سے شیعیت اور سبائیت کی تائید نہیں ہوتی جو بعض صحابہؓ کو حق پر سمجھتے ہیں اور بعض کو خلاف حق پر۔ سمجھ کر جواب دیں۔ حالانکہ میں نے واضح طور پر اپنی تصانیف

میں لکھا ہے دونوں فریق حق پر تھے۔ ان میں کوئی بھی باطل پر نہ تھا اور اجتہادی خطا حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے حق کے خلاف نہیں ہوتی اور چونکہ مودودی صاحب حضرت امیر معاویہؓ کو باطل پر سمجھتے تھے اور اس لیے میں نے ان کا رد کرتے ہوئے بعنوان ٔحضرت معاویہؓ اور مودودی'' یہ لکھا تھا کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے یہ دُعا فرمائی ہے کہ اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا (ترمذی شریف) اے اللہ معاویہؓ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنادے۔'' اس میں حضرت معاویہؓ کی بہت بڑی فضیلت پائی جاتی ہے کیونکہ اوّل تو آپ صحابی ہیں اور پھر آپ کے لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی جامع دُعا فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا آپ سے صلح کر لینا اور آپ کو اس وقت کی وسیع مملکتِ اسلامیہ کا خلیفہ تسلیم لینا اور پھر امام کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ۱۹ یا ۲۰ سال حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو تسلیم کیے رکھنا اور آپ کی طرف سے سالانہ وظیفہ قبول کر لینا حضرت معاویہؓ کی حقانیت اور خلافت حقہ کی ایک زبردست شہادت ہے الخ (مودوری مذہب پاکٹ سائز ص ۴۷)

(۲) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی کتاب ''مودودی عقائد اور دستور کی حقیقت'' کے مقدمہ میں بندہ نے مودودی جرح وتنقید کے جواب میں لکھا ہے کہ: اگر حضرت معاویہؓ کا کردار یہی ہوتا تو حضرت امام حسنؓ آپ سے مصالحت نہ کرتے اور نہ ہی اس وقت کی ساری ملت اسلامیہ حضرت معاویہؓ کے پرچم تلے جمع ہوتی اور نہ حضرت حسنؓ دس سال تک حضرت معاویہؓ کو خلیفہ بنائے رکھتے اور نہ ہی حضرت حسینؓ ۱۹ یا ۲۰ سال تک بیت المال سے وظیفہ لے کر

حضرت معاویہؓ کی خلافت کے سایہ میں اتنا طویل وقت گزارتے۔" (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ ہرنولی ضلع میانوالی ص۲۴) اور یہ عبارتیں میں "نے کشف خارجیت" ص۲۶۹-۲۷۰ پر بھی درج کر دی ہیں۔

(۳) مولوی لعل شاہ صاحب بخاری نے اپنی ضخیم کتاب "استخلاف یزید میں یزید" کی آڑ میں حضرت معاویہؓ پر سخت تنقید کی تھی جس سے آپ کی عدالت اور آپ کی خلافت مجروح ہوتی تھی۔ اس لیے میں نے خارجی فتنہ حصہ اول ص۴۲۴ تا ص۴۳۶ میں شاہ صاحب مذکور (یعنی مولانا لعل شاہ بخاری سابق خطیب مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ) کی کتاب کے بعض اقتباسات درج کر کے ان کا خلاف حق ہونا ثابت کیا۔ شاہ صاحب نے جمہور اہل سنت کے دوسرے قول کے تحت یہ لکھا تھا کہ: حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے یعنی خطا ان کی عنادی تھی اور دورِ خلافت علیؓ میں وہ ملک جائر تھے۔" (استخلاف یزید ص۱۸۰) اس کے جواب میں میں نے لکھا تھا کہ: حضرت معاویہؓ کو حقیقتاً اہل باطل اور اہل جور وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ان کو فقیہ اور مجتہد نہیں سمجھتا اور ان کے خلوص نیت میں شک کرتا ہے، لیکن جو شخص آپ کو مخلص اور فقیہ و مجتہد صحابی سمجھتا ہے وہ آپ کے اختلاف کو عنادی نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے زمانے وہ حقیقتاً غیر عادل تھے کیونکہ اجتہادی اختلاف میں عادل اور غیر عادل کا تقابل نہیں ہوتا۔" (خارجی فتنہ حصہ ص۴۲۵)

(۴) حضرت امیر معاویہؓ کے خلوص نیت کے ثبوت میں میں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی یہ عبارت نقل کی ہے: محاربات کہ درمیاں ایشاں واقع شدہ بر محامل نیک صرف باید کرد و از ہوا و تعصّب دور باید دانست زیرآنکہ آں مخالفات مبنی بر اجتہاد و تاویل بودہ نہ بر ہوا و ہوس چنانکہ جمہور اہل سنت برانند (مکتوبات جلد

اولی مکتوب نمبر ۲۴۹)۔صحابہ کرامؓ کے درمیان جو جنگیں واقع ہیں ان کو نیک نیتی پر محمول کرنا اور خواہش نفسانی اور تعصب سے دُور رکھنا چاہیے اسلئے کہ وہ مخالفتیں اجتہاد اور (شرعی) تاویل پر مبنی تھیں نہ کہ خواہش وہوس نفسانی پر''۔(دفاع حضرت معاویہؓ ص ۳۰)

کتاب دفاع حضرت معاویہؓ اور درویش

مولانا لعل شاہ بخاری کے شاگرد مولوی مہر حسین شاہ بخاری نے اپنے استاد کے دفاع میں ایک کتابچہ شائع کیا جس کا نام ہے ''کھلی چھٹی بنام قاضی مظہر حسین''۔اس چھٹی کے جواب میں بندہ نے کتاب دفاع حضرت معاویہؓ شائع کی اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش نے اس کتاب کے حق میں جو تقریظ مورخہ ۲۴۔۵۔۱۹۸۵ء لکھی ہے اس کا عکس صفحہ ۱۷ پر شائع کر دیا ہے جس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں: اردو زبان کی یہ کتاب لاجواب ہے جو ترجمان اہلسنت وکیل صحابہؓ خادم اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم چشتی صابری (خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ سرقدہ) فاضل دیو بند کی تالیف ہے۔حضرت قاضی صاحب مدظلم نے اس رسالہ کھلی چھٹی کے جواب میں اور حضرت امیر معاویہؓ کی برأت میں یہ معرکۃ آلاراء کتاب تصنیف فرما کر مسلمانان اہل سنت پر احسان عظیم فرمایا ہے الخ

علاوہ ازیں جناب درویش صاحب موصوف نے مکتوب محررہ ۱۴۔۷۔۸۵ میں یہ بھی لکھا ہے کہ: جناب کی کتاب دفاع حضرت معاویہؓ فقیر نے مولانا سندیلوی کو بھی بھیجی ہے اور ان سے اس پر تقریظ لکھنے کا بھی عرض کیا ہے۔امید ہے کہ وہ خوشگوار تقریظ لکھیں گے....مرسلہ رسالے اور دفاع حضرت معاویہؓ چیدہ چیدہ ذی علم محققین کو دی ہیں سب نے بھی پسند کی ہیں واللہ الحمد''۔قارئین حضرات قاضی

درویش صاحب کی اس تقریظ کو بھی بار بار پڑھیں اور پھر ان کے اس فتوی کو بھی ملحوظ رکھیں کہ: جب تک چکوالی صاحب صرف رفض کی تردید کرتے تھے ان کی سرگرمیوں سے فقیر کا دل بہت خوش ہوتا تھا اور فقیر ان کی کھل کر تعریف اور تائید کرتا تھا۔ پھر جب موصوف نے پینترا تبدیل کیا اور تحقیق کا کانٹا بدلا اور صرف حضرت معاویہؓ کی یک طرفہ خطا اور بغاوت پھیلانے کا سبائی دھندہ شروع کیا اور حضرت عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو خطا کار، گناہگار اور حُکمِ الٰہی کے نافرماں ثابت کرنا شروع کیا اور جعلی اور موضوع روایتوں سے کیا اور فسق یزید کو بھی موضوع روایتوں سے ثابت کرنے کے کرتب کھیلنے شروع کیے تو فقیر ٹھٹک کر رہ گیا کہ یا خدا یہ وہی چکوالی ہیں یا دوسرے چکوالی۔ تو فقیر نے چکوالی صاحب کی ان حرکات کو رفض کی خوبصورت اور بہت لطیف تائید سمجھا تو اولاً اصلاح احوال کے لیے لمبا عرصہ جناب موصوف سے خط و کتابت شروع کی اور بہت کوشش کی کہ موصوف پہلے مسلک پر آجائیں مگر بے سود۔ جو آدمی بلا شرکت غیرے لاکھوں (موصوف نے اپنی طبع کردہ روداد کے مطابق اعتراف کیا ہے کہ ان کو امسال ۸۴۵۶۵۰ تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ روپے کی آمدن ہوئی ہے اور ان کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق اس رقم کے متعلق وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں) میں کھیلتا ہو اور کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہ ہو وہ ایک فقیر بے نوا کی بات کب سنے۔ آج بھی اگر چکوالی صاحب صرف تردید رفض کی طرف واپس چلے جائیں تو فقیر حسب سابق ان کا پانی بھرنے کے لیے تیار ہے''۔

(نقیب ختم نبوت نومبر ۱۹۹۰ء ایک محترم عالم دین کے خط کے جواب میں کچھ وضاحتیں ص ۱۷۔۱۸)

حقیقت حال

حقیقت یہ ہے کہ قاضی شمس الدین صاحب درویش نے اپنے خط میں

حکمین کے متعلق خارجی فتنہ حصہ اول میں میری جس عبارت پر اعتراض کیا ہے اور میں نے حکمین کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی منقولہ یہ روایت پیش کی تھی۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ضلاَّ و ضلّ من اتبعھا تو اس روایت کے متعلق قاضی درویش صاحب نے البدایہ والنہایہ جلد ششم اور جلد ہفتم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حافظ ابن کثیر محدث نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وضوح حق کے بعد جناب یہ تین صفحات از ص ۴۵۶ تا ص ۴۵۸ سے رجوع فرمالیں اور اس کا اعلان رسالہ حق چار یارؓ میں بھی کیا جاسکتا ہے اور دونوں صحابہؓ کی روح سے معافی مانگیں واللہ ولی التوفیق قاضی شمس الدین کا میرے نام یہ خط ۶ نومبر ۱۹۸۹ء کا ہے۔ ان دنوں میں سخت بیمار تھا اس لیے جواب نہ دے سکا۔ حکمین کے متعلق میری زیر بحث عبارت کو بنیاد بنا کر یزیدی ٹولہ نے پروپگینڈے کا ایک طوفان کھڑا کیا ہے حالانکہ میں نے تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارت پیش کی ہے اور انہوں نے خود حضرات حکمین کے متعلق کے الفاظ ضلا وضل من اتبعھا کے متعلق یہ لکھا ہے کہ مراد از ضلا آنست کہ خطا کردہ اندر اجتہاد خود یعنی ضلاً سے مراد یہ ہے کہ حضرات حکمین حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے فیصلہ میں اجتہادی خطا کی ہے۔ تو جب روایت سے بھی ان حضرات کی اجتہادی غلطی ثابت ہوتی ہے اور اجتہادی غلطی کوئی گناہ نہیں ہوتی بلکہ اس پر بھی ایک گونہ ثواب ملتا ہے تو پھر اس میں سبائیت کس راستے سے آجاتی ہے اور میں نے حکمین کے متعلق جو الفاظ لکھے ہیں وہ تو مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے جواب میں الزاماً ہیں اس لیے رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور ان شاءاللہ زیر بحث مضمون کے آخر میں اس کا مفصل جواب دیا جائے گا۔

زیر بحث روایت

بے شک حافظ ابن کثیر محدث نے حکمین کے متعلق منقولہ روایت کو موضوع قرار دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: فانه حديث منكر ورفعه موضوع والله اعلم . اذلو كان هذا معلوماً عند علی لم يوافق على تحكيم الحكمين حتى لايكون سبباً لا ضلال الناس كما نطق به هذا الحديث . وآفته هذا الحديث هوز كريا بن يحيى وهبو الكندى الحميرى الاعمى قال ابن معين ليس بشى (البدایہ والنہایہ جلد ۷ص ۳۸۵) اور اس قسم کی عبارت البدایہ والنہایہ جلد ششم ص ۲۱۶ پر ہے) حافظ ابن کثیر نے زکریا بن یحییٰ کے متعلق لیس بشی کے جو الفاظ لکھے ہیں یہ الفاظ جرح کے ہیں جن کی وجہ سے راوی زکریا بن یحییٰ مجروح ہے لیکن ابن حجر عسقلانی محدث نے یہ بھی لکھا ہے کہ: قال عثمان الدارمی عن ابن معين ليس به بأس اور یہ بھی لکھا ہے قال احمد بن صالح المصری ليس به باس (تہذیب التہذیب جلد ص ۳ ص ۳۳۳۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض ائمہ حق نے اگر زکریا بن یحییٰ پر جرح کی ہے تو بعض نے اس کی تعدیل بھی کی ہے اور خود ابن معین کا ایک قول بھی یہی ہے کہ ليس به بأس اور ليس به بأس کے الفاظ راوی کی تعدیل پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی جامعہ خیر المدراس ملتان نے خير الاصول فی حديث الرسول میں تعدیل کے الفاظ میں جہاں ثقہ وغیرہ الفاظ لکھے ہیں وہاں لاباس به اور ليس به بأس کے الفاظ بھی لکھے ہیں اور قاضی شمس الدین صاحب درویش کو غالباً معلوم ہوگا کہ کئی راوی ایسے ہیں کہ بعض ائمہ فن رجال ان کو ثقفہ قرار دیتے ہیں اور بعض غیر ثقفہ اور مجروح۔ حافظ ابن کثیر کا بھی بلند علمی مقام ہے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی امام المحدثین ہیں۔ انہوں نے حکمین کے متعلق زیر بحث

روایت کو قابل حجت قرار دیا ہے۔ گو پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ حافظ ابن کثیر نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے لیکن قاضی درویش شمس الدین صاحب کا خط آنے سے پہلے ہی حافظ ابن کثیر کی جلد ہفتم والی عبارت میرے مطالعہ میں آ گئی تھی بہر حال جب حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ نے الفاظ ضلا و ضل من اتبعھا سے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے اور میں نے اس کو نقل کر دیا ہے تو اس پر کیونکہ گرفت ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

(۲) درایت کے اعتبار سے حافظ ابن کثیر محدث نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے: اذلو کان ھذا معلوماً عند علیؓ لم یوافق علی تحکیم الحکمین حتی لایکون سبباً لا ضلال الناس کما نطق بہ ھذا الحدیث (یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمین کا فیصلہ لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے گا اگر حضرت علیؓ کو یہ معلوم ہوتا تو وہ حکمین کے تقرر کو ہی قبول نہ کرتے) لیکن حافظ ابن کثیرؒ کا اس میں تسامح پایا جاتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے بطور پیش گوئی فرما دیا کہ حکمین اس میں خطا کریں گے تو پیش گوئی بہر حال پوری ہونی تھی اور کوئی تدبیر تقدیر کو رد نہیں کر سکتی اس لیے حضرت علی المرتضیٰؓ یہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے کہ کسی تدبیر سے رحمۃ للعالمین ﷺ کی پیشگوئی کو پورا نہ ہونے دیا جائے اور غالباً اسی پیشگوئی کا تقاضا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حکمین کی تجویز کو قبول کر لیا۔

(۳) اور جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ضلّ کی مراد واضح کر دی کہ ان حکمین سے اجتہادی خطا ہوئی اور اجتہادی خطا پر بھی جب حسب حدیث نبوی ﷺ ایک اجر ملتا ہے تو کوئی اہل علم تو اس حدیث کے مفہوم پر اعتراض نہیں کر سکتا، باقی رہے جناب درویش اور ان کے ہم نوا تو وہ تو جہل مرکب میں مبتلا ہیں۔ واللہ الھادی

خارجی فتنہ حصہ اوّل کی عبارتیں

مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش سے تحریری بحث کی ابتداء یزید کے بارے میں ہوئی تھی اور اس سلسلے میں میرے بعض جوابی خطوط اٹھائیس اور تیس صفحات پر بھی مشتمل تھے۔ انہوں نے دفاع یزید کے جذبہ میں اپنی جہالت سے تین چار یزیدی کمانڈروں کو صحابی قرار دیا اور مہلب محدث کو بھی صحابی سمجھا جس میں ان کو زک اٹھانا پڑی۔ بحث فسق یزید میں قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ پر بھی ضمناً روشنی ڈالی گئی۔ اس میں بھی انہوں نے چار خلفاء راشدین کی خلافت کو منصوصہ نہیں بلکہ منصوبہ قرار دیا اور ناصبی کے معنی میں بھی ان کو پریشانی اٹھانی پڑی اور اسی قسم کی پریشانیوں کے ازالہ: کے لیے انہوں نے میری تصنیف خارجی فتنہ حصہ اول کی بعض عبارتوں کو ہدف تنقید بنایا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مکتوب محررہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ (۲۵ ستمبر ۱۹۸۴ء) میں لکھا کہ: باعث تصدیع یہ ہے کہ آج رات بعد عشاء آپ کی تصنیف خارجی فتنہ حصہ اول دیکھ رہا تھا ص ۴۵۵ پر یہ عبارت نظر پڑی: حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا۔“ پھر دو سطر بعد: اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے“۔ تو یقین جانیے کہ فقیر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اس لیے نہیں کہ حضرت علیؓ خلیفہ راشد نہ تھے۔ وہ یقیناً خلیفہ راشد تھے لیکن بے خیالی میں دو جلیل القدر صحابہ یعنی نمبر ا قائد غزوہ ذات السلاسل حضرت عمروؓ بن العاص جن کی ماتحتی میں حضرات شیخین اور امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح جیسے عشرہ مبشرہ کے انتہائی اکابر صحابہ بھی تھے اور کتنے دن رات یہ سب صحابہ حضرت عمرؓ بن العاص کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے اور نمبر ۲ حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ جیسے اکابر کو گناہگار۔ اور یقیناً نافرمانی کرنے والے قرار دے دیا گیا اور قرار کس نے دیا پندرھویں صدی کے ایک عجمی عالم نے، تو یقین مانیے رات بھر نیند نہیں آئی آخر دو

بجے اٹھ بیٹھا اور آپ کو یہ عریضہ لکھنا شروع کر دیا۔ مثل مشہور یاد آئی۔ ایاز قدر خود را بشناس" الخ (۲) پھر ۱۲ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ (۳ فروری ۱۹۸۵ء) کے مکتوب میں جناب درویش نے لکھا کہ: آپ نے کتاب خارجی فتنہ میں آیت استخلاف و تمکین کی تشریح میں زورِ تحریر سے حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو گناہگار تک لکھ دیا جو از حسد افسوسناک ہے۔ ترتیب خلافت راشدہ کا اس طرح منصوص ہونا اکابر صحابہؓ تک کو معلوم نہ تھا۔ اکابر انصار نے طے کر لیا تھا کہ خلیفہ انصار میں سے ہو گا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے حضرات شیخینؓ کو وہاں پہنچا دیا اور لفظی ردوکد کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہو گئے۔ چونکہ بعد کی امت نے حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کر لیا تھا لہٰذا بعد کے اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی تھے الخ (۳) پھر یکم رجب ۱۴۰۵ھ کے مکتوب میں درویش صاحب موصوف نے لکھا: ہرنولی ضلع میانوالی کا لکھا ہوا گرامی نامہ محررہ ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ ملا۔ خیریت معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ طالب دعا بھی بحمد اللہ بخیریت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ: خارجی فتنہ حصہ اول کی بعض عبارتوں سے آپ کے شبہات کا ازالہ ہو گیا ہے" مخدوما۔ لاریب کہ کتاب آفتاب ہدایت کے بعد کتاب دفاع حضرت معاویہؓ فتنہ رفض کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار ہے۔ لیکن یہ اپنی جگہ پر ہے اور اس سے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۵ کی وہ عبارتیں جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور قائد غزوۂ ذات السلاسل حضرت عمروؓ بن العاص کو جن کی فوج میں حضرات شیخینؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ جیسے جلیل القدر صحابی تھے (۱) ناجائز کام کرنے والے (۲) گناہ کا کام کرنے والے (۳) سخت نافرمانی کرنے والے (۴) اور حکم خداوندی کے خلاف کرنے والے جیسے نامناسب جملے لکھے ہیں کتاب دفاع حضرت معاویہؓ سے ان کا کوئی ازالہ نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے الخ (۴) پھر

مکتوب محررہ ٦ ربیع الثانی ١٤١٠ھ (٦ نومبر ١٩٨٩ء) میں لکھا کہ: جناب نے خارجی فتنہ حصہ اول از ص ٤٨٤ تا ص ٤٥٩ خصائص بیہقی سے جو روایت ص ٤٥٦ پر نقل کی ہے وہ امام ابن کثیرؒ کی تحقیق کے مطابق منکر اور موضوع ہے۔ اگر آپ کی صحت اجازت دے تو آپ یہ دونوں مقامات دیکھ سکتے ہیں۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وضوع حق کے بعد یہ تین صفحات از ص ٤٥٦ تا ص ٤٥٨ سے رجوع فرمالیں اور اس کا اعلان رسالہ ''حق چار یارؓ'' میں بھی کیا جا سکتا ہے اور دونوں صحابہؓ کی روح سے بھی معافی مانگیں۔'' (قاضی صاحب درویش کے اس خط کی متعلقہ پوری عبارت صفحہ ١٧ پر نقل کی جا چکی ہے)۔

(۵) قاضی شمس الدین درویش موصوف نے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحبؒ ترمذی مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال کے نام اپنے مکتوب محررہ ١٦ ١١ کتوبر ١٩٨٩ء میں بعنوان ''قاضی مظہر صاحب کی بات'' یہ لکھا کہ: ابتداء میں فقیر کو قاضی مظہر حسین صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ پھر مکاتبت شروع ہوئی پھر خارجی فتنہ حصہ اول میں حضرات حکمین کے متعلق تلخ نوائی پڑھی تو دل کھٹا ہو گیا جناب نے حدیث ارحم امتی بامتی ابو بکر و اشد هم فی امر اللہ عمر سے جو استدلال فرمایا فقیر کو کم علمی کی وجہ سے سمجھ نہیں آیا۔ حضرت صدیقؓ کی ارحمیت امت مسلمہ کے لیے تھی۔ حضرت فاروقؓ کی اشدیت کفار کے لیے تھی وہ بالکل ابتدائی بزرگ تھے۔ اب پندرھویں صدی کے۔ قاضی صاحب قرنِ اولیٰ کے دو جلیل القدر صحابیوں کو یقیناً گناہگار۔ نافرمان لکھیں تو یہ فقیر سے برداشت نہیں ہوسکتی۔ حکمین کے متعلق جو موضوع حدیث ضـلا فـاضـلا لکھی ہے اس کی ابن کثیر نے سخت تردید لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو جلد ٦ ص ٢١٦ دج ٧ ص ٢٨٤ طبع مصر تاریخ ابن کثیر'' پھر مولانا تقی عثمانی کا ملک غلام علی صاحب سے تحریری معرکہ شروع ہو گیا اور حضرت معاویہؓ اور

تاریخی حقائق نامی کتاب چھپی اور اس کے علاوہ بے شمار موافق مخالف مواد برسوں پڑھا جس سے حضرت معاویہؓ اور خود یزید کے متعلق صحیح صورت حال سمجھنے میں بہت مدد ملی اور یہ معلوم ہوا کہ مشاجرات صحابہ کرامؓ کے وقت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ عشرہ مبشرہ کے چار اصحاب زندہ تھے۔ دو (حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ) تو تھے ہی حضرت علیؓ کے مخالف کیمپ میں اور شہید بھی حضرت علیؓ کے فوجیوں کے ہاتھوں سے ہوئے تھے اور باقی دو (حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت سعیدؓ بن زید) بھی حضرت علیؓ کے ہم نوا نہ تھے اور حضرت حسنؓ کی مصالحت کر لینے کے بعد وہ بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور باقی صحابہؓ کے بھی تین گروہ تھے۔ ایک گروہ دونوں طرف نہ تھا۔ دوسرا گروہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور حضرت معاویہؓ کو باغی سمجھتا تھا۔ تیسرا گروہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا اور حضرت علیؓ کو باغی سمجھتا تھا۔ تو یہ تینوں فریق مخلص مجتہد تھے اور سب نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ لہذا سب ہی معذور۔ ماجور اور عدول ہیں نودی ص ۳۹۰ پر ہے الخ اسی مکتوب میں درویش صاحب لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ عائشہؓ و معاویہؓ کے مابین جو جنگیں ہوئیں تو ہم کو مناسب نہیں کہ ان کے آپس کے جھگڑوں میں ہم کوئی گفتگو کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے معاملہ کو جانتا ہے۔ پھر آگے چل کر خود حضور غوث پاک فرماتے ہیں: اور ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ اس قسم کی گفتگو سے ہم بھی اپنی زبانوں کو روکیں اور ان کے معاملے کو خدا کے سپرد کر دیں۔ غنیۃ الطالبین ج اص ۱۹۰ طبع لاہور ۱۲۸۲ھ) لیکن قاضی صاحب حضرت معاویہؓ کو خاطی اور باغی لکھتے ہی چلے جا رہے ہیں اور متاخرین حضرات کے کچھ نظریات سامنے لا رہے ہیں لیکن ابتداء صدر اول کے حضرات صحابہ کرامؓ نے ان مشاجرات کو جس طرح سمجھا اور خود حضرت علیؓ نے جو فیصلے فرمائے ہیں وہ متاخرین

حضرات کی ذاتی آراء پر ہزار درجہ بھاری ہیں کیونکہ حضرت علیؓ کے متعلق خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ واقضاهم علي۔ بنابرین مابین مشاجرات صحابہ فقیر مسلک توقف کو ہی انسب سمجھتا ہے۔ بہرحال فقیر کا ذوق یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو صوری اور اجتہادی خطا اوز بغاوت کا مرتکب نہ قرار دیا جائے اسی لیے فقیر جناب قاضی صاحب کی اس سخت نویسی کی تائید نہیں کرسکتا جہاں انہوں نے بمصداق ''چھوٹا منہ بڑی بات۔ صدر اول کے دو عظیم اور جلیل القدر صحابیوں کو گناہ کا کام کرنے والے۔ یقیناً سخت نافرمانی کرنے والے ص ۴۵۵ اور حکم خداوندی کا خلاف کرنے والے ص ۴۵۸ خارجی فتنہ حصہ اول لکھ مارا ہے۔ ع۔ وائے گر لیس امروز بود فردائے۔ اور قاضی صاحب کی یہ تند مزاجی موروثی ہے۔ ان کے والد صاحب نے بھی جو کٹر بریلوی تھے اور مناظرہ سلانوالی ۱۹۳۶ء میں اہل بدعت کے صدر تھے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت انبیٹھویؒ کو نام بنام قطعی کافر اور خارج از اسلام لکھا ہے۔ ان کے مکروہ فتوی کی عکسی نقل ارسال ہے الخ

الجواب

قاضی شمس الدین صاحب درویش نے خارجی فتنہ حصہ اول کی محل اعتراضات عبارتوں کے متعلق جو مجھے خطوط لکھے ہیں یا جو مولانا مفتی عبدالشکور صاحبؒ ترمذی نور اللہ مرقدہ کو خط لکھا ہے ان کے اقتباسات یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کردیے ہیں تاکہ درویش صاحب یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے خطوط کو نظر انداز کردیا گیا ہے اور ایک عالم دین کے نام جو انہوں نے اس سلسلے میں ایک خط نقیب ختم نبوت نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع کیا ہے وہ مضمون (ص ۱۷ ۲۱ پر) پہلے درج کر دیا گیا ہے۔ یہاں قاضی درویش صاحب دیانتداری سے میری زیر بحث عبارتوں کو سبائیت اور شیعیت پر مبنی سمجھتے تھے تو پھر انہوں نے انہی خطوط میں میرے متعلق قابل

مدح واحترام کلمات کیوں لکھے۔ مثلاً مکتوب ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ میں :۔حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام لطفہ (۲) ۱۲ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ : بخدمت گرامی فخر اہلسنت وکیل الصحابہ الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ ودام لطفہ گزارش آنکہ آپ کا والا نامہ محررہ ۲۴ ذی الحجہ فقیر کو ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ کو مل گیا تھا ۔اس سے ایک دن پہلے مرسلہ پارسل جس میں کتاب لاجواب آفتاب ہدایت اور کشف خارجیت اور روداد مدرسہ اور چند نسخے احتجاجی مکتوب کے ملے تھے۔ احتجاجی نسخے تو اہم مقامات پر دور ونزدیک تقسیم کر دیے۔ یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ فقیر کو آپ کے ساتھ موانست ومطابقت ہے معاندت اور منافست بالکل نہیں ہے اور فقیر آپ کا حلیف ہے حریف نہیں الخ۔ قارئین حضرات !اندازہ فرمایئے ۔جناب درویش مذکورہ محل اعتراض عبارتوں کے باوجود (جس کو اب سبائیت قرار دے رہے ہیں) بندہ کے ساتھ موانست اور مطابقت کا اظہار فرما رہے ہیں ۔(۵) مکتوب ۵ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ میں: مخدوم مکرم فخر اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام لطفہ ۔(۶) ۶ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ۔ محب مکرم جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ۔ پرسوں ایک دوست سے معلوم ہوکر بہت افسوس ہوا کہ ان دنوں آپ کی طبیعت سخت ناساز ہے۔ دفاع صحابہ وحضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اپنی بساط واستعداد کے مطابق جناب کی جو مساعی حسنہ ہیں وہ قابل قدر ہیں اللہ تعالیٰ آپ کا زاد آخرت بنائے ۔زلات کو معاف فرمائے ۔(۷) مولانا حکیم حافظ محمد طیب صاحب کے نام اپنے مکتوب محررہ ۴ شوال ۱۴۱۰ھ (۴ مئی ۱۹۹۰ء) میں ماہنامہ حق چار یارؓ (شعبان ۱۴۱۰ھ) میں مفتی مزمل حسین کاپڑیا (کراچی) کے شائع کردہ ایک مضمون پر تنقید واعتراض کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ: پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ جو

مذہب رفض کے مضر مضمرات اور دسیسہ کاریوں کو سمجھنے والی باریک بین عقابی نگاہ کے مالک ہیں ان کی نگاہ سے اوجھل ہو کر یہ مضمون کس طرح پاکستان کے انتہائی سنجیدہ ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' میں جگہ پا گیا الخ۔ منقولہ خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ جناب درویش موصوف ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۸۳ سے لے کر ۴ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۹۰ء تک قریباً چھ سال کے عرصے میں میری تصنیف خارجی فتنہ حصہ اول کی زیر بحث عبارتوں پر اعتراض بھی کرتے رہے اور مکتوب ص ۶ محررہ ۶ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ میں تو وضاحت کر دی کہ: ''دفاع صحابہ و حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اپنی بساط و استعداد کے مطابق جناب کی جو مساعی حسنہ ہیں وہ قابل قدر ہیں۔'' اور پھر میری تصنیف دفاع حضرت معاویہؓ کی تائید میں تو مستقل طور پر تائیدی تقریظ لکھی جو (ص ۱۶ پر) شائع ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان (ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ جون ۱۹۹۰ء) میں ان کا ایک طویل مضمون شائع ہو گیا جس میں ص ۲۰ پر یہ لکھ دیا کہ: ''صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب پختہ سبائی ہیں اور حب ابن سبا نے سخت مغلوب ہیں اس لیے وہ جلیل القدر صحابہؓ پر تبرا بکتے ہیں الخ۔ درویش صاحب اپنے ہی قلم سے اس خادم اہلسنت کو فخر اہلسنت بھی کہتے ہیں اور اسی قلم سے پختہ سبائی بھی لکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ قاضی شمس الدین صاحب درویش اتنے لمبے چوڑے جھوٹ کو ہضم کیسے کر لیتے ہیں۔ (واللہ الهادی)

حضرت علیؓ کے بارے میں متضاد بیانات

جمہور اہلسنت کی تحقیق کے مطابق اگر میں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں حضرت امیر معاویہؓ سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی تو درویش صاحب اس کو سبائیت اور شیعیت قرار دیتے ہیں لیکن خود انہوں نے حضرت علیؓ کا مفصل ندامت

نامہ شائع کیا ہے جس کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے: خلیفہ راشد چہارم امیر المومنین حضرت علیؓ کا مفصل ندامت نامہ (نقیب ختم نبوت دسمبر ۹۰ء) بندہ نے ص ۲۲۵ میں اس پر تنقیدی تبصرہ کر دیا ہے۔ قارئین کرام دوبارہ مطالعہ فرمالیں۔ علاوہ ازیں جس اقرار کو ندامت نامہ اور اجتہادی خطا قرار دے رہے ہیں وہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک بھی اجتہادی خطا نہیں بلکہ ترک اولی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وکان ترک القتال اولی من فعله کما هو مذهب جمهور الصحابه بہ نسبت جنگ کرنے کے جنگ نہ کرنا بہتر تھا جیسا کہ جمہور صحابہؓ کا مذہب ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۲۱۴)

اور اہل علم جانتے ہیں کہ ترک اولیٰ وہاں بولا جاتا ہے جہاں دونوں صورتیں جائز ہوتی ہیں لیکن ان میں سے ایک صورت بہتر ہوتی ہے'' اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ جنگ صفین گو شرعاً جائز تھی (کیونکہ اس میں خلافت راشدہ کا تحفظ مقصود تھا) لیکن اگر یہ جنگ نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ تو نبی نہیں صحابی ہیں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بعض واقعات منقول ہیں ہیں اور قرآن مجید میں جن کو ذنب وغیرہ سے تعبیر کیا گیا ہے تو مجتہد اہلسنت کے نزدیک ذنب سے مراد گناہ ہے نہ خطا بلکہ ترک اولی ہے۔ چنانچہ مودودی نظریات کے رد میں بندہ نے عصمت انبیاءؑ کے مسئلہ پر اپنی کتاب مفتی محمد یوسف صاحب مودودی کے علمی جائزہ کا جواب علمی محاسبہ میں مفصل و مدلل بحث لکھی ہے جو بہت مفید ہے بفضلہٖ تعالیٰ۔

(۲) قاضی شمس الدین صاحب درویش اپنے مکتوب محررہ ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ کو لکھتے ہیں کہ: بہرحال فقیر کا ذوق یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو صوری اور اجتہادی خطا اور بغاوت کا مرتکب

نہ قرار دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ المرتضیٰ کا ندامت نامہ اپنے اس ذوق کے باوجود کیوں شائع کیا۔ یہ فقیروں اور درویشوں کا ذوق کس لیے بدلتا رہتا ہے۔ بلکہ درویش صاحب نے تو حضرت علیؓ المرتضیٰ کے متعلق مولانا حافظ محمد طیب صاحب کے نام اپنے مکتوب محررہ ۸ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۹۰ء کے آخر میں یہاں تک لکھ دیا کہ: اور پھر حضرت علیؓ بھی اپنے نامناسب ارادہ سے رجوع فرما کر التائب من الذنب کما لا نزدیک له کے مطابق پاک اور صاف بن چکے تھے اور حضرت خاتون جنتؓ بھی راضی ہو گئی تھیں لہذا اس حدیث سے وہ بھی بری الذمہ ہو گئے۔ مندرجہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص گناہ سے توبہ کر لیتا ہے وہ ایسا ہے کہ گویا اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔ یہ حدیث پیش کر کے قاضی شمس الدین درویش نے گناہ اور خطا کا مرتکب تو قرار دے دیا لیکن یہ عنایت بھی فرما دی کہ چونکہ حضرت علیؓ نے اپنے نامناسب ارادوں سے رجوع کر لیا تھا لہذا اب ان کا گناہ یا ان کی خطا باقی نہ رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درویش صاحب حضرت علی المرتضیٰؓ کی عظیم شخصیت پر چھینٹے ڈالنے کے لیے کوئی نہ کوئی روایت ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

خلد جی فتنہ حصہ اول کی زیر بحث عبارتوں کا پس منظر

میری جن عبارتوں کو قاضی شمس الدین صاحب درویش نے محل اعتراض قرار دیا ہے وہ خلافت راشدہ کی بحث میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی سابق استاد جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (مؤلف اظہار حقیقت حصہ اول و دوم) کے جواب میں لکھی گئی تھیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے متعلق اپنا یہ موقف ظاہر کیا تھا کہ: حضرت علیؓ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی

(EMERGENCY) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلام کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے وہی استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً وعقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا۔'' (اظہارِ حقیقت بجواب خلافت وملوکیت جلد دوم ص ۱۸۳) ان کے جواب میں میں نے لکھا کہ: مولانا سندیلوی موصوف دورحاضر کے الیکشن کے پیش نظر ایسی باتیں لکھ رہے ہیں لیکن محققین اہل سنت حضرت علیؓ المرتضیٰ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق قرار دیتے ہیں خواہ کوئی ان کی خلافت کو تسلیم کرے یا نہ۔ (ب) مولانا سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر عام استصواب رائے ضروری تھا تو اس کے بغیر یہ کیوں تسلیم کر رہے ہیں کہ: حضرت علیؓ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے الخ۔ علاوہ ازیں ہمارا سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے اگر حضرت علیؓ کی خلافت ہنگامی تھی تو آپ سے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے قاتلین سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اس صورت میں تو فریق ثانی پر لازم تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ کی خلافت کے لیے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کرتے اور اگر آپ اس طریق انتخاب میں کامیاب ہو جاتے تو آپ سے قصاص کا مطالبہ کیا جاتا۔ (۲) مولانا موصوف بھی یزید کو ایک صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں جس کی وضاحت انہوں نے ایک غیر مطبوعہ مکتوب میں کر دی ہے الخ (دفاع صحابہؓ ص ۵۳۔۵۴) میرے جواب میں مولانا سندیلوی صدیقی موصوف نے ایک کتابچہ بنام ''جواب شافی'' شائع کیا جس میں انہوں نے یزید کے صالح ہونے کے موقف کی تائید کی اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ حضرت علیؓ قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت علیؓ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے یعنی حضرات خلفاء ثلثہؓ کی خلافتوں کی

طرح حضرت علیؓ کی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے الخ (جواب شافی ص ۱۰) اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ حضرت علیؓ المرتضیٰ کی خلافت کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تسلیم کرنے کے باوجود بھی وہ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں حضرات امیر معاویہؓ کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کے موقف کو بہ نسبت حضرت علیؓ کے اقرب الی الصواب مانتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ کی خلافت سے معزولی کے مطالبہ کو بھی وہ جائز قرار دیتے ہیں اور حکمین کے فیصلے کو اس بارے میں درست تسلیم کرتے ہیں۔ یزید کے بارے میں جو مولانا سندیلوی کا مسلک ہے وہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ ان کے دوسرے حامیان یزید کے مؤقف کے رد میں بندہ نے کتاب خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید۔ صفحات ۶۷۶) شائع کی ہے اور مولانا سندیلوی سے خلافت راشدہ کی بحث میں ہی میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اول (صفحات ۶۱۱) اس سے پہلے شائع ہوئی ہے۔ خارجی فتنہ حصہ اول کی تصنیف ۲ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ (۲۴ جون ۱۹۸۲ء) کو مکمل ہوئی ہے اور خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) کی تکمیل کی تاریخ ۲۳ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ (۳۱ جولائی ۱۹۸۶ء) ہے۔

مذہب اہل السنّت والجماعت

دفاع صحابہ ص ۵۰ پر میں نے بعنوان "مذہب اہلسنت والجماعت" لکھا تھا کہ: اصولی اور اعتقادی طور پر تمام مدعیان اسلام فرقوں میں سے مذہب اہلسنت والجماعت ہی اسلام حقیقی کا صحیح ترجمان ہے۔ جو حضور خاتم النبیین ﷺ کے معجزانہ ارشاد ما انا علیہ واصحابی پر مبنی ہے۔ اس ارشاد نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو آنحضرت ﷺ کی سنت جامعہ اور جماعت محترمہ (صحابہ کرامؓ) کے پیروکار ہوں گے۔ مذہب اہل سنت کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ

کے تمام صحابہ کرامؓ حسب مراتب واجب الاحترام اور اعلان خداوندیؒ رضی اللہ عنہم و رضوانہ عنہ کا مصداق ہیں۔ حق تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے تحت تمام اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی وفات کامل الایمان ہونے کی حالت میں واقع ہوئی ہے اور اہلسنت والجماعت کی یہ اصطلاح بھی احادیث سے ثابت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر مظہری اور تفسیر درمنثور) الخ

عقیدہ خلافت راشدہ

اور دفاع صحابہؓ میں ہی بندہ نے مندرجہ عنوان کے تحت لکھا تھا کہ: سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ اور سورۃ الحج کی آیات تمکین کی موعودہ خلافت راشدہ کا مصداق (صرف چار یارؓ) خلفاء راشدین ہیں جو مہاجرین (اولین) میں سے ہیں یعنی امام الخلفاء حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد حسب ترتیب خلافت ان خلفاء اربعہ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔" ردشیعیت بھی بندہ نے اپنی تصانیف میں عظمت صحابہ اور عقیدہ خلافت راشدہ کی بنا پر کی ہے اور ردّ خارجیت میں بھی میری تصانیف اسی عقیدہ خلافت راشدہ پر مبنی ہیں اور ردّ مودودیّت میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے۔ خارجی فتنہ حصہ اول میں دراصل میری بحث مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی سے تھی لیکن اس میں میں نے دور حاضر کی خارجیت کے ترجمان محمود احمد عباسی اور ان کے ہم نواؤں عظیم الدین صدیقی، عزیز احمد صدیقی اور حکیم فیض عالم صدیقی کے خلاف اہل سنت نظریات کا بھی ابطال کیا اور ان کی جہالتوں، غباوتوں اور علمی بددیانتیوں کا پردہ چاک کیا۔

تائیدی تبصرے

میں نے جو کچھ لکھا اہل سنت کے مسلک حق کے تحفظ اور دفاع کے لیے

بلاخوف لومۃ لائم لکھا اور حق تعالیٰ نے ہی مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی ورنہ میں علم وعمل میں بہت کمزور ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ خارجی فتنہ حصہ اول کی اکبر علماء نے کھل کر تائید کی۔ چنانچہ ماہنامہ ''بینات کراچی جنوری ۱۹۸۴ء، ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی شمارہ اکتوبر نومبر ۱۹۸۳ء ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک (پشاور) مارچ ۱۹۸۳ء، ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور جولائی ۱۹۸۳ء، ماہنامہ ''الخیر'' ملتان فروری ۱۹۸۴ء ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد ۲۸ جون ۱۹۸۳ء میں جو تبصرے شائع ہوئے ہیں وہ علیحدہ کتابی صورت میں بھی شائع کر دیے گئے ہیں اور ماہنامہ ''البلاغ'' کے تبصرہ کے علاوہ جناب مولانا محمد صاحب عثمانی جسٹس آف سپریم کورٹ نے علیحدہ اپنے گرامی نامہ میں لکھا کہ: ''تازہ کتاب خارجی فتنہ حصہ اول موصول ہوئی۔ سرسری طور پر دیکھی۔ دل بہت خوش ہوا۔ آپ نے مسلک حق کی خوب ترجمانی فرمائی ہے۔ آج کل اس معاملے میں جو افراط وتفریط چل رہی ہے آپ نے اس سے ہٹ کر اعتدال کا جو راستہ اختیار فرمایا ہے وہی علمائے حق کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے یہ عریضہ محض اپنے جذبات کے اظہار کے لیے لکھا ہے۔ اس کی اشاعت مقصود نہیں۔ والسلام۔ (۱۹۔۵۔۱۴۰۳ھ)

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ

اور ماہنامہ ''بنیات'' کراچی کے مدیر اعلیٰ جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ نے تو بڑا مفصّل تائیدی تبصرہ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ: بلاشبہ ان دونوں مسئلوں میں (یعنی حضرت علیؓ کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد ہونا اور جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی) جناب مصنف نے اہل حق کے مسلک کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح خلفائے ثلثہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی

طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے الخ۔

قارئین حضرات اندازہ فرمایئے کہ جن حضرات نے میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اول کو مسلک اہلسنت کے مطابق قرار دیا ہے اور کھل کر تائید فرمائی ہے ان کو تو اس میں نہ حضرت معاویہؓ کی تنقیص وتوہین نظر آتی ہے اور نہ ہی حضرات حکمین حضرت ابوموسی اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق انہوں نے کسی عبارت کو ان کی توہین پر محمول کیا ہے۔ قاضی درویش صاحب کو کس خوردبین سے ان حضرات کے بارے میں تنقیص وتوہین نظر آگئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ درویش صاحب یا تو کم فہم یا بدفہم ہیں یا سمجھتے ہوئے وہ اپنی انا کی پرورش کررہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مولانا سندیلوی اور خلافت راشدہ

مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے حضرت علیؓ المرتضیٰ کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دے کر چوتھا موعودہ خلیفہ راشد تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ ان کے کتابچہ جواب شافی ص ۱۰ کی عبارت پہلے نقل کردی گئی ہے۔

(۲) مولانا موصوف نے ۱۸ محرم ۱۳۹۳ھ کو ایک مضمون بعنوان "خلافت صدیقی" لکھا تھا (جو غیر مطبوعہ ہے) اس میں اُنھوں نے قرآن سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا برحق خلیفہ موعود ہونا ثابت کیا تھا ان کے مضمون کے اہم اقتباسات حسب ذیل ہیں

(۱) بعنوان "نص قرآنی سے خلافت صدیقی کا ثبوت" یہ لکھا کہ: خلافت

صدیقی مرضی الٰہی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا کہ انہی کو خلیفہ اور امام بنایا جائے۔"

(۲) آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے لکھا کہ: اگر خلافت صدیقی کو موعودہ اور ماموربہا خلافت نہ سمجھا جائے تو آیت کے اس جزو کے کوئی صحیح معنی نہیں بن سکتے اور نہ وعدہ الٰہی کا ایفاء سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس لیے اس نص قرآنی کا اقتضاء یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کو موعودہ منصوصہ خلافت اور آں ممدوح کو آنحضور ﷺ کا خلیفہ بلافصل اور امت کا امام برحق تسلیم کیا جائے۔ یہ آیت خلافت صدیقی کے لیے نص ہے جس کا اقتضاء یہ ہے کہ آں محترم کو خلیفہ منتخب کرنا رضائے الٰہی اور حکم الٰہی کے مطابق ہے۔

(۳) (آیت استخلاف کے تحت) گویا کہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا جارہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد تم خلیفہ کا انتخاب کرنا۔ ہماری توفیق خاص تمہاری رفیق ہوگی اور یہ نظام خلافت ہمارا موعودہ اور پسندیدہ نظام خلافت ہوگا۔

(۴) اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صحابہ کرامؓ کو بمنزلہ جارحہ (یعنی آلہ) بنالیا کہ بظاہر تو وہ حضرات دین کی حفاظت اپنے ارادے سے کررہے ہیں لیکن درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ کا ارادہ اور لطف خاص اس طرح ان کے ارادہ پر محیط تھا کہ بلاتشبیہ اس طرح کام کررہے تھے جیسے دست کاتب میں قلم۔ اس لیے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔

(۵) نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہو چکا تھا۔ اگر امر خلافت بصورت امر ہی ہوتا تو صدیق اکبرؓ کا انتخاب کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ کو یہ فکر

ہوتی کہ ہم نے حکم الٰہی پر مرضی الٰہی کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں۔ اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا اس لیے امر بصورت وعدہ فرمایا گیا تاکہ انتخاب کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ عین مرضی الٰہی تھا۔

(۶) مولانا سندیلوی صدیقی آخر میں بعنوان ''نتیجہ بحث'' لکھتے ہیں: آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ جلّشانہ نے صحابہ کرامؓ کو خلافت سے نوازنے کا وعدہ فرمایا اور وعدے کے پیرائے میں ہی انہیں انتخاب خلیفہ کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جب آیت نازل ہوئی تو یہ بات یقینی اور قطع ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کسی کو اپنا امام اور خلیفہ رسول بنائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ جب واقع ہوگیا تو یہ بات روز روشن سے زیادہ روشن ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ امام برحق ہیں اور انہیں کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مقرر فرمایا تھا کیونکہ استخلاف کو آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ نے خود اپنی ذات اقدس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اگر معاذ اللہ ان کی خلافت کو باطل کہا جائے تو لازم یہ آتا ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ نے وعدہ خلافی کی۔ وعدہ تو کیا مگر صحیح خلافت قائم کرنے کی ہدایت نہ فرمائی بلکہ باطل سربراہ کے تحت کر دیا الخ

(۷) وعدہ استخلاف اور حق تعالیٰ جلشانہ کی جانب اس کے انتساب کا مطلب یہ ہے کہ موعود لہم جو خلافت قائم کریں گے وہ صحیح ہوگی۔ اس بارے میں ان سے غلطی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ حق تعالیٰ اس کی صحت اور حقانیت کے کفیل وضامن ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس کو اپنی جانب منسوب کیوں فرماتے الخ۔ قارئین کرام اور خصوصاً قاضی درویش صاحب، مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے غیر مطبوعہ مضمون کے مندرجہ اقتباسات کو بار بار غور سے پڑھیں۔ مولانا موصوف آیت

استخلاف کا مطلب بیان کرتے ہوئے واضح کر رہے ہیں کہ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ سے فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تم نے خلیفہ (جانشین) کا انتخاب کرنا ہے، یہ فرمایا کہ تم میں سے میں خود آنحضرت ﷺ کا خلیفہ اور جانشین بناؤں گا۔ اس لیے بظاہر تو تم خلیفہ منتخب کرو گے لیکن اس انتخاب میں تم سے غلطی نہیں ہوگی۔ یہ انتخاب میری نگرانی میں ہوگا۔ گویا کہ آیت استخلاف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہا ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا خلیفہ اور جانشین تم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بنانا ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خلیفہ بنایا جانا عین حکم الٰہی اور مرضی الٰہی کے مطابق تھا۔

امام اہلسنتؒ کی تشریح

مولانا سندیلوی نے ماشاء اللہ آیت استخلاف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت راشدہ کو بہت عمدہ طریقے سے ثابت کیا ہے اور امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیعہ علماء کے مقابلہ میں حضرات خلفاء ثلثہ کی خلافت راشدہ کے اثبات میں اسی آیت استخلاف سے یہی طرز استدلال اختیار کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ بوقت انعقاد خلافت سمجھا گیا تھا کہ حضرت صدیقؓ کی خلافت بیعت اہل حل وعقد کی وجہ سے ہوئی ہے اور اہل حل وعقد نے آپ کا انتخاب بوجہ بعض اشارات نبویہ وتصریحات قدسیہ ومعاملات ولی عہدی مثل امامت نماز وغیرہ کے کیا ہے لیکن آیت استخلاف موعودہ تینوں نعمتوں کے ظہور کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں اور سب نے روز روشن کی طرح دیکھ لیا کہ یہ فعل ہمارا نہ تھا۔ یہ تو وعدہ الٰہی تھا جو سات آسمانوں سے اوپر سے اترا تھا۔ یہ حکم قضا مبرم تھا جو عرش عظیم سے نازل ہوا تھا اسی روز قضا نے ہمارے پردہ میں اپنا مقصد پورا کیا۔ اس مضمون کو صاحب قلم مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں اس طرح لکھتے ہیں: مگر

جب اوصاف موعودہ خلفاء پر منطبق ہو گئے تو سب پر ظاہر ہو گیا کہ جو حق تھا وہی واقع ہوا اور آنکھیں کھل گئیں کہ یہ فعل (خلیفہ بنانے کا) جماعت (اسلام کا نہ تھا) (بلکہ) وعدہ خدا تھا جس نے اتنے افکار اور قیاسات کے پردہ سے ظہور کیا الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۱۰۱) اس تمہید کے بعد اب آیت کے استدلال پر غور کرنا چاہیے۔ اگر تعصب اور ضد کی کدورت سے تھوڑی دیر کے لیے دماغ کو صاف کر کے اس آیت پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً روز روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ آیت حضرات خلفاء ثلثہؓ کی خلافت پر اس وضاحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے کہ ان تینوں خلافتوں کا انکار کرنے کے بعد آیت کی تصدیق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں پھر اس کے بعد لفظ منکم ہے جو ضمیر حاضر پر شامل ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزول آیت سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے۔ پس حضرت معاویہؓ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی امیہ و بنی عباس وغیرہ موعودہ لھم نہیں ہو سکتے۔ موعود لھم وہی صحابہ کرام مہاجرین و انصار ہیں جو نزول آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے۔ خلفاء اربعہ بھی انہی میں ہیں الخ (تحفہ خلافت ص ۱۱۸۔۱۱۹)

امر دوم

مولانا سندیلوی موصوف نے آیت استخلاف اور تمکین کا مصداق حضرت علیؓ سمیت چاروں خلفاءؓ کو قرار دیا ہے جیسا کہ ان کی یہ عبارت پہلے درج کی جا چکی ہے کہ: حضرت علیؓ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے یعنی حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کی طرح حضرت علیؓ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے (جواب شافی ص ۱۰)

(۲) مولانا سندیلوی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ: مگر جب جنگ جمل کے

بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہؓ نے ان کی (یعنی حضرت علیؓ کی) خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی شرعاً صحیح تھا۔ اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۲)

(۳) حضرت علیؓ کو خلفائے ثلثہ کی طرح آیت استخلاف کا مصداق قرار دینے کے باوجود مولانا سندیلوی نے حکمین کے فیصلہ کے بارے میں لکھا کہ: بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کیے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علیؓ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلہ کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنّت سے ثابت نہیں مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی نہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا خلافت سے دستبر دار ہو جانا شرعاً کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۷۱)

(۴) پھر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کی تجویز کیوں نہ قبول فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔ (ایضاً ۴۲۴)

تبصرہ

مولانا سندیلوی کی منقولہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے بارے میں متضاد نظریہ رکھتے ہیں۔ وہ مثل خلفاء ثلثہ حضرت علیؓ کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنے تھے اور پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کی معزولی کا مطالبہ بھی صحیح تھا

اور حکمین کا فیصلہ بھی صحیح تھا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور یہ بھی فرما تے ہیں کہ اگر دوبارہ انتخاب عام ہوتا تو وہ اس میں ناکام بھی ہو سکتے تھے حالانکہ ہر ذی شعور اور علم و فہم رکھنے والا شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنے تھے تو پھر ان کی معزولی اور دوبارہ انتخاب کرانے کا مطالبہ صحیح نہ تھا اور اگر یہ مطالبہ صحیح مان لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا کیا فائدہ ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے اور اس کے وعدہ کے خلاف کوئی امر واقع ہو ہی نہیں سکتا اور آیت استخلاف سے ہی مولانا سندیلوی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ خلافت ثابت کیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے تھے گو بظاہر صحابہ کرامؓ نے ان کو خلیفہ منتخب کیا تھا اور چونکہ حضرت علیؓ بھی آیت استخلاف کا مصداق ہیں اس لیے ان کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ خلافت تھی گویا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی خلیفہ بنائے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جس کو خلیفہ بنایا جائے تو اس کی معزولی کا مطالبہ بھی یا اس کو معزول کرنا گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی اسی بنا پر میں نے مولانا سندیلوی کے جواب میں الزاماً لکھا تھا اور وہی الفاظ دوہرائے تھے جو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے اثبات میں لکھے تھے ۔ چنانچہ میں نے لکھا کہ : جو استدلال انہوں نے صدیق اکبرؓ کی خلافت اور انتخاب کے صحیح اور حق ہونے پر آیت استخلاف سے کیا ہے وہی استدلال ان کو اور مومن بالقرآن کو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت اور انتخاب کے برحق ہونے کے لیے تسلیم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ: اس مرحلے پر باوجود اخلاص غلطی کا بھی امکان تھا۔ اس لیے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی

غلطی نہ ہو۔ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملہ میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب صحیح انتخاب ہوگا۔ چونکہ سندیلوی صاحب کے اپنے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ خلیفہ موعود ہیں اس لیے باقتضائے نص قرآنی یہ ایمان رکھنا ہوگا کہ خلفائے ثلٰثہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ امام برحق ہیں اور انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مقرر فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ان کا انتخاب خلافت بھی بالکل صحیح تھا اور اس انتخاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں پائی گئی۔'' (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۴۹۔۴۵۰)

(۲) جہاں تک حضرت علی المرتضیٰؓ رفع تنازعہ کے لیے رواداری کر سکتے تھے آپ نے فرمائی۔ چنانچہ حکمین کا تقرر تسلیم کر لیا اور یہ بھی اس لیے کہ آپؓ فریق ثانی کو حقیقی باغی قرار نہیں دیتے تھے (بوجہ ان کے اجتہادی اختلاف کے) لیکن جب حکمین نے ان کو معزول کر دیا تو چونکہ یہ فیصلہ آیت استخلاف کے خلاف تھا اس لیے آپ اس کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق** (جس کام میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے) حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ سندیلوی صاحب اگر آیت استخلاف پر ایمان رکھیں تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ: حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے اور اگر حضرت علیؓ المرتضیٰ حکمین کا فیصلہ منظور فرما لیتے تو یہ بھی آیت کے تقاضا کے خلاف ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کام وہ کر ہی نہیں سکتے تھے اس لیے حضرت علیؓ سے وہی عمل صادر ہوا جو مرضی خدا تعالیٰ کے عین مطابق تھا۔ اگر بالفرض حضرت علیؓ معزول ہو جاتے تو آج ہم حضرت علیؓ المرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ چوتھا موعودہ خلیفہ راشد

نہیں قرار دے سکتے تھے۔ اس صورت میں روافض کے لیے بھی خلفاء ثلثہ کے انکار کا راستہ کھل سکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح حضرت علیؓ کو وعدہ خداوندی کے باوجود معزول کرنا صحیح ہے اسی طرح خلفاء ثلثہ کا انتخاب بھی باوجود وعدہ خداوندی کے صحیح نہ تھا اور وہ خلافت راشدہ پر فائز ہونے کے اہل نہ تھے۔ کیا سندیلوی صاحب کے پاس ازروئے علم و دیانت اس کا کوئی جواب ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۴ تا ۴۵۶)

درویش صاحب کی خدمت میں

قاضی شمس الدین صاحب درویش بھی حضرت علیؓ المرتضیٰ کو قرآن کا موعودہ چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ان چاروں خلفاء راشدین میں سے باتفاق صحابہؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت باختلاف صحابہؓ آیت استخلاف و تمکین کا مصداق اول تھی۔ (مکتوب محررہ ۲۰ مئی ۱۹۸۵ء) یہ حوالہ ص ۲۳۸ پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

(۲) باقی فضائل و سوابق میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کو کوئی نسبت نہیں کیونکہ حضرت علیؓ موعودہ خلافت راشدہ کے چوتھے خلیفہ راشد ہیںؓ رضی اللہ عنہم اجمعین (مکتوب محررہ ۱۴ جولائی ۱۹۸۵ء)

(۳) لکھتے ہیں: فقیر نے بھی اپنے رسالہ "میاں چکری کا نیا چکر" میں اپنے وقت میں صرف حضرت علیؓ کو ہی خلیفہ راشد چہارم لکھا ہے لیکن الفاظ کے استعمال میں اتنی احتیاط کی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی عظمت شان کے خلاف کوئی نامناسب لفظ نہیں آنے دیا گیا۔" (مکتوب محررہ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۴ء) اسی مکتوب میں لکھتے ہیں۔ اور خود آپ نے بھی اپنے رسالہ "صحابہ اکرمؓ اور مودودی ۶۲ سے لے کر تا آخر بہت عمدہ دفاع صحابہؓ کیا ہے فجزاکم اللہ تعالیٰ۔ پاکستان میں

خارجیت سر اٹھا رہی ہے اس کے لیے آپ کی قیمتی کتاب خارجی فتنہ اول کافی ہے۔

سب کرداروں کو آپ نے قریب قریب ننگا کر دیا ہے اور احقاق حق خوب ہو گیا۔ فجزاکم اللہ۔ لیکن پاکستان میں عیسائیت، مرزائیت اور خاص کر رافضیت جس طرح انتہائی تیزی سے اپنے تار و پود پھیلا رہی ہے کہ آپ کا داخلہ بھی اس نے راولپنڈی میں بند کرا دیا ہے۔ خارجیت پاکستان میں اتنی نہیں جتنی صرف ایک تحصیل چکوال میں رافضیت ہے۔"

تبصرہ

فرمایئے۔ اس آخری مکتوب میں تو درویش صاحب نے خارجی فتنہ حصہ اوّل کی بھرپور تائید کر دی ہے۔ ۱۹۸۴ء میں تو میری اس کتاب کی آپ کے ہاں اتنی عظمت تھی لیکن اب آپ کو اس میں سبائیت نظر آ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے درویش صاحب، رنگ بدلتے ہیں

؎ جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں　　جو چاہے آپ کا ذہن کرشمہ ساز کرے

(۲) بہرحال آپ نے مندرجہ بالا اپنے دونوں خطوں میں صاف طور پر تسلیم کر لیا کہ حضرت علیؓ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت قرآن کے چوتھے خلیفہ راشد تھے اور اپنے وقت میں حضرت علیؓ ہی خلیفہ راشد تھے تو سوال یہ ہے کہ (۱) حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ہی حکمین کے فیصلہ کے بعد جب حضرت امیر معاویہؓ نے بیعت خلافت شروع کر دی اور آپ کی جماعت نے آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تو حضرت امیر معاویہؓ کی اس خلافت کی شرعاً کیا حیثیت ہوئی۔؟ اپنے دور میں تو صرف حضرت علیؓ ہی خلیفہ راشد تھے۔ اس لیے اب آپ حضرت امیر معاویہؓ کو اپنے قول کے پیش نظر خلیفہ راشد تو کہہ نہیں سکتے

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

(۲) آیت استخلاف کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور آپ کی خلافت پہلے تین خلفائے راشدین کی طرح اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ہے۔ بقول سندیلوی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو خلیفہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ اب آپ فہم و دیانت سے کام لے کر بتائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ سے معزول ہونے کا مطالبہ کرنا یا اس کو معزول کرنا کیا اللہ تعالیٰ کے حکم (یعنی امر بصورت وعدہ) کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں ہوگی اور کیا اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی گناہ نہیں ہے؟ تو اگر میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کو ان کے اپنے استدلال کی بنا پر الزاماً یہ لکھ دیا کہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا (ص ۴۵۵) اور چونکہ حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے الخ (ایضاً ص ۴۵۵) فرمایئے میں نے کونسی بات خلاف شریعت لکھی ہے اور جبکہ یہ بات بھی میں نے الزاماً لکھی ہے۔ چنانچہ مولوی لعل شاہ صاحب بخاری (جن کا گذشتہ سال انتقال ہو چکا ہے) کے شاگرد مولوی مہر حسین شاہ بخاری نے میرے نام کھلی چھٹی میں یہی عبارتیں پیش کی تھیں تو میں نے اس کو اپنے مکتوب محررہ ۱۶ مارچ ۱۹۸۳ء میں یہ لکھ دیا تھا کہ: اگر کہیں کچھ الفاظ موہم ہیں تو وہ مولانا سندیلوی پر الزاماً ہیں'' (ملاحظہ ہو دفاع حضرت معاویہ ص ۱۵)

قول وفیصل

اگر کوئی شخص حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق نہیں تسلیم کرتا اور ان کو برحق موعودہ خلیفہ راشد نہیں مانتا تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا جائز تھا (خواہ اس کا یہ موقف غلط ہی ہے) لیکن قاضی درویش صاحب تو اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ آیت استخلاف

اور آیت تمکین کا مصدق تھے اور اپنے وقت میں آپ ہی خلیفہ راشد تھے۔ تو اب اس مسئلہ کے حل کی دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) آپ یہ موقف اختیار کریں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مثل تین پہلے خلفاء راشدین کے وعدہ تو حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق ہی ان کو خلیفہ بنانے کا کیا تھا لیکن وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ یا تو وہ اپنے وعدہ کو بھول گیا یا بھولا تو نہیں لیکن وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکا (العیاذ باللہ)۔

(۲) یا آپ یہ موقف اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ بھولتا بھی نہیں اور اپنا وعدہ پورا کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور اس نے اپنے وعدہ کے مطابق ہی حضرت علیؓ المرتضیٰ کو اپنے وقت میں منصب خلافت پر سرفراز فرمایا اور جنہوں نے اس کے باوجود حضرت علیؓ کو معزول کر دیا ان کا یہ فعل ناجائز تھا۔ اگر آپ پہلی صورت اختیار کرتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے اور یہ عقیدہ کھلم کھلا کفر ہے اور اگر دوسری صورت اختیار کرتے ہیں تو اس میں حضرات حکمین حضرت ابو موسیٰؓ اشعریؓ اور فاتح مصر حضرت عمروؓ العاص کا زیادہ سے زیادہ اس معاملہ میں گناہگار ہونا لازم آتا ہے اور اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحابہؓ معصوم بھی نہیں ہیں اور سارے جنتی بھی ہیں۔ اگر ان سے غلطی یا گناہ ہو جائے تو یہ غیر معصوم انسان ہیں اور اگر خالق کائنات کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ علی کل شی قدیر نہیں ہے۔ وہ عاجز ہے تو پھر ایمان کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اب آپ ان میں سے جو صورت بھی اختیار کریں۔ اپنا انجام سوچ لیں۔

نافرمانی کی حقیقت

میں نے ان دونوں جلیل القدر صحابہؓ کے متعلق گناہ اور نافرمانی کے جو الفاظ لکھے تھے بظاہر تو حکم خداوندی کے مقابلہ میں یہی کہا جا سکتا تھا لیکن میں نے اسی

خارجی فتنہ حصہ اول میں اپنے الفاظ کی مراد بھی واضح کر دی تھی چنانچہ (۱) میں نے اپنے مؤقف کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارت پیش کر دی تھی۔ جس میں حکمین کے متعلق آپ نے حدیث نبوی نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں ضلاّ وضلّ من اتبعھا۔ اور ان الفاظ کی مراد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان الفاظ سے ظاہر کر دی ہے کہ: ''مراد از ضلاً آنست کہ خطا کردہ اندر ا[illegible] د خود'' 'ضلاً' سے مراد یہ کہ انہوں نے اپنے اس اجتہاد (یعنی حضرت علیؓ کو معزول کرنے میں) میں غلطی کی ہے۔ اب تو کسی قسم کا کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کسی کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنا نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیص وتوہین بلکہ حسب حدیث نبوی اس پر بھی ایک اجر ملتا ہے چنانچہ: مولانا اسحٰق سندیلوی بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ: کسی صحابی کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں'' (اظہار حقیقت ص ۵۶۵)

(۲) باوجود آیت استخلاف کا مصداق ہونے کے حضرت علیؓ المرتضیٰ کی معزولی کا مطالبہ جائز قرار دیا جائے تو پھر حضرت عثمانؓ ذوالنورین کی معزولی کا مطالبہ بھی جائز ہو سکتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقؓ کی موعودہ خلافت راشدہ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی اور روافض یہ کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا انتخاب صحیح نہ تھا۔ سینہ زوری سے ان کو خلیفہ بنایا گیا۔ اسی لیے: بندہ نے یہ لکھا تھا جیسا کہ پہلے بھی یہ حوالہ پیش کیا چکا ہے کہ: اس صورت میں روافض کے لیے بھی خلفاء ثلثہ کے انکار کا راستہ کھل سکتا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح حضرت علیؓ کو وعدہ خداوندی کے باوجود معزول کرنا صحیح ہے اسی طرح خلفائے ثلثہ کا انتخاب بھی باوجود وعدہ خداوندی کے صحیح نہ تھا اور وہ خلافت راشدہ پر فائز ہونے کے اہل نہ تھے۔ سندیلوی صاحب کے پاس

ازروئے علم ودیانت کوئی جواب ہے۔ (ص ۴۵۵)

زیر بحث عبارتوں سے رجوع کا مطالبہ

قاضی شمس الدین درویش اپنے مکتوب محررہ ۶ نومبر ۱۹۸۹ء میں لکھتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر محدث نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وضوح حق کے بعد جناب یہ تین صفحات از ص ۴۵۶ تا ص ۴۵۸ سے رجوع فرمالیں اور اس کا اعلان رسالہ حق چار یارؓ میں بھی کیا جاسکتا ہے اور دونوں صحابہؓ کی روح سے معافی مانگیں۔

(۲) حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ سے بھی انہوں نے اپنے مکتوب محررہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں میری زیر بحث عبارتوں کو پیش کر کے شکایت کی اور مفتی عبدالشکور صاحبؒ نے ان کو اپنے جوابی مکتوب محررہ ۵ صفر ۱۴۱۰ھ میں یہ لکھا کہ: حضرت قاضی مظہر حسین صاحب نوراللہ مرقدہ کی خارجی فتنہ حصہ اول کی عبارت کے بارے میں عرصہ ہوا حضرت موصوف کو توجہ دلا چکا ہے۔ حضرت موصوف کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ: ایک بات ان کی بندہ کو واقعی محسوس ہوئی ہے اور میں نے مفتی سید عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ، کی خدمت میں عرض کی۔ انہوں نے بھی تائید فرمائی ہے۔ اس لیے عرض ہے کہ اگر آنجناب توجہ فرمائیں اور مناسب خیال فرمائیں تو اس عبارت میں تبدیلی ہوجائے تو بہتر ہوگا خط کشیدہ الفاظ کی جگہ اگر اجتہادی خطا لکھ دیا جاتا تو زیادہ مناسب و بہتر ہوتا کیونکہ صحابہ کرامؓ کے متعلق گناہ اور سخت نافرمانی کے الفاظ سخت معلوم ہوتے ہیں الخ۔ اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب نے لکھا ہے: یہ الفاظ بظاہر واقعی سخت ہیں اور صحابہ کرامؓ کی عظمت کیخلاف ہیں لیکن بندہ نے بھی ان سے مراد اجتہادی خطا ہی لی ہے۔ یعنی یہ صورتاً گناہ اور نافرمانی ہے نہ کہ حقیقتاً (مکتوب حضرت قاضی صاحب موصوف ص ۲

۱۷ مارچ ۱۹۸۴ء) اور اپنی کتاب ''دفاع حضرت معاویہؓ'' میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہاں گناہ ونافرمانی سے مراد صورتاً ہے نہ کہ حقیقتاً۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر میں نے تصریح کر دی ہے۔ (ص ۲۷) اب جناب غور فرمالیں کہ جناب قاضی صاحب موصوف کی یہ توجیہہ کافی ہے یا نہیں۔ احقر کے ناقص خیال میں تو یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ عبارت کو تبدیل کر دیا جائے اور اجتہادی خطا لکھ دی جائے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے الخ

(۲) قاضی شمس الدین صاحب درویش کے دوسرے مکتوب کے جواب الجواب میں حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کے صاحبزادے جناب مولانا عبدالقدوس صاحب سلمہ' نے اپنے والد مکرم کے حکم سے ۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ کو ایک خط ارسال کیا جس میں انہوں نے درویش صاحب کو لکھا کہ جناب کے مکتوب گرامی کے متعلق حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ کے حکم سے چند خادمانہ گزارشات ذیل میں سپردِ قلم کر کے ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں بلاشبہ اسلم واحوط مسلک سکوت ہی ہے لیکن جب مخالفین کی طرف سے غلو کیا جائے تو احقاقِ حق کے طور صحیح مسلک کو پیش کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے اور وہ حسب تصریح متکلمین علمائے کرام یہی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جنگ میں حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا کو تسلیم کیا جائے۔ البتہ معاملہ چونکہ نازک ترین ہے اس لیے افراط وتفریط اور غلو سے احتراز کرتے ہوئے انتہائی محتاط الفاظ سے اس کی تعبیر کرنی ضروری ہے تاکہ ان حضرت کے بارے میں کسی قسم کی سوءِ ادبی کا پہلو بھی نہ نکل سکے۔ واللہ اعلم۔ احقر کے فہم ناقص میں تو حضرت قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم نے جابجا اپنی تحریرات میں اسی مسلک حق کو پیش فرمایا ہے اور جناب نے ان کی جو عبارت حکمین مکرمین کے بارے میں نقل فرمائی تھی حضرت

موصوف اس کو بھی صورتاً ہی معصیت قرار دے رہے ہیں ورنہ خطاء اجتہادی کی وہ بار ہا تصریح فرما چکے ہیں۔ لیکن چونکہ بظاہر الفاظ سخت ہیں اس لیے ان کو آئندہ ایڈیشن میں امید ہے کہ بدل دیا جائے گا اور خارجی فتنہ حصہ اول کے بعد لکھی جانے والی تحریرات میں انہوں نے خود اس کی وضاحت بھی فرما دی۔ اس کے بعد یہ بحث بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں ان کے بارے میں یہ فرمانا کہ: قاضی صاحب حضرت معاویہؓ کو باغی اور خاطی لکھتے ہی جا رہے ہیں الخ محل نظر ہے۔ آخر متقدمین نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں خطاء اجتہادی پر محمول کیے بغیر ان کی کیا تاویل ہو سکتی ہے۔

عبارت بدلنے کی ضرورت نہیں

خلافت راشدہ کے موضوع پر خارجی فتنہ حصہ اوّل میں اصل بحث میری مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی سے ہے اور یہ بحث بیسیوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت راشدہ کہ اثبات میں مولانا سندیلوی موصوف نے آیت استخلاف سے جس طرح استدلال کیا ہے ان کے اقتباسات سابقہ صفحات میں درج کر کے انہی کے طرز استدلال سے میں نے حضرت علیؓ المرتضیٰ کی موعودہ خلافت راشدہ ثابت کی ہے اور ان کو الزام دیا ہے کہ جب ان کے استدلال کے پیش نظر حضرت علیؓ المرتضیٰ کی خلافت بھی گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی قائم ہوئی ہے تو پھر حضرت علیؓ کو معزول کرنے کا فیصلہ بھی (بظاہر) اللہ تعالیٰ کے امر اور وعدہ کے خلاف ہی ہوگا۔ اگر میں گناہ اور نافرمانی وغیرہ کے الفاظ کی جگہ اجتہادی خطاء کے الفاظ لکھتا تو حضرت علیؓ کی موعودہ خلافت راشدہ کا جو مقام ہے وہ محفوظ نہ رہ سکتا کیونکہ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا بھی حق کے دائرہ ہی میں تھا۔ تو

بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انعقاد خلافت راشدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ گویا کہ موعودہ خلافت کو مانو یا انکار کرو، خلفاء راشدین کی اتباع کرو یا مخالفت معمولی بات ہے۔ اس لیے مولانا سندیلوی پر اتمام حجت کے لیے تو وہاں نافرمانی اور گناہ کے الفاظ ہی استعمال کیے جا سکتے تھے۔ لیکن مراد میری بھی یہی تھی کہ یہ صورتاً نافرمانی اور گناہ تھا ورنہ یہ اجتہادی خطا تھی جس پر حکمین کو بھی ایک درجہ اجر ملے گا۔ چنانچہ متصلاً ہی میں نے ان الفاظ موہومہ کی مراد بیان کر دی تھی۔ یہ نہیں کی خارجی فتنہ حصہ اوّل کی اشاعت کے بعد جب اعتراض ہوا تو میں نے اپنی مراد کی وضاحت کی۔ لہٰذا عبارت تبدیل کرنے کی کسی طرح بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان الفاظ سے میری مراد حقیقتاً نافرمانی اور گناہ ہے اور اس سے ان جلیل القدر صحابہؓ کی تنقیص و توہین ہوتی ہے تو میری ہزار بار نہیں لاکھ بار توبہ ہے۔ استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ

حنیف رامے کا معذرت نامہ

مشہور سیاسی لیڈر حنیف رامے صاحب سابق ایڈیٹر ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور نے اپنے ایک اداریہ میں حضرت عمروؓ بن العاص کے متعلق یہ لکھا تھا کہ: کیا عثمانؓ اور علیؓ کو اسلام ہی کے نام پر شہید نہیں کیا گیا تھا۔ کیا عمروؓ بن العاص نے علیؓ کے مقابلہ میں معاویہؓ کی بھاگتی ہوئی فوج کو سنبھالا دینے کے لیے قرآن کو نیزوں پر نہیں چڑھایا تھا الخ (ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی امیر تحریک خدام اہلسنت صوبہ پنجاب کے چھوٹے بھائی جناب حکیم مختار الحسینی صاحب سلمہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ رامے صاحب نے حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص وغیرہ صحابہؓ کی توہین کی ہے۔ چونکہ ان کے جناب حنیف رامے صاحب سے روابط تھے انھوں نے

رامے صاحب کو میری بات سے آگاہ کیا تو جناب رامے صاحب نے ۱۱ نومبر ۱۹۶۹ء کو مجھے حسب ذیل معذرت نامہ ارسال کیا:

محب گرامی قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعض احباب نے ذکر کیا ہے کہ میری ایک تحریر جناب کو ناپسند آئی ہے جس میں حضرت عمروؓ بن العاص کا حوالہ ہے۔ حاشا کسی صحابی رسول ﷺ کی اہانت کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا اسلام کو تحریک مساوات کے خلاف ایک رکاوٹ بنا کر پیش کرنے والے مودودی ٹولے نے آج یہ صورت حال ابھار دی ہے جیسے نعوذ باللہ اسلام سرمایہ داری کا حامی تھا۔ یہ کہنے کے لیے کہ جہاں بھی اسلام کا نام لیا جا رہا ہو ہمیں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ نام لینے والا کس نیت سے نام لے رہا ہے میں یہ لکھ گیا کہ پہلے بھی تو اسلام کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ یہ میری نالائقی ہے کہ دور صحابہؓ کی مذکورہ مثال دے ڈالی اور یہ غور نہ کیا کہ اس طرح کی اختلافی روایات سے امت میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔'' نیاز مند حنیف رامے ۱۱ نومبر ۱۹۶۹ء

جمیعۃ علماء اسلام سے میرے استعفاء (محررہ ۲۳ جون ۱۹۷۰ء) کا مکمل متن مولوی عبدالحق صاحب بشیر سلمہ نے حق چار یار ''جنتری ۱۹۹۰ء میں شائع کر دیا ہے۔ اس میں بھی حنیف رامے صاحب کے اس معذرت نامہ کا حوالہ موجود ہے۔

دفاع حضرت معاویہؓ

حضرت معاویہؓ کے دفاع میں بندہ نے جو کتاب ''دفاع حضرت معاویہؓ'' لکھی ہے اس کی بھی درویش صاحب کھل کر تعریف کر چکے ہیں جیسا کہ ص ۱۶ میں ان کی تقریظ کا عکس بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ص ۲۴۲ بھی ان کی تقریظ کے بعض اقتباسات نقل کر دیے گئے ہیں۔ اس لیے وہ حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں تو مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

(۲) دفاع حضرت معاویہؓ میں حضرات حکمین کے متعلق بھی میں نے عرض کر دیا تھا۔ چنانچہ مولوی مہر حسین شاہ بخاری کے جواب میں میں نے لکھا کہ: مولانا محمد اسحٰق سندیلوی چونکہ حضرت امیر معاویہؓ اور حکمین کی خطاء اجتہادی بھی نہیں مانتے اور حضرت علیؓ المرتضیٰ کو معزول کرنا وہ جائز قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے میں نے (خارجی فتنہ حصہ اول میں) لکھا ہے کہ: سندیلوی صاحب کا زیر بحث مسئلہ میں یہ کہنا کہ: نصب وعزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے الخ (اظہار حقیقت ص ۳۸۱) بالکل غلط ہے کیونکہ حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علیؓ المرتضیٰ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ان کو معزول کرنا اختلافی اور اجتہادی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے'' (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۸) حضرت علیؓ المرتضیٰ کو معزول کرنا خلاف قرآن اس لیے میں نے لکھا ہے کہ سندیلوی صاحب مثل خلفائے ثلثہؓ کے حضرت علی المرتضیٰؓ کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق ہونا تسلیم کر چکے ہیں اب اُن کے لیے یہ نظریہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ نص کے بعد اجتہاد کی گنجائش نہیں رہتی۔ البتہ حضرت امیر معاویہؓ ہوں یا حکمین یعنی حضرت موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاص یا دوسرے صحابہؓ اُن کے لیے یہ اجتہادی مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین (دفاع حضرت معاویہؓ) علاوہ ازیں میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں بھی لکھا ہے کہ: یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت قطعی طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں فرمایئے اگر حضرت معاویہؓ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی

المرتضیٰؓ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں، وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یہ یقین حاصل ہے اور حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی بنا پر امام غزالیؒ بھی خلفاء اربعہ کو بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں (چنانچہ احیاء العلوم جلد اول کی عبارت کتاب ھٰذا ص۳۲۱ (پہلا ایڈیشن) پر پیش کی جا چکی) تو اب زیر بحث مسئلہ میں اہل السنّت والجماعت کا یہی موقف صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ سے خلیفہ راشد وموعود (حضرت علیؓ) کے ساتھ جنگ وقتال کرنے میں خطا ہوگئی تھی۔ اس میں حضرت معاویہؓ کی نہ تنقیص ہے نہ بے ادبی"۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ۵۲۲) اسی سلسلے میں بندہ نے یہاں لکھا کہ: حضرت علیؓ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دور صحابہ میں یہ نصوص صحابہ کرامؓ کے پیشِ نظر نہ تھیں کیونکہ آیت و حدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے اس وقت صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کر لیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرف صحابیت کے ہم حضرت امیر معاویہؓ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیص شان الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص۵۳۴) اور علامہ ابن خلدون بھی یہی لکھتے ہیں کہ: مذکورہ بالا اختلاف پہلے دور کے لوگوں میں تھا لیکن دوسرے دور والے بیعت علیؓ کی صحت انعقاد پر متفق تھے اور اس پر بھی کہ اب تمام مسلمانوں کو ان کی بیعت کر لینی ضروری ہے اور (حضرت) معاویہؓ اور ان کے ہم نواؤں کی خصوصاً (حضرت) طلحہؓ و (حضرت) زبیرؓ کی رائے درست نہیں کیونکہ انہوں نے بیعت کرنے کے بعد (حضرت) علیؓ کی بیعت توڑ دی اور اس پر بھی کہ دونوں فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گناہگار نہیں جیسا کہ مجتہدوں کا حکم ہے۔ دور اول کے اس قول پر دور ثانی کا اتفاق

مشہور معروف ہے الخ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۳۵ بحوالہ مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص ۳۴)

اقتضاء النص کی بحث

خارجی فتنہ حصہ اول کی منقولہ (بالا عبارتوں میں میں نے لکھا ہے کہ: یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت قطعی طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ حضرتؓ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں فرمایئے اگر حضرت معاویہؓ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے، ہرگز نہیں۔'' (۲) بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اول میں چار خلفاء راشدین کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا بالترتیب مصداق قرار دیا تھا۔ قاضی شمس الدین صاحب درویش نے اپنے خطوط میں اس پر تنقید کی۔ چنانچہ اپنے مکتوب محررہ ۱۲ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ (۳ فروری ۱۹۸۵ء) میں لکھا کہ: ترتیب خلافت راشدہ کا اس طرح منصوص ہونا اکابر صحابہ تک کو معلوم نہ تھا۔ اکابر انصار نے طے کر لیا تھا کہ خلیفہ انصار میں سے ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے حضرات شیخین کو وہاں پہنچا دیا اور لفظی ردوکد کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہو گئے.... پھر ان چھ میں سے حضرت عثمانؓ خلیفہ نامزد ہوئے اور بالآخرہ وہ اپنے گھر میں ظلماً شہید کر دیے گئے۔ تو پھر خلافت کا معاملہ امر متنازعہ بن گیا۔ اس وقت عشرہ مبشرہ کے چار صحابی زندہ موجود تھے۔ چاروں حضرت علیؓ کی بیعت سے الگ رہے۔ دو تو حضرت علیؓ کے مخالف کیمپ کے مجاہد تھے حضرت علیؓ کے فوجیوں کے ہاتھوں وہ شہید ہوئے اور باقی دو الگ تھلگ رہے اور بعد میں حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر بقول حضرت امام ابن تیمیہؒ نصف اکابر صحابہ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ تو صحابہ کی اتنی بڑی تعداد پر حضرت علیؓ کا منصوص

خلیفہ راشد ہونا مشتبہ ہو گیا تھا۔ چونکہ بعد کی امت نے حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کر لیا تھا لہٰذا بعد کے اہل سنت کا متفق عقیدہ ہے کہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ ہی تھے۔'' میں نے اس کے جواب میں درویش صاحب کو لکھا تھا کہ: آپ نے عبارت النص اور اقتضاء النص کا فرق نہیں سمجھا۔'' پھر جواب الجواب میں جناب درویش صاحب نے اپنے مکتوب محررہ ۲۹ شعبان ۱۴۰۵ھ (۲۰ مئی ۱۹۸۵ء) میں یہ لکھا کہ: خلفاء راشدین کی منصوص خلافت کی بحث میں آپ نے فقیر کو لکھا ہے کہ: آپ (یعنی فقیر) نے عبارت النص اور اقتضاء النص کا فرق نہیں سمجھا۔ مخدوما۔ فقیر نے بھی کہنہ مشق استادوں سے اصول الشافعی اور نور الانوار وغیرہ پڑھی تھی۔ ان چار خلفاء راشدین میں سے تین کی خلافت باتفاق صحابہ اور حضرت علیؓ کی خلافت باختلاف صحابہؓ آیت استخلاف و تمکین کی مصداق اول تھیں۔ لیکن یہ خلافتیں باتفاق جیسا کہ فقیر نے پہلے عریضہ میں عرض کیا صحابہ کے نصب کرنے سے منصوب ہوئی تھیں۔ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بارہ اماموں کی امامتیں قرآن میں نام بنام منصوص تھیں جو حضرت عثمانؓ نے قرآن میں تحریف کر کے ان منصوص ناموں کی آیتیں قرآن سے نکال دیں۔ اگر آپ اقتضاء النص سے حضرت علیؓ کی خلافت کو منصوص ثابت کرنا چاہیں گے تو یہ اقتضاء النص عشرہ مبشرہ کے ان چار جلیل القدر صحابیوں کو بھی معلوم نہ تھیں اور صحابہ کی اس نصف تعداد کو بھی معلوم نہ تھیں جو حضرت علیؓ کی بیعت سے الگ رہے نہ حضرت علیؓ کو معلوم تھی کہ آخر وہ حضرت معاویہؓ سے مصالحت کر کے برضائے خود شام سے دستبردار ہو گئے۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ **فامرہ علی رضی اللہ عنہ واستمر الامر علی ذلک** (ابن کثیر ج ۷ ص ۳۲۳) یہ مبحث اتنا نازک ہے کہ علمی ردوکد کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بس مجمل اتنا ایمان ہی کافی ہے کہ چاروں خلفاء راشدین آیت استخلاف

وتمکین کے مصداق اول تھے اور قیامت تک جتنے دین دار سنی بادشاہان اسلام ہوں گے تا حضرت امام مہدی وہ ان آیات کا مصداق ہیں۔ کما ذکرہ المفسرون."

الجواب

قاضی درویش صاحب کی مندرجہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکے اور نہ ہی وہ اقتضاء النص کا مطلب سمجھتے ہیں ورنہ وہ یہ نہ لکھتے کہ: یہ مبحث اتنا نازک ہے کہ علمی ردوکد کا متحمل نہیں ہوسکتا اگر آپ کے نزدیک عقیدہ خلافت راشدہ کوئی واضح مدلل عقیدہ نہیں تو آپ شیعوں کے عقیدہ امامت کے مقابلہ میں عقیدہ خلافت راشدہ کیونکر ثابت کریں گے۔ شیعہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ خلفائے ثلثہؓ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق نہیں ہیں اور صحابہ کرامؓ نے زبردستی حضرت صدیق اکبرؓ کو پہلا خلیفہ منتخب کرلیا تھا۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ چونکہ ان آیات میں خلفاء ثلثہؓ کے نام نہیں ہیں اس لیے قطعی طور پر ان کو ان آیات کا مصداق نہیں قرار دے سکتے۔ (۲) درویش صاحب چاروں خلفائے راشدین کو آیت استخلاف وتمکین کا مصداق خود بھی قرار دے رہے ہیں اور اس کے باوجود بھی مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ اس ترتیب سے عشرہ مبشرہ میں سے بھی چار صحابہ کرامؓ نے ان خلفاء کو آیت استخلاف وتمکین کا مصداق نہیں سمجھا۔ اب درویش صاحب کو کون سمجھائے کہ اگر ان خلفاء اربعہ کی خلافت بطور عبارۃ النص کے قرآن سے ثابت ہوتی یعنی ان حضرات کے نام بھی آیات میں مذکور ہوتے تو پھر اختلاف کی گنجائش ہی نہیں تھی لیکن ان کے نام مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف واقع ہوگیا کسی کو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ آیت استخلاف وتمکین کا مصداق اول حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں۔ اس لیے انصار نے اپنی رائے پیش کردی اور گو

باتفاق صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد قطعی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ استخلاف حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق ہی تھا۔ اقتضاء النص کی مراد پہلے معلوم نہیں ہوتی لیکن جب اس کے مصداق کا وقوع ہوتا ہے تو پھر یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا مصداق فلاں تھا۔ مثلاً قرآن حکیم میں ہے۔ قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونهم او یسلمون الایته (سورۃ الفتح آیت ۱۶) آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑنے کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع اسلام ہو جائیں الخ (ترجمہ حضرت مولانا تھانوی) اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اولی باس شدید (سخت لڑنے والے) کون ہوں گے اور حدیبیہ میں پیچھے رہنے والے دیہاتوں کو ان سے لڑنے کی دعوت کون دے گا۔ یہ ایک پیشنگوئی ہے لیکن تاریخی واقعات کو ہم دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعوت دینے والے خلفاء ثلثہؓ تھے اور اولی باس شدید سے مراد اہل فارس و روم ہیں جن سے خلفاء ثلثہؓ کے دور میں جنگیں لڑی گئی ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شیعوں پر اتمام حجت کے لیے خلفاء ثلثہؓ کی برحق خلافت کے اثبات کے لیے یہ آیت پیش کر کے مفصل بحث کی ہے جو قابل ملاحظہ ہے یہاں صرف ان کی حسب ذیل عبارت پیش کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں: سَتُدعَونَ سے بطور اقتضاء (النص) کے یہ بھی سمجھا گیا کہ زمانہ آئندہ میں کوئی بلانے والا اعراب کو جہاد کفار کی طرف بلائے گا اور اس کے بلانے سے تکلیف شرعی قائم ہو جائے گی یعنی اگر وہ لوگ اس کے بلانے کو مان جائیں گے تو ثواب پائیں گے ورنہ عذاب کیا جائے گا الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۱۵۰) اسی سلسلے میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ

لکھتے ہیں: جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جاننا چاہیے کہ یہ بلانے والے خلفاء ثلثہؓ تھے۔ان کے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ موافق احتمالات عقلیہ کے یہ بلانے والے یا جناب مقدس نبوی ﷺ ہوں گے یا خلفاء ثلثہؓ یا حضرت مرتضیٰؓ یا بنی عباس یا ترک جنھوں نے سلطنت عرب کے ختم ہونے کے بعد سر اٹھایا تھا۔ان چھ احتمالوں سے زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا (اب دیکھو خلفاء ثلثہؓ کے سوا جس قدر احتمال ہیں سب باطل ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کا بلانا کبھی ظاہر نہیں ہوا باقی رہے حضرت مرتضیٰؓ اور بنو امیہ اور بنو عباس اور ان کے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لیے بلایا ہی نہیں جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔یقیناً یہ خاص قسم کا بلانا (جس میں چاروں مذکور اوصاف پائے جائیں) اتنی طویل مدت میں سوائے خلفاء ثلثہؓ کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا الخ (ایضاً ازالۃ الخفاء مترجم ص ۱۵۲۔۱۵۳) یہ ہے پیشگوئی بطور اقتضاء النص کے کہ اگر ان خلفاء ثلثہؓ کو برحق خلیفہ نہ مانا جائے اور آیت استخلاف اور آیت تمکین سے بطور اقتضاء النص کے چاروں خلفاء راشدین کی موعودہ خلافت راشدہ ثابت ہوتی ہے۔کیونکہ اگر اسی ترتیب سے ان کی خلافت نہ تسلیم کی جائے تو پھر ان آیات کا مصداق متعین نہیں کیا جا سکتا۔لہٰذا ان نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ خلفاء اربعہ کو ان دونوں آیات کا مصداق قرار دیا جائے کیونکہ آیت استخلاف میں لفظ منکم سے مراد یہ ہے کہ ان صحابہ کو خلافت دینے کا وعدہ ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور آیت تمکین میں الذین اخرجوا من دیارھم یعنی مہاجرین اولین کو بطور پیشگوئی کے اقتدار و حکومت دینے کا اعلان ہے اور مہاجرین اولین میں سے صرف ان چار خلفاء راشدین کو ہی حکومت ملی ہے۔لہٰذا اگر ان خلفاء اربعہ (چار یارؓ) کی موعودہ خلافت کو نہ تسلیم کیا جائے تو یہ آیت صحیح نہیں قرار پا سکتی۔بہر حال اقتضاء النص کا مصداق نزول

آیت کے وقت متعین نہیں کیا جا سکتا۔ خلافت واقع ہونے کے بعد ہی یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اس آیت کا مصداق فلاں فلاں صحابی ہیں۔ اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ: حضرت علیؓ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن دور صحابہؓ میں یہ نصوص صحابہ کرام کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت وحدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا مؤقف اختیار کر لیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرف صحابیت کے ہم حضرت امیرؓ معاویہ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا۔'' (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۳۴) اور مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی بھی از روئے عقیدہ حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ہماری حیثیت اور صحابہ کرامؓ کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنا ان کے لیے عقیدے کی حیثیت نہیں رکھتا تھا جبکہ ہمارے لیے اس کی حیثیت عقیدے کی ہے۔ وہ انہیں معزول کرنے یا ان کی خلافت سے انکار کرنے کا حق بھی رکھتے تھے جبکہ ہمیں یہ حق حاصل نہیں۔'' (اظہار حقیقت جلد ۲ ص ۲۲۵) اور بقول مولانا سندیلوی صحابہ کرامؓ حضرت علیؓ کی خلافت سے انکار کرنے کا بھی حق رکھتے تھے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس وقت قطعی طور پر معلوم نہیں تھا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق چوتھے درجے میں حضرت علیؓ ہی ہیں کیونکہ ممکن تھا کہ مہاجرین اولین میں سے کوئی اور صحابی اس کا مصداق بن جائے لیکن حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب ثابت ہو گیا کہ آپ کے دور میں اور کسی مہاجر صحابی کو خلافت نہیں ملی تو یقین ہو گیا کہ اس وقت آپ ہی آیت استخلاف و تمکین کا مصداق تھے۔ پھر اہل سنت والجماعت نے از روئے عقیدہ حضرت علیؓ المرتضیٰ کو قرآن کا چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کر لیا اور بعد میں ہی یہ رائے قائم کی گئی کہ موعودہ خلیفہ راشد کے

خلاف جنگ کرنا حضرت معاویہؓ کی اجتہادی غلطی تھی اور چونکہ حضرت علیؓ المرتضیٰ حضرت امیر معاویہؓ کو مجتہد سمجھتے تھے اس لیے آپ نے ان کے ساتھ حقیقتاً باغی کا معاملہ نہ اختیار کیا بلکہ ان کے ساتھ مصالحت کر لی۔ قاضی شمس الدین صاحب اب بھی اقتضاء النص کا مفہوم نہیں سمجھتے اس لیے ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ کسی عالم سے نورالانوار پھر پڑھ لیں اور اگر کوئی اور معلم نہ مل سکے تو پھر انانیت سے بالاتر ہو کر حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مخدوم پور) سے ہی نورالانوار پڑھ لیں تاکہ شیعوں کے طعن کا جواب دے سکیں۔

سنی سلاطین۔ خلافت راشدہ

قاضی شمس الدین درویش لکھتے ہیں:

''قیامت تک جتنے دنیدار سنی بادشاہان اسلام ہوں گے تا حضرت امام مہدی وہ ان آیات کا مصداق ہیں۔'' پھر درویش صاحب سنی بادشاہوں کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں: چونکہ بعد کی امت نے حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کرلیا تھا لہذا بعد کے اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ ہی تھے پھر امت نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ راشد تسلیم کیا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی فاتح سومنات اور حضرت سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ آیت استخلاف و تمکین کے مصداق نہ تھے۔'' (مکتوب محررہ ۱۲ جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ ۳ فروری ۱۹۸۵ء)

الجواب

ا۔ سلطان محمود غزنوی اور سلطان محمد وغیرہ سلاطین، خواہ اپنے دور میں کتنے ہی صالح و عادل ہوں، ان کو آیت استخلاف و تمکین کا مصداق قرار دینا آپ کی علم وفہم سے محرومی کی دلیل ہے۔ کاش کہ آپ ان دونوں آیتوں کے ترجمہ پر بھی غور کر سکتے

۔(۱) سورۃ الحج آیت ۶ کی آیت تمکین میں وعدہ الذین اخرجو امن دیارھم یعنی مہاجرین اوّلین سے ہے جن کو کفار نے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ فرمایئے کیا سلطان محمود غزنوی وغیرہ مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔ (۲) سورۃ النور کی آیت استخلاف میں فرمایا۔ وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان وعمل صالح والے ہیں۔ لفظ منکم کو سمجھنے کی کوشش کریں یعنی جو ایمان وعمل صالح والے صحابہ کرامؓ نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ آیت میں وعدہ صرف انہی سے ہے۔ فرمایئے کیا مذکورہ سلاطین نزول آیت کے وقت کے مومنین صالحین میں سے تھے۔ (۳) اگر بعد کے سنی دیندار اور سلاطین بھی قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین میں ہوں تو پھر خلفائےؓ راشدین کی کیا خصوصیات باقی رہ جاتی ہے۔ آپ نے تفسیر ابن کثیرہ جلد ۲ کا حوالہ دیا ہے لیکن مجھے تو اس میں آپ کے اس نظریہ خلافت کا ثبوت نہیں مل سکا حافظ ابن کثیر نے تو اس میں الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ والی حدیث درج کی ہے اور اس کے علاوہ بارہ خلفاء والی حدیث بھی پیش کی ہے۔ سلطان محمود غزنوی وغیرہ سلاطین تیس سالہ خلافت میں شامل ہیں اور نہ ان بارہ خلفاء میں، کیونکہ ان بارہ خلفاء کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ تمام قریش میں سے ہوں گے۔ (۴) حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کو اگر خلیفہ راشد لکھا گیا ہے تو لغوی معنی میں نہ کہ آیت استخلاف وتمکین کا مصداق ہونے کی وجہ سے۔ اگر کسی مفسر نے ان کو آیت استخلاف وتمکین کا مصداق قرار دیا ہے تو حوالہ پیش کریں۔ (۵) حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضوان اللہ عنہم صحابی ہیں اور اپنے دور میں ان کی خلافت کو برحق مانا گیا ہے لیکن کسی مفسر نے ان حضرات کو آیت استخلاف وتمکین کا مصداق نہیں قرار دیا۔ اگر آپ کے

پاس اس کا ثبوت ہے تو پیش کریں (٦) امام مہدی موعود اس امت کے آخر میں عادل خلیفہ ہوں گے اور شیعہ علماء ان کو آیت استخلاف و تمکین کا مصداق دیا کرتے ہیں لیکن کسی سُنّی مفسّر نے ان کو آیت استخلاف و تمکین کا مصداق قرار دیا ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں۔ سنی تفاسیر میں تو صرف خلفاء اربعہ کو ہی ان آیات کا مصداق قرار دیا ہے کیونکہ یہ چاروں مہاجرین اولین میں سے تھے اور چونکہ امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں ان کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد نہیں قرار دیا گیا چنانچہ (١) امام رازی آیت استخلاف کی تفسیر لکھتے ہیں: دَلّت الآیتہ علی امامة لائمة الاربعة (یہ آیت چاروں اماموں کی امامت (یعنی خلافت) پر دلالت کرتی ہے۔ (٢) امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کا مصدق خلفاء اربعہؓ کو قرار دیا ہے۔ قاضی ابو بکر بن العربی متوفی ٥٤٣ھ لکھتے ہیں: قال علماء فا هذه الآیة وعد حق وقول صدق یدل ذلک علی صحة امامة الخلفاء الاربعة (احکام القرآن جلد ص ١٣٨٠ (ہمارے علماء کا قول ہے کہ یہ آیت (استخلاف) اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ اور سچا قول ہے اور یہ چاروں خلفاء کی خلافت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے)۔ (٢) اما الا بتدافهزہ الآیة واما الانتها فحدیث سفینة قال سعید بن جمهان عن سفینة قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یوتی اللّٰہ الملک من یشاء خلافت (نبوت) کی ابتداء اس آیت سے ہے اور اس کی انتہا حضرت سفینہ کی حدیث پر ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میرے بعد خلافت نبوت تیس سال رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا دے گا۔ (ایضاً ص ١٣٨١)

زمانہ حال کے مفسرین میں سے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو کہ جوان میں نیک ہیں پیچھے ان کو

خلافت دے گا اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ الخ (موضح القرآن)۔ (۵) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: الحمد للہ کہ یہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاءؓ کے ہاتھوں پر پورا ہوا اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشنگوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفاءؓ اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونے کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب وغریب بشارات سنائی گئی ہیں الخ (فوائد عثمانی) (ب) سورۃ الحج کی آیت تمکین کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زمین کی حکومت عطا کی اور جو پیشنگوئی کی گئی تھی حرف بحرف سچی ہوئی۔ اس آیت سے صحابہؓ خصوصاً مہاجرین اور ان میں احسن خصوص کے طور پر حضرات خلفاء راشدینؓ کی حقانیت اور مقبولیت ومنقبت ثابت ہوئی۔"

غالباً درویش صاحب نے علامہ عثمانیؒ کی اس عبارت سے یہ سمجھا ہے کہ غازی سلطان محمود غزنوی آیت استخلاف کا مصداق ہیں کہ "خلفاء اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونے کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے الخ حالانکہ خلفاء اربعہ کے نمونے کے مطابق بادشاہان اسلام کا آنا ایک تاریخی واقعہ تو ہوسکتا ہے کہ فلاں فلاں شاہان اسلام نے خلفاء راشدین کی اتباع میں حکومت قائم کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اہل اسلام کو خلفاء راشدین کے طریقے کی پیروی کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا: "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ یعنی تم پر میری سنت اور میرے خلفاءؓ راشدین کی سنت (طریقے) کی پیروی لازم ہے۔" حدیث میں معیاری نمونہ سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد سنت خلفاء

راشدین کو قرار دیا گیا ہے۔تو جس طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے والا رسول نہیں بن جاتا اسی طرح خلفاءؓ راشدین کی سنت (طریقے) کی پیروی کرنے والے بادشاہان اسلام خلفاء راشدین نہیں قرار دیے جا سکتے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسنؓ صحابی اور حضرت امیر معاویہؓ صحابی کو بھی مفسرین نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق ہونے کی تصریح نہیں کی اور نہ کسی محدث نے آپ کو قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین میں شمار کیا ہے۔(٦) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل بھی ہے کیونکہ جو پیشگوئی اس آیت میں فرمائی گئی تھی وہ بالکل اسی طرح پوری ہوئی۔اسی طرح یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق وصحیح اور مقبول عنداللہ ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اس کی امت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہی حضرات کے زمانے میں ہوا۔اگر ان حضرات کی خلافت کو حق وصحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا حال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ ہی کہیں پورا نہیں ہوا اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے۔اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری امت ذلت وخواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لیے ان کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ! حقیقت یہ ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے جن شرائط ایمان وعمل صالح کی بنیاد پر کیا تھا وہ شرائط بھی انہی حضرات میں سب سے زیادہ کامل ومکمل تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا پورا اُنہیں کے عہد میں پورا ہوا۔ان کے بعد نہ ایمان وعمل کا وہ درجہ قائم رہا نہ خلافت وحکومت کا وہ وقار کبھی قائم ہوا۔(تفسیر معارف القرآن جلد ۸ آیت نور) یہاں حضرت مفتی صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ: یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے جن شرائط ایمان و

عمل صالح کی بنیاد پر کیا تھا وہ شرائط بھی انہیں حضرات میں سب سے زیادہ کامل ومکمل تھیں الخ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ دراصل یہی چار خلفاء اس آیت استخلاف کا پورا پورا مصداق ہیں۔ اس لیے یہی قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین ہیں۔

حضرت نانا تویؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانا تویؒ نے آیت استخلاف کی تشریح میں یہ لکھا ہے کہ: اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں چار یارؓ کے لیے تھا۔ (ہدیۃ الشیعہ طبع قدیم ص ۵۶) تو بالذات تو دراصل یہی چار خلفاءؓ راشدین اس آیت کا مصداق ہیں۔ اگر بعد کے اہل اقتدار مسلمانوں کو ان کی اتباع میں حکومت کرنے کی توفیق ملی ہے تو وہ بالتبع ہے یعنی وہ ان حضرات کے طفیلی ہیں۔

اقتضاء النص کا مفہوم

عبارت النص وہ عبارت ہے جس میں کسی دوسرے معنی اور مصداق کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ مثلاً محمد رسول اللہ (حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)۔ لیکن اقتضاء النص وہ عبارت ہے جس کا مصداق متعین نہیں ہوتا البتہ نص (عبارت) کا جو تقاضا ہے جب وہ پورا ہوتا ہے تو اس کا مصداق متعین ہو جاتا ہے اور اگر اس مصداق کو تسلیم نہ کیا جائے تو وہ نص (عبارت) بے معنی اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً زیر بحث آیت استخلاف کا مصداق اگر خلفاء اربعہ کو نہ قرار دیا جائے (جو مہاجرین اوّلین و نزول آیت کے وقت مومنین کاملین میں سے ہیں) تو پھر اس آیت کا کوئی مطلب اور مصداق صحیح نہیں بن سکتا لیکن اگر بعد کے دیندار بادشاہوں کو آیت کا مصداق نہ قرار دیا جائے تو آیت اپنے معنی اور مصداق میں صحیح قرار پا سکتی ہے اور اس نص کی صحت بعد کے دیندار بادشاہان اسلام کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے پر موقوف

نہیں۔

(۲) آیت استخلاف کا تقاضا یہ ہے کہ خلفاء اربعہ کو منصب خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے بہر حال مومنین کاملین تسلیم کرنا پڑتا ہے اور ان کے ایمان کامل اور عمل صالح کے ثبوت کیلیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ برعکس اس کے، بعد کے دیندار سلاطین کے ایمان وعمل صالح کو پہلے دوسرے دلائل سے ثابت کرنا ہوگا اور اس میں مخالفین کو ان کے ایمان وعمل صالح میں شک وشبہ کی گنجائش مل سکتی ہے۔اس لیے کہ ان کا صرف اہل اقتدار ہونا ان کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ کئی دیگر ایسے سنی سلاطین بھی گزرے ہیں جو اہل اقتدار ہونے کے باوجود صالح نہیں تھے۔خلاصہ یہ کہ بعد کا سلاطین کا اقتدار پر رہنا ان کے نیک اور صالح خلیفہ ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلافت مومنین صالحین اور مہاجرین اولین ہی کیلیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت سے اپنے وعدہ کو بیان فرمایا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وعدہ تو مومنین صالحین کو خلیفہ بنانے کا ہولیکن اس کے برخلاف غیر مومنین صالحین منصب خلافت پر قبضہ کرلیں جیسا کہ شیعہ خلفائے ثلثہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے زبردستی منصب خلافت پر قبضہ کرلیا اور حضرت علیؓ کو خلیفہ نہیں بننے دیا حالانکہ شیعوں کا یہ عقیدہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے انکار پر مبنی ہے۔العیاذ باللہ۔

حدیث ثلثون سنۃ

آیت استخلاف سے بطور اقتضاء النص خلفاء اربعہ (چار یارؓ) کی خلافت موعودہ ثابت ہوتی ہے اور اس کی تائید تیس سالہ خلافت والی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی محدث دہلویؒ آیت استخلاف کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں۔ چنانچہ در حدیث آمدہ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ (خلافت (راشدہ

موعودہ) میرے بعد تیس سال ہوگی۔ (بحوالہ فتح الرحمٰن) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ اس تیس سالہ خلافت کی مدت میں حضرت امام حسنؓ کی ششماہی مدت خلافت بھی شامل ہے لیکن اس کے باوجود محققین اہل سنت نے حضرت امام حسنؓ کی ششماہی مدت خلافت راشدہ میں شمار نہیں کیا کیونکہ ان کی خلافت راشدہ موعودہ کا تتمہ ہے اور تتمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعض مقاصد کی تکمیل آپ ہی کی خلافت میں ہوئی ہے مثلاً حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ مصالحت جس کی حدیث میں خبر دی گئی ہے۔ (ب) آنحضرت ﷺ نے تیس سالہ مدت میں کسور کا اعتبار نہیں فرمایا اور اسی طرح خلفاء اربعہ کی خلافت راشدہ بھی نبوت محمدیہ کا تتمہ ہے۔ چنانچہ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کا تذکرہ اور ان کے اوصاف و کمالات کا بیان در حقیقت آنحضرت ﷺ کے ذکر مبارک کا تتمہ اور تکملہ ہے۔'' (کتاب خلفاءؓ راشدین) اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی فرماتے ہیں: ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ۔ خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت تھا۔'' (ازالۃ الخلفاء مترجم جلد اول ص ۱۰۰)

حدیث ثلثون سنۃ صحیح ہے

حامیان یزید عموماً حدیث ثلثون سنۃ کو موضوع اور من گھڑت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی بھی اس حدیث کے متعلق بعنوان'' ایک حدیث اور اس کا جواب'' لکھتے ہیں: یہ وہ حدیث ہے جس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کو چار خلفاء میں محصور محدود کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جس نے بھی سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو راشدہ شمار نہیں کیا اس نے اسی حدیث کو اپنے اس غلط فیصلہ کی بنیاد بنایا ہے اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے غیر راشدہ ہونے پر صرف اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا

ہے، حالانکہ یہ حدث روایت و درایت کے لحاظ سے غیر صحیح بلکہ موضوع ہے اور اس کو کسی صورت بھی اس اہم فیصلہ کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ روایت کے اعتبار سے اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کا مشہور محدث قاضی ابوبکر ابن العربی نے لکھا ہے۔ ھذا حدیث لایصح) یہ حدیث صحیح نہیں ہے)العوام من القواصم ص ۲۰۱ (سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار جلد دوم ص ۲۵۳)اس کے علاوہ حکیم صاحب کا جو مضمون مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب فاروقی کی مرتب کردہ خلافت راشدہ جنتری ۱۹۹۰ء میں بعنوان ''حضرت معاویہؓ اور خلافت راشدہ شائع ہوا ہے اس میں بھی وہ بعنوان :ایک حدیث اور اس کا جواب'' لکھتے ہیں کہ: روایت کے اعتبار سے اس حدیث کے غیر صحیح ہونے پر مشہور محدث قاضی ابوبکر العربی نے لکھا ہے۔ ھذا حدیث لایصح ۔یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (العواصم من القواصم ص ۲۰۱ ایضاً جنتری ص ۶۶) علاوہ ازیں حکیم صاحب نے جمہور اہلسنت کے اس قول کی بھی تردید کی ہے کہ مشاجرات صحابہؓ میں حضرت علیؓ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت معاویہؓ سے اجتہادی خطا ہوئی تھی ان کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کا اجتہاد صحیح تھا۔

الجواب

(۱) حکیم صاحب کا یہ لکھنا غلط ہے کہ خلافت راشدہ کی بنیاد صرف اس حدیث کو بنایا گیا ہے کیونکہ خلافت راشدہ موعودہ کی بنیاد آیت استخلاف اور آیت تمکین ہے جس کا مصداق صرف چار خلفاءؓ راشدین ہیں اور نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ حضرت امام حسنؓ ان آیات کا مصداق نہیں بن سکتے کیونکہ یہ دونوں صحابی مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں پہلے حکیم ظفر صاحب ثابت کریں کہ آیت استخلاف کے نزول کے وقت حضرت امیر معاویہؓ ایمان لا چکے تھے اور فتح مکہ سے پہلے آپ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔

(۲) حدیث سے تو آیت کی تائید ہوتی ہے اور حکیم صاحب کا یہ لکھنا بھی خلاف تحقیق ہے کہ قاضی ابوبکر بن العربی نے تیس سالہ حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ قاضی ابوبکر بن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں اس حدیث کو خلافت راشدہ کی تائید میں پیش کیا اور آیت استخلاف کا مصداق حضرت خلفاء اربعہ کو قرار دیا ہے جیسا کہ اُن کی حسب ذیل عبارت پہلے نقل کر دی گئی ہے کہ: اما الابتداء فھزہ الآیۃ و اما الانتھاء فحدیث سفینۃ. قال سعید بن جمھان عن سفینۃ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خلافۃ النبوۃ ثلثون سنۃ ثم یوتی الملک من یشاء (احکام القرآن جلد ثالث ص ۱۳۸۱) خلافت راشدہ کی ابتداء یہ آیت استخلاف ہے اور اس کی انتہاء حضرت سفینہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد خلافت نبوت تیس سال ہوگی اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا سلطنت دے گا۔ علاوہ ازیں ابن العربی نے یہ حدیث احکام القرآن جلد ۴ ص ۱۷۳۰ پر بھی آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کے تحت حدیث ان ابنی ھذا سیّد کے بعد پیش کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ العواصم من القواصم کی مذکورہ عبارت الحاقی ہے جو حکیم ظفر صاحب موصوف نے پیش کی ہے اور میں نے خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید میں العواصم والقواصم کی بعض عبارتوں کا الحاقی ہونا ثابت کیا ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی اس تیس سالہ حدیث شریف کے بارے میں لکھتے ہیں: صححہ ابن حبّان: اس حدیث کو محدّث ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے) (فتح الباری شرح البخاری جلد ۱۳ ص ۱۸۲) حکیم صاحب موصوف حضرت معاویہؓ کو خلیفہ راشد ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت اولئک ھم الراشدون پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے شخص

کی خلافت صحیح اور راشدہ نہیں۔ کیا سیدنا معاویہؓ بقول قرآن کریم: اولئک هم الراشدون خود راشد نہیں الخ (ایضاً مضمون جنتری ص ۶۴) اس استدلال کا یہاں مختصراً جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جلیل القدر صحابی تھے وہ بھی اولئک هم الراشدون کا مصداق تھے لیکن حکیم سیالکوٹی صاحب نے اُن کی خلافت کو راشدہ نہیں مانا بلکہ ان کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ آپ کی خلافت بازیچہ اطفال تھی یعنی بچوں کا کھیل تھی۔ فرمایئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اتنا بُغض کیوں ہے کہ ان کو خلیفہ راشد نہیں تسلیم کرے؟ حکیم صاحب کے بعض نظریات پر زیر بحث مضمون میں ان کی خود ساختہ تحقیقات کی حیثیت بھی واضح کر دی گئی ہے۔ کاش کہ وہ خلافت راشدہ کے موضوع پر قلم نہ اٹھاتے۔ یہ موضوع ان کی علمی دسترس سے باہر ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ حکیم صاحب نے کسی مدرسہ میں دورہ حدیث کی تکمیل کی ہے یا نہیں اور انہوں نے بخاری و مسلم کسی استاد سے پڑھی ہیں یا نہیں واللہ اوعلم۔ عموماً مفسرین محدثین اور متکلمین نے آیت استخلاف کے تحت اسی حدیث ثلاثون سنة سے استدلال کیا ہے مثلاً امام ابوعبداللہ الانصاری القرطبی لکھتے ہیں: قال الضحان فی کتاب النتعاش هذه الاية تنضمن خلافة ابی بکر و عمرو عثمان وعلی لانهم اهل الایمان وعلموا الصلحت وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الخلافة بعدی ثلثون (تفسیر قرطبی جلد ۱۲ص ۲۹۷) ضحاک نے کتاب النعاش میں فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کی خلافت کو شامل ہے کیونکہ وہی (حسب آیت) ایمان و عمل صالح والے ہیں)

(۲) حافظ ابن کثیر محدث و مفسّر بھی آیت استخلاف کی تفسیر میں حدیث اثنا عشر خلیفہ کے تحت لکھتے ہیں: وقد روی الامام احمد وابو داؤد الترمذی

والنسائی من حدیث سعید بن جمهان عن سفینة مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ قال الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم تکون ملکا عضو ضا ۔امام احمد۔ابوداؤد۔ترمذی اور نسائی نے سعید بن جمہان کی روایت بیان کی ہے۔حضرت سفینہؓ مولی (غلام) رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔اس کے بعد کاٹنے والی بادشاہت ہوگی)(تفسیر ابن کثیر جلد ثالث ص ۳۰۱)۔

۳۔امام علاء الدین علی بغدادی آیت استخلاف کیتحت لکھتے ہیں۔

عن سفینة قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکا (تفسیر خازن جلد ۳ص ۲۶۰) حضرت سفینہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔

حکیم صاحب کی ایک اور تلبیس

حکیم محمود احمد ظفر لکھتے ہیں۔جس طرح آج ہمارے ذہنوں میں یہ ٹھونسا جاتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی چپقلش میں حق اور صواب سیدنا علیؓ کیساتھ تھا اور سیدنا معاویہؓ راہ خطا پر تھے۔یہ عقیدہ متقدمین اہل سنت کا نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک اسلام کے یہ دونوں بزرگ راہ صواب پر تھے کیونکہ دونوں کا موقف اپنے اپنے مقام پر صحیح تھا اور اس کے خلاف اعتقاد رکھنا یعنی سیدنا علیؓ کو صواب پر اور سیدنا معاویہؓ کو خطا پر سمجھنا تشیع تھا۔چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ترجمہ: متقدمین کے نزدیک اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ سے افضل تھے اور جنگوں میں سیدنا علیؓ راہ صواب اور آپ کے مخالفین سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی راہ خطا پر تھے تشیع کہلاتا تھا۔باوجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر سیدنا

عمرؓ) کو مقدم اور افضل سمجھنے کے۔" (تہذیب التہذیب جلد اول ۹۴) آج اہل سنت کی اکثر کتابوں میں یہ الفاظ آپ کو ملیں گے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں اور تنازعات میں سیدنا علیؓ حق پر تھے اور جناب معاویہؓ خطا پر۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جب مسند اقتدار بنو عباس اور آل بویہ اور ایسے دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن کا تعلق شیعان علیؓ سے تھا تو انہوں نے تاریخ کی جھوٹی اور سراپا کذب روایات کے زور پر عقیدہ ایجاد کروایا کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں میں اول الذکر راہ حق پر تھے اور ثانی الذکر راہ خطا پر۔ اس عقیدہ کی ترویج میں علامہ تفتازانی۔ علامہ سیوطی جیسے کئی بزرگوں کا ہاتھ بھی نظر آتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت اگر راشدہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت راشدہ نہ ہو اور جو حضرات ان دونوں خلافتوں کے درمیان راشدہ اور غیر راشدہ کا فرق ظاہر کرتے ہیں ان کے دلائل کسی معقول ذہن کا بالکل متاثر نہیں کر سکتے کیونکہ خلافت غیر راشدہ کا مارکہ (BRAND) لگانے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقدس دامن پر جن دھبّوں کو نمایاں کیا جاتا ہے تاریخ کی خورد بین وہی دھبّے سیدنا علیؓ کے دامن پر بھی بتاتی ہے پھر ذہن اس بات کے قبول کرنے سے یک قلم اِبا کرتا ہے کہ ایک بزرگ صحابی کی خلافت کو راشدہ تسلیم کیا جائے اور دوسرے بزرگ کی خلافت کو غیر راشدہ۔ اور اس کے ساتھ ذہن فوراً اس بات کو اخذ کرتا ہے کہ اس قسم کے بے دلیل دعوے کے پیچھے ضرور کوئی سازشی ہاتھ ہے جس نے امت کے ساتھ اس قسم کی سازش کی ہوئی ہے۔ اس کی ایک عام فہم مثال سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے اسمائے گرامی کے ساتھ امام بطور سابقہ اور علیہ السلام بطور لاحقہ کے شیعہ ازم کا ایک ایسا پروپگینڈہ ہے جس سے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت غیر شعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں اور آج یہ لفظ ان کی کتابوں میں جا بجا ملتا ہے

حالانکہ امامت کا یہ تصور جس کے تحت حضرات حسنینؓ کو امام کہا جاتا ہے خالص شیعہ تصور ہے اور اہل سنت کے ہاں ایسی امامت کا کوئی جواز نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں امام ابوبکرؓ، امام عمرؓ وغیرہ کے الفاظ نہیں لکھتے۔دوسرے علیہ السلام کا لفظ اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے لیے مختص ہے الخ (مضمون خلافت راشدہ جنتری ۱۹۹۰ء ص ۶۰۔۶۱)

الجواب

(ا) حکیم صاحب نے مندرجہ مضمون میں تو یہ لکھا ہے کہ یہ عقیدہ کہ حق اور صواب سیدنا علیؓ کے ساتھ تھا اور سیدنا معاویہؓ راہ خطا پر تھے یہ عقیدہ متقدمین اہل سنت کا نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک اسلام کے یہ دونوں بزرگ راہ صواب پر تھے لیکن حکیم صاحب نے اپنی کتاب :سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار" حصہ اول ص ۳۱۳ پر بعنوان "اہل السنت والجماعت کا مسلک" یہ لکھا ہے کہ: اسی فیصلے کی رُو سے اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔سیدنا معاویہؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سیدنا علیؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے باوجود قدرت کے قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص نہ لیا اور اس طرح تصفیہ نپٹنے کے بجائے اور طویل ہوگیا الخ اس کے بعد ص ۳۱۴ پر لکھتے ہیں: باوجود خطاء اجتہادی کے دونوں حضرات مخلص تھے۔ان کی کوئی بات بھی دین میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے نہ تھی الخ۔یہاں حکیم صاحب نے واضح طور پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی اجتہادی خطا تسلیم کر لی ہے۔فرمائیے جنتری کے مضمون میں جو تحقیق لکھی ہے کہ دونوں صواب پر تھے یعنی کسی سے اجتہادی خطا نہیں ہوئی اور کتاب کی عبارت میں یہ لکھنا کہ دونوں سے اجتہادی خطا ہوئی تھی۔ان میں آپ کی کونسی بات صحیح ہے؟

(ب) اگر حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کو ماننے والے شیعہ ہیں شیعوں سے متاثر ہیں تو فرمائیے آپ جب دونوں حضرات کو اجتہادی خطا کرنے والا قرار دیتے ہیں تو آپ ڈبل شیعہ نہیں ثابت ہوں گے۔

(۲) جنتری کے مضمون میں جو انہوں نے تہذیب التہذیب جلد اول کی عبارت پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ متقدمین کے نزدیک حضرت معاویہؓ کو خطا پر ماننا شیعیت ہے۔ یہ نتیجہ ان کا غلط ہے کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا اپنا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علیؓ مصیبت ہیں یعنی ان کا اجتہاد صحیح ہے اور حضرت معاویہ مخطی ہیں یعنی ان کا اجتہاد غلط تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ودل حدیث تقتل عماراً الفئته الباغية على ان علياً كان مصيباً فی تلف الحروب لان اصحاب معاوية قتلوه۔ (فتح الباری شرح البخاری جلد ۱۳ ص ۷۵) اور یہ حدیث کہ حضرت عمارؓ بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا اس امر کی دلیل ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علیؓ صواب پر تھے۔ (یعنی ان کا اجتہاد صحیح تھا) اور اسی بحث میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: وذهب جمهور اهل السنة الى تصويب من قاتل مع علیؓ لامتثال قوله تعالى وان طائفتان من المومنين اقتتلوا الآية. وفيها الا مريقتال-الفتنة الباغية وقد ثبت ان من قاتل علياً كانوا يقاةً وهولاء مع هذا التصويب متفقون على انه لا واحد من هولاء بل يقولون اجتهدو افا خطؤا وذهب طائفة قليلة من اهل السنة وهول قول كثير من المعتزله الى ان كلاً من الطائفتين مصيب طائفة الىٰ ان المصيب (ايضاً ص ۵۸): اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ جو لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر لڑنے والے ہیں وہ صواب پر تھے کیونکہ انہوں نے اس آیت پر عمل کیا تھا کہ: اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو الخ۔ اور اس آیت میں باغی

گروہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے اور تحقیق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنہوں نے حضرت علیؓ سے لڑائی کی ہے وہ باغی تھے اور یہ حضرات (یعنی جمہور اہل السنّت والجماعت) باوجود حضرت علیؓ اور ان کے گروہ کو صواب پر قرار دینے کے اس امر پر بھی متفق ہیں کہ جنہوں نے ان سے جنگ کی ہے وہ قابل مذمت نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا جس میں ان سے خطا ہو گئی اور اہل سنت میں سے ایک قلیل گروہ کا یہ مسلک ہے اور اکثر معتزلہ بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں گروہ صواب پر تھے اور ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ان میں سے بلاتعیین ایک گروہ صواب پر ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ مشاجرات صحابہؓ میں دونوں کو صواب پر سمجھنے والے اکثر معتزلہ ہیں اور بعض اہل سنت۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے یہاں کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا کہ بعض اہل السنۃ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں لیکن قاضی شمس الدین درویش اور حکیم محمود احمد ظفر کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کر سکتے ہیں جس میں کسی محقق اہل السنّت نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کی اجتہادی غلطی کا قول اختیار کیا ہے۔؟

تہذیب التہذیب کی عبارت

جب صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں اہل سنت کا یہ قول پیش کیا ہے کہ مشاجرات میں حضرت علیؓ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت معاویہؓ سے اجتہاد میں خطا ہو گئی ہے تو پھر یہ بات کیونکر قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا کا قائل شیعہ یا شیعیت سے متاثر شخص ہے جیسا کہ انھوں نے حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب التہذیب کی عبارت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کوئی دینی اور شرعی اصطلاح نہیں ہے۔ عربی لغت میں شیعہ بمعنی گروہ یا پیرو کار کے آتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے جو لکھا ہے کہ: التشیع

فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل عليٍ علٰی عثمان و ان علیا کان مصیبًا فی حروبه وان مخالفة مخطئی مع تقدیم الشیخین تفضیلها. (متقدمین کے نزدیک شیعیت اس اعتقاد کو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں اور یہ کہ حضرت علیؓ باہمی جنگوں میں مصیب تھے (یعنی آپ کا اجتہاد صحیح تھا) اور آپ کے مخالفین مخطی تھے (یعنی ان کا اجتہاد صحیح نہ تھا) لیکن باوجود اس کے شیخین (حضرت) ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) کو حضرت علیؓ سے مقدم اور افضل مانتا ہے۔'' صحابہ کرامؓ کی باہمی جنگوں کے بعد سیاسی گروہ بندی کی وجہ سے شیعانِ علیؓ شیعان معاویہؓ اور شیعان عثمانؓ کی اصطلاحین رائج ہو گئی تھیں اور متقدمین کے نزدیک ان لوگوں کو بھی شیعہ یعنی شیعان علیؓ (حضرت علیؓ کے گروہ) میں شمار کیا جاتا تھا جو حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتے تھے اور ان باہمی جنگوں میں حضرت علیؓ کے صواب اور حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا کے قائل تھے لیکن اس سے مراد آج کل کے اثنا عشری شیعہ تو نہیں ہیں کیونکہ وہ تو حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی افضل مانتے ہیں بلکہ ان کے ایمان و اخلاص کے بھی منکر ہیں اور حضرت علیؓ اور دوسرے ائمہ کو وہ معصوم مانتے ہیں۔ باقی رہا حضرت علیؓ کے اجتہاد کو صحیح اور حضرت علیؓ کے اجتہاد کو غلط ماننا تو یہ جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ تو حکیم صاحب کے نزدیک کیا صدیوں کے تمام مفسرین، محدثین اور متکلمین وغیرہ اہل حق سب شیعہ ہیں اور اگر حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ سے افضل سمجھنے والا شیعہ ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ (ابو الطفیلؓ) کو بھی مروجہ اصطلاح میں شیعہ قرار دینا پڑے گا۔ چنانچہ علامہ علی قاری حنفیؒ محدث حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دینے کی بحث میں لکھتے ہیں: ولا یخفی ان تقدیم علیٍ علی الشیخین مخالف لمذهب اهل السنة والجماعت علی ما علیه

جمیع السلف وانماذ ھب بعض الخالف الی تفضل علی علی عثمان ومنھم ابو لطفیل من الصحابہ الخ (شرح فقہ اکبر ۷۷)۔اب یہ بات واضح ہے کہ حضرت علیؓ کو شیخین (یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) پر فضیلت دنیا مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہے اور بعض بعد میں آنے والے بزرگوں کے نزدیک حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں اور صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوالطفیلؓ صحابی بھی حضرت عثمان پر فضیلت دیتے ہیں، تو فرمایئے کہ آپ کے نزدیک کیا حضرت ابوالطفیلؓ صحابی بھی شیعہ تھے۔(۲) حکیم صاحب نے اس مضمون میں متقدمین کی اصطلاح کا تہذیب التہذیب سے حوالہ پیش کردیا لیکن اس کے بعد حافظ ابن حجر نے متاخرین کی اصطلاح جو لکھی ہے اس کو کیوں نظر انداز کر گئے۔حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: واما اتشیع فی عرف المتاخرین فھو الرفض المحض فلا تقبل روایۃ الرافضی الغالی الخ (اور متاخرین کے لیے شیعیت نام ہے محض رافضیت کا۔اس لیے رافضی غالی کی روایت قبول نہیں کی جاتی) اس سے معلوم ہوا کہ متاخرین ان لوگوں کو شیعہ نہیں کہتے جو حضرت علیؓ کو مصیب کہتے ہیں اور حضرت معاویہؓ کو اجتہاد میں خطا کرنے والا۔یا جو حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دیتے ہیں اور نہ ایسے لوگ شیعہ کہلائے جاسکتے ہیں حالانکہ جمہور اہل سنۃ کا صحابہؓ کی باہمی جنگوں کے متعلق یہی مسلک ہے کہ حضرت علیؓ مصیب اور حضرت معاویہ مخطی ہیں۔متاخرین کے نزدیک اصطلاحاً شیعہ وہی ہیں جو غالی رافضی ہیں حکیم صاحب نے صرف متقدمین کی اصطلاح کا ذکر اس لیے کیا ہے اور متاخرین کی اصطلاح کا ذکر نہیں کیا تاکہ ناواقف قارئین اس فریب میں آجائیں کہ جو علماء حضرت علیؓ کے مصیب ہونے کے قائل ہیں وہ سنی نہیں بلکہ شیعہ ہیں۔(۳) صحابہ کرامؓ کے سیاسی اختلافات کے بعد تو اہل السنّت والجماعت پر بھی لفظ شیعہ کا

اطلاق کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی ابن سبا یہودی کے فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس ملعون کے پھیلائے ہوئے غلط عقائد نے لوگوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی اور وہ خوب مشہور ہوئے۔ جناب امیرؓ کے فوجی اس وسوسہ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی بنا پر چار فرقوں میں بٹ گئے: (۱) پہلا فرقہ مخلصین اور جاں نثار ساتھیوں کا ہے جو اہلسنت والجماعت کے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ یہ حضرات اصحاب کبارؓ۔ ازواج مطہراتؓ کی حق شناسی اور ظاہر و باطن کی پاسداری اور جنگ و جدل کے باوجود سینہ کو بے کینہ اور پاک و صاف رکھنے میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قدم بہ قدم رہے۔ ان کو ہی شیعاں اولیٰ اور شیعان مخلصین کہتے ہیں الخ (تحفہ اثنا عشریہ مترجم ص ۲۶ ترجمہ از مولانا خلیل الرحمٰن صاحب نعمانی مظاہری) (۲) شیعہ کے لقب سے سب سے پہلے وہ انصار و مہاجرین ملقب ہوئے جو ہر پہلو سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی متابعت اور پیروی میں سرگرم رہے اور خلافت کے وقت آپ کے رفیقِ صحبت رہے۔ آپ کے مخالفین سے لڑتے رہے اور آپ کے اوامر و نواہی کو تسلیم کرتے رہے۔ دراصل مخلصین شیعہ یہی حضرات تھے۔ یہ لقب سب سے پہلے ۳۷ھ میں روشناس ہوا۔ (ایضاً ص ۵۳) لیجئے محقق العصر حضرت شاہ صاحبؒ کی مندرجہ عبارت سے تو حضرت علی المرتضیٰؓ کے متبعین اہل السنّت والجماعت کا بھی شیعہ ہونا ثابت ہو گیا لیکن کیا حکیم ظفر صاحب موصوف کے نزدیک شیعان اُولیٰ سے مراد اسی قسم کے شیعہ ہیں جو دور حاضر میں پائے جاتے ہیں تو اگر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت علیؓ کو مصیب اور حضرت معاویہؓ کو مخطی قرار دینے والوں کو متقدمینکی اصطلاح میں اہل تشیع لکھ دیا ہے تو اس سے موجودہ دور کے شیعہ قسم کے لوگ کیونکر مراد ہو سکتے ہیں؟ اس طرح کی فریب بازیوں سے تو جمہور اہلسنت کے مسلک کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ (۵) حکیم صاحب لکھتے ہیں: اس قسم

کے بے دلیل دعوے کے پیچھے ضرور کوئی سازشی ہاتھ ہے الخ گویا کہ حکیم صاحب کے نزدیک صدیوں کے محققین اہل سنت اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ ،حضرت شاہ محدث دہلویؒ اور پھر اکابر علماء دیو بند سب اغیار کی سازش کا شکار رہے ہیں العیاذ باللہ۔حالانکہ کسی سازش کا شکار تو چند گنے چنے وہ لوگ ہیں جو یزید کو خلیفہ راشد مانتے ہیں اور قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مورد طعن وملامت بناتے ہیں اور مسلک اہل سُنّت والجماعت کو مسلک تشیع ثابت کرنے کے لیے علمی خیانت اور فریب خوردہ ذہنیت سے کام لینے میں ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے۔حکیم صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلک اہل سنت والجماعت تاریخ کی مکذوبہ راویات کا محتاج نہیں بلکہ قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔

خلافت راشدہ اور غیر راشدہ

خلافت راشدہ جنتری کے زیر بحث مضمون میں حکیم صاحب لکھتے ہیں: ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت اگر راشدہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت راشدہ نہ ہو اور جو حضرات ان دونوں خلافتوں کے درمیان راشدہ اور غیر راشدہ کا فرق ظاہر کرتے ہیں ان کے دلائل کسی معقول ذہن کو بالکل قبول نہیں کرتے کیونکہ خلافت غیر راشدہ کا مارکہ (BRAND) لگانے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقدّس دامن پر جن دھبّوں کو نمایاں کیا جاتا ہے تاریخ کی خوردبین وہی دھبّے سیدنا علیؓ کے دامن پر بھی بتاتی ہے۔

الجواب

(۱) حضرت علیؓ کے مصیب اور حضرت معاویہؓ کے مخطی مجتہد ہونے کی بحث کیساتھ راشدہ اور غیر راشدہ کی بحث کا کوئی ربط نہیں کیونکہ اجتہادی صواب وخطا کا

تعلق تو جنگ صفین سے ہے اور اس وقت حضرت معاویہؓ نے خلافت کی بیعت نہیں کی تھی۔ ان کا مطالبہ قصاص عثمانؓ کا تھا اور اس وقت آپ بھی حضرت علیؓ کو اپنے سے افضل و احق ہی تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

وقد ذكر يحيى بن سليمان الجعفي احد شيوخ البخاري في كتاب صفين في تاليف بسند جيد عن ابي مسلم الخولاني انه قال لمعاوية انت تنازع علياً في الخلافة او انت مثله قال لا واني لاعلم انه افضل مني واحق بالامر ولكن ألستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوماً وانا ابن عمه ووليه اطلب بدمه الخ (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۷۵) امام بخاری کے شیوخ میں سے یحیٰ بن سلیمان الجعفی نے اپنی کتاب میں صفین کے حالات میں جید سند کے ساتھ حضرت ابو مسلم خولانی سے بیان کیا ہے انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ آپ حضرت علیؓ سے خلافت کے بارے میں نزاع کرتے ہیں۔ کیا آپ ان کی مثل ہیں تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ نہیں اور میں جانتا ہوں کہ حضرت علیؓ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں مجھ سے زیادہ حق دار ہیں لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ ظلماً قتل کیے گئے ہیں اور میں آپ کا چچازاد بھائی اور ولی ہوں میرا مطالبہ حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا ہے۔ الخ

قاضی ابو بکر بن العربی (جو متقدمین سے ہیں) حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فاما بويع له طلب اهل الشام في شرط البيعة التمكين من قتلة عثمان واخذ القود منهم فقال لهم عليؓ ادخلوا في البيعة والحلبوا الحق تصلوا اليه فقالوا لا تستحق بيعة وقتلة عثمان معك نراهم صباحاً ومساءً فكان علي في ذلك استدراياً اور اصوب قولاً الخ (احکام القرآن جلد ۴ ص ۱۷۱۸)

جب حضرت علیؓ کی بیعت کی گئی تو اہل شام نے بیعت کے لیے یہ شرط لگائی کہ قاتلین عثمانؓ کو گرفت میں لایا جائے اور ان سے قصاص لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پہلے تم بیعت میں داخل ہو کر حق طلب کرو تم کو حق مل جائے گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم صبح و شام قاتلین عثمانؓ کو آپ کے ساتھ دیکھتے ہیں اس لیے آپ خلافت کے مستحق نہیں ہیں۔" لیکن اس معاملہ میں حضرت علیؓ کی رائے بہت ٹھیک تھی اور آپ کا قول بہت صحیح تھا) اس کے بعد قاضی ابو بکر بن العربیؒ لکھتے ہیں: **یجوز للامام تاخیر القصاص اذا ادی ذلک الی اثارہ الفتنۃ او الکلمۃ** ۔ اور جب امام (خلیفہ) کے نزدیک قصاص لینے میں فتنہ زیادہ بھڑکے اور زیادہ تفرقہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے قصاص میں تاخیر کرنا جائز ہے۔" آخر میں لکھتے ہیں کہ: **فلم یکن نقاتل القوم علی دیناولا بغیا بینھم فی العقائد وانما کان اختلافاً فی الا جتھاد فلذلک کان جمیعھم فی الجنۃ** (ایضاً ص ۱۸۔۱۷۱) اور صحابہؓ کا باہمی قتال کسی دنیوی مفاد کی بنا پر نہ تھا اور نہ ہی اختلاف عقائد کی بنا پر اُن کی یہ باہمی اویزش تھی بلکہ ان کا اختلاف اجتہادی تھا اور اس کے باوجود تمام جنتی ہیں) جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے اور بندہ نے بھی جابجا یہی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا باہمی اختلاف (جو جنگ وقتال کی صورت میں ظاہر ہوا) اجتہادی تھا جس میں حضرت علی المرتضیٰ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت امیر معاویہؓ سے اس اجتہاد میں خطا ہو گئی تھی اور اس میں بھی اُن کو ایک اجر ملے گا اور تمام صحابہؓ کے جنتی ہونے کے بارے میں میں نے اپنی کتاب دفاع حضرت معاویہؓ میں وضاحت کر دی ہے کہ: حضرت مجدد الف ثانیؒ: امام ابن حزمؒ متوفی ۴۵۶ھ کے حوالہ سے لکھتے ہیں **الصحابۃ کلھم من اھل الجنۃ قطعاً** تمام صحابہؓ قطعی جنتی ہیں (رسالہ رد الروافض ۱۴۔ نیز ملاحظہ ہو الفصل فی الملل والنحل ج

۴ص ۱۴۸) بہر حال جو شخص حضرت امیر معاویہ کو صحابیؓ مانتا ہے اس آیت (یوم لا یخزی اللہ النبی و الذین امنوا معہ) کے تحت اس کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہ بھی سید ھے جنت میں جائیں گے اور دوزخ کی آگ ان کو چھو بھی نہیں سکتی'' (ص ۱۷۸)

راشدہ اور غیر راشدہ

حکیم ظفر صاحب سیالکوٹی تو تاریخ کی خورد بین سے حضرت علی المرتضیٰؓ کے مقدّس دامن پر دھبّے دیکھ رہے ہیں لیکن ہمارے پاس تاریخ کی کوئی ایسی خورد بین نہیں ۔ہم حضرت علی المرتضیٰؓ کی موعودہ خلافت راشدہ کو قرآنی آیات کی روشنی میں دیکھتے ہیں جیسا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین سے پہلے ثابت کیا گیا ہے۔خلافت راشدہ موعودہ ایک شرعی اصطلاح ہے اور یہ منصب ان صحابہؓ کو عطا ہوا ہے جو مہاجرین اوّلین میں سے ہیں اور جو ان آیات کے نزول کے وقت ایمان لا چکے تھے جس کی دلیل آیت استخلاف (وعدہ اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت) میں لفظ منکم ہے۔چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:اس آیت میں لفظ منکم تمام مسلمانوں کی طرف راجع نہیں ہے (بلکہ)ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو (سورۃ النور کے نزول کے وقت)موجودہ تھے کیونکہ اگر تمام مسلمان مراد ہوں تو الذین امنو وعملوا الصلحت کے ساتھ لفظ منکم کے ذکر کرنے سے (بے فائدہ) تکرار لازم آتی ہے۔پس حاصل مطلب یہ ہے کہ (اس آیت میں)ان لوگوں کے لیے جو نزول آیت (مذکورہ) کے وقت موجود تھے اس بات کا وعدہ ہے کہ تمکین دین انہی کی سعی اور محنت اور کوشش کے موافق ظہور پذیر ہوگی الخ (ازالۃ الخفاء مترجم حصہ اول ص ۴۶) لیکن قاضی شمس الدین درویش تو لفظ منکم کی مراد کو نظر انداز کر کے صدیوں بعد کے سنی سلاطین کو بھی ان آیات کا مصداق

قرار دیتے ہیں

گر ہمیں مند و ہمیں درویش   کار سنیاں تمام خواہد شد

(۲) میں نے پہلے بھی لکھا ہے اگر آیت اولئک ھم الراشدون سے ہر صحابی خلیفہ کی خلاًفت راشدہ ہے تو پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی نو سالہ خلافت کو خلافت راشدہ کیوں نہیں قرار دیتے۔ حکیم صاحب تو ان جلیل القدر صحابی کی خلافت کو بازیچہ اطفال (بچوں کا کھیل) سمجھتے ہیں۔

(۳) یہ تاریخی دھبّوں کی بات نہیں ہے اور نہ ہی صرف حضرت امیر معاویہؓ کا معاملہ ہے بلکہ اہل سنت حضرت امام حسنؓ کی خلافت کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ نہیں مانتے حالانکہ ان کی ششماہی خلافت خلافت راشدہ کا تتمہ ہے۔

(۴) آخر میں پھر میرا سوال ہے کہ ان مفسرّین اہل السنّت کے نام بتائیں جنہوں نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دیا ہے۔؟

لفظ امام اور علیہ السلام کا استعمال

حکیم صاحب لکھتے ہیں: اس کی ایک عام فہم مثال سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے ساتھ امام بطور سابقہ اور علیہ السلام بطور لاحقہ کے شیعہ ازم کا ایک ایسا پروپیگنڈا ہے جس سے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت غیر شعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں الخ (ایضاً خلافت راشدہ جنتری ص ۶۱) علاوہ ازیں حکیم صاحب اپنی کتاب سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار'' جلد دوم ص ۲۱۹ پر لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں امام ابوبکرؓ امام عمرؓ وغیرہ کے الفاظ نہیں لکھتے۔ دوسرے علیہ السلام کا لفظ اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے لیے مختص ہے۔ انبیاء کی ذوات کے

ساتھ غیر نبی کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ۔یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ جو ساری امت میں سے سب سے زیادہ افضل ہیں ان کے لیے بھی علیہ السلام کا لفظ اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملتا۔اور تو اور سیدنا صدیق اکبرؓ جو اہل سنت الجماعت کے عقیدہ کے مطابق افضل البشر بعد الانبیاء ہیں اہل سنت کی کتابوں میں ان کے نام کے ساتھ بھی کبھی علیہ السلام کا لفظ استعمال نہین ہوا الخ

الجواب

(۱) اہل سنت کے بڑے بڑے ائمہ جس بات کو نہیں سمجھ سکے وہ حکیم صاحب کی فہم ناقص میں بات کیسے آگئی ۔پھر تو حکیم صاحب امام الائمہ ہوئے ۔کیا حکیم صاحب نہیں جانتے کہ امام کا معنی پیشوا کے ہیں ۔جو جس درجے میں بھی دین کا پیشوا ہو اس کو اسی درجہ کا امام (پیشوا) مانا جاتا ہے۔نماز باجماعت پڑھانے والے کو بھی امام کہتے ہیں ۔اہل سنت کے چاروں مجتہدین کے نام ساتھ امام کا سابقہ ہی مشہور ہے۔چنانچہ امام ابو حنیفہ،امام شافعی،امام مالک ،امام احمد بن حنبل اور امام غزالی اور امام رازی بھی عام طور پر مستعمل ہے ۔اگر ان حضرات کے ناموں کے ساتھ لفظ امام شیعوں کے عقیدہ امامت پر دلالت نہیں کرتا تو حضرت حسنؓ و حسینؓ کے ناموں کے ساتھ لفظ امام بمعنی پیشوا استعمال کرتے ہیں تو اس سے شیعوں کا عقیدہ امامت مراد لینا کیوں کر ضروری ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ ائمہ اہل بیت اپنے اپنے وقت کے روحانی پیشوا اور اقطاب ہیں اور چونکہ خارجی ان حضرات کی عظمت کو اہل سنت کے دلوں سے مٹانا چاہتے ہیں اس لیے اکابر اسلام نے ان کے ناموں کے ساتھ امام کا لفظ استعمال کیا ہے تا کہ سنی مسلمان ان کو اپنے اپنے درجے میں دینی ،روحانی پیشوا مانتے رہیں۔

(۳) اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ موجودہ دور کے خوارج کے مقتداء (امام) نے حضرت امیر معاویہؓ کے لیے بھی لفظ امام استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب کی جارحانہ تنقید کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگوں نے امیر المومنین سیّدنا معاویؓہ پر اجماع کیا اور انہیں امام مفتر الطاعۃ جانا (یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ و رسول اور جمہور کے نزدیک ان کا کیا درجہ ہے خلافت معاویہؓ ویزید طبع چہارم ص ۳۶)

اور عباسی صاحب کی یہ عبارت میں نے اپنی کتاب کشف خارجیت ''ص ۴۶۳ پر بھی درج کر دی ہے۔ یہ بھی عجیب حکیمانہ مسلک ہے کہ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کے ساتھ لفظ امام استعمال کیا جائے تو ناجائز لیکن یہی لفظ امام حضرت معاویہؓ کے نام کے ساتھ لکھا جائے تو جائز ہو جاتا ہے حالانکہ حضرت امام حسنؓ تو خلیل بھی ہیں۔

(۴) محمود احمد عباسی لکھتے ہیں: حضرت علیؓ کے مختصر سے ایام فتن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے توفیق دی کہ حضرت معاویہؓ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ پر امت نے اجماع کر لیا۔ (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۱۳۷)۔ (۲) اور عباسی صاحب حضرت علیؓ کے لیے بھی امام کا لفظ لکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ سیاسی معاملات میں ان سے جو لغزشیں ہوئی ہیں اس کے باوجود ہمارے امام واجب الاحترام ہیں (خلافت معاویہؓ و یزید طبع چہارم ص ۲۸)۔ (۳) امت مسلمہ کو فاروق اعظم امیر المومنین صلوات اللہ علیہ کی صریح ہدایت تھی (تحقیق یزید ص ۱۲۱) (۴) مولف مصباح الطلع نے اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی کے عنوان سے خود حضرت عائشہ صلوات اللہ علیہا سے یہ قول منسوب کیا ہے الخ (تحقیق مزید حاشیہ

ص ۸۵)۔ (۵) یہی وجہ ہے کہ ہر مسئلے میں صحابہ کرامؓ حضرات امہات المومنین کی ہدایات حاصل کرتے تھے صلوات اللہ وسلامہ علیہن وعلی بعلہن دائماً ابداً (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۲۹۶) (۶) خود حکیم ظفر صاحب لکھتے ہیں: تمام امہات المومنین صلوات اللہ علیہن الخ (سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار جلد اول ۲۲۸ پر لکھتے ہیں: سیدہ عائشہ ام المومنین صلوۃ اللہ علیہن ۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا اور اسی کتاب کے ص ۵۳۰ پر لکھتے ہیں ۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وسلام اللہ علیہا۔ اب حکیم صاحب ہی بتائیں کہ جب اہل سنت کے نزدیک علیہ السلام انبیاء کے ساتھ مختص ہے اور اہل سنت کی کتابوں میں صحابہ کرام کے لیے بھی علیہ السلام کا لفظ نہیں ملتا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر امہات المومنین کے لیے صلوۃ وسلام کے الفاظ کیوں استعمال کیے ہیں۔ کیا آپ اہل السنّت نہیں ہیں؟ اور آپ نے علیہ السلام کے الفاظ غیر نبی پر کس سازش کے تحت استعمال کیے ہیں۔

درویش صاحب بھی کہتے ہیں

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنے مکتوب محررہ ۱۶ رجب ۱۴۰۴ھ میں بندہ کو لکھا کہ: سیدنا حضرت حسینؓ کو اگر شیعہ امام حسین علیہ السلام لکھیں تو کوئی مستبعد نہیں لیکن جب سنی اکابر لکھیں تو باعث تعجب ہوتا ہے۔ مثلاً آنجناب نے مولانا نوتویؒ کا جو رسالہ شہادت امام حسینؓ و کردار یزید کے نام سے چھاپا ہے اس کے ص ۶۷۔ سطر ۳۔ ص ۸۳۔ سطر ۵، ص ۸۵۔ سطر ۷ اور ص ۹۵۔ سطر ۱۳ پر سیدنا حسینؓ کو علیہ السلام لکھا ہے جو خالص رافضیانہ اصطلاح ہے۔ اہل السنّت کے نزدیک علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص اور متعارف ہے اور رضی اللہ عنہ صحابہ کرام اور رحمتہ اللہ علیہ باقی صلحائے امت کے لیے ہوتا ہے۔'' میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ امام بخاری نے بھی تو حضرت فاطمہ: الزاہراءؓ کے نام کے ساتھ علیہا السلام

لکھا ہے۔ چنانچہ بخاری میں ہے۔ عن علی ان فاطمة علیهما السلام شکست ماتلقی فی یرها من الرحی الخ (صحیح بخاری کتاب الدعوات باب التکبیر والتسبیح عند المقام۔) چکی پیسنے کی وجہ سے حضرت فاطمہ علیہا السلام کے ہاتھ جو متاثر ہوئے تھے اس کی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی۔'' اس کے جواب الجواب میں درویش صاحب نے اپنے مکتوب محررہ ۲۸ جمادی الاولی میں یہ لکھا کہ: آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری نے حضرت فاطمہ کو علیہا السلام لکھا ہے۔ جی ہاں لکھا ہے اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی لکھا ہے کہ فاطمة بضعة منی (حضرت فاطمہ میرا ٹکڑا ہے) پھر یہاں بحث تو حضرت علیؓ کو علیہ السلام کا یہ فرمان بھی لکھنے کی ہے۔ کیا امام بخاری نے پوری تیس پاروں کی کتاب میں کہیں حضرت علیؓ کو علیہ السلام لکھا ہے یا حضرت علیؓ کے متعلق بھی بضعة منی کے الفاظ لکھے ہیں الخ۔ لیکن درویش صاحب کا یہ کوئی علمی جواب تو نہیں ہے۔ درویش صاحب نے اپنے مکتوب میں تو یہ لکھا تھا کہ (سیدنا حسینؓ کو) علیہ السلام لکھنا جو خالص رافضیانہ اصطلاح ہے اہل سنت کے نزدیک علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص اور متعارف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ درویش صاحب غیر نبی کے لیے علیہ السلام لکھنا ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن حضرت فاطمہ تو نبی نہیں پھر ان کو امام بخاریؒ نے کیوں علیہ السلام لکھا ہے۔

(۳) حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت امیر معاویہؓ، اور امہات المومنینؓ میں سے کوئی نبی تو نہیں لیکن محمود احمد عباسی اور حکیم محمود احمد ظفر نے خود ان حضرات کے ناموں کے ساتھ نہ صرف سلام بلکہ صلوٰۃ کا لفظ بھی لکھا ہے اور خود درویش صاحب نے حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ لفظ امام کتنی مرتبہ لکھا ہے۔ چنانچہ عجمی سازش میں لکھتے ہیں: سیدنا حضرت امام حسینؓ کو ان کوفیوں کی لاف زنی پر اتنا اعتماد تھا الخ (عجمی

سازش ص ۳۴) پھر ص ۳۵۔۳۶۔۳۷۔۳۸ پر بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔ لفظ امام کا سابقہ اور علیہ السلام کا لاحقہ کا ارتکاب تو خود ان ناصحین نے بھی کیا ہے۔ فرمایئے یہ یزیدی حضرات خود کس سازش کا شکار ہوتے ہیں۔ دیگراں رانصیحت خود را فضیحت۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان کو ائمہ اہل بیت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کوئی تعظیمی الفاظ گوارا نہیں۔ اگر کہیں ان حضرات کے ناموں کے ساتھ امام اور علیہ السلام کے الفاظ دیکھتے ہیں تو ان کا خون کھول جاتا ہے اور وہ بڑے بڑے اکابر اہلسنت اور اساطین امت کو اپنی جارحانہ تنقید کا نشانہ بنا کر ان کو شیعیت نوازی سے متہم کرتے ہیں لیکن جب وہی تعظیمی الفاظ دوسرے حضرات صحابہ اور امہات المومنین کے لیے استعمال کرتے ہیں تو وہ مغلوبیت کے عالم میں یہ بھول جاتے ہیں کہ اکابر اہل سنت کو تو وہ انہی تعظیمی الفاظ کی وجہ سے مطعون کر چکے ہیں

ہے یہ گنبد کی صدا جیسے کہی ویسے سُنی

میرا یہ مقصد نہیں کہ ان ائمہ اہل بیت کے ناموں کے ساتھ ضرور علیہ السلام کے تعظیمی الفاظ استعمال کیے جائیں اور میں خود استعمال نہیں کرتا لیکن اہل سنت میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ غیر نبی کے لیے علیہ السلام کا استعمال جائز ہے یا نہیں اور کسی قابل اعتماد اہل تحقیق نے یہ تعظیمی الفاظ ان حضرات کے لیے استعمال کیے ہیں تو ان کو متہم اور مطعون بھی نہیں کرنا چاہیے۔

(۵) حکیم محمود ظفر صاحب کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کہ: یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں امام ابو بکرؓ امام عمرؓ وغیرہ کے الفاظ نہیں لکھتے کیونکہ بعض محققین نے خلفاء راشدین کے ساتھ امام کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ (۱) امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں: **ان الامام الحق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم** الخ (احیاء العلوم جلد

اول ص ۱۰۲) امام برحق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (حضرت) ابو بکر ہیں پھر (حضرت) عمر پھر (حضرت) عثمان اور پھر (حضرت) علی ہیں رضی اللہ عنہم۔ (۲) قاضی ابو بکر بن العربیؒ متوفی ۵۴۳ھ آیت استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال علماء نا۔ ھذہ الآیۃ وعد حق و قول صدق یدل ذلک علی امامۃ الخلفاء الاربعۃ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۳۸۰) ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ایک پکا وعدہ اور سچا قول ہے جو چاروں خلفاء کی امامت پر دلالت کرتا ہے۔ (۳) امام فخر الدین رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں: دلت الآیۃ علی امامۃ الائمۃ الاربعۃ (تفسیر کبیر) یہ آیت چاروں اماموں کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔ (۴) تفسیر ابن کثیر میں ہے: ھذا وعدمن اللہ تعالیٰ الرسول. صلوات اللہ و سلامہ علیہ بانہ سیجعل امتہ خلفاء الارض ای ائمۃ الناس ''(اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلوات اللہ وسلامہ سے یہ وعدہ ہے کہ عنقریب وہ آپ کی اُمت کو زمین میں خلیفہ بنائے گا یعنی لوگوں کا امام بنائے گا الخ۔

(۵) امام بغویؒ تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں: و فی الایۃ دلالۃ علی خلافۃ الصیانی و امامۃ الخلفاء و الراشدین۔ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت اور خلفاء راشدین کی امامت کی دلیل ہے۔

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ عقائد حقہ کے تحت لکھتے ہیں: و ابوبکر الصدیق امام حق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنھم ثم تحت الخلافۃ و بعدہ ملک عضوض (تفہیمات الٰہیہ جلد اوّل ص ۱۴۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام حق ابو بکر صدیقؓ ہیں پھر (حضرت) عمر پھر (حضرت) عثمان پھر (حضرت) علی ہیں رضی اللہ عنہم۔ پھر ان پر خلافت (نبوت) ختم ہوگئی۔ اس کے بعد کاٹنے والی

بادشاہت ہے

(۷) علم کی مشہور کتاب شرح مواقف میں باب الامامۃ کے تحت لکھا:

الامام المحق بعد الرسول علیہ الصلوٰۃ و السلام عندنا ابو بکر و عند الشیعۃ علی : ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق (حضرت) ابوبکر ہیں اور شیعوں کے نزدیک (حضرت) علیؓ ہیں۔

(۸) امام بن ہمام حنفیؒ متوفی ۶۸۱ھ عثمانیہ کے تحت لکھتے ہیں: والامام الحق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم (المسائرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق (حضرت) ابوبکر پھر (حضرت) عمر پھر (حضرت) عثمان پھر (حضرت) علی ہیں رضی اللہ عنہم۔

(۹) امام طحاوی حنفیؒ متوفی ۳۲۱ھ عقائد اہلِ سنت کے تحت لکھتے ہیں:

ونثبت الخلافۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوّلاً لابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و تفضیلاً لہ و تقدیماً علی جمیع الامۃ ثم لعمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم لعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم لعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھم الخلاء الراشدون والائمۃ المھدیون (شرح الطحاویہ ص ۱۸۶۔۱۸۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت ثابت کرتے ہیں کیوں کہ ساری اُمت میں سب سے مقدم اور افضل ہیں پھر حضرت عمر بن الخطاب پھر حضرت عثمان ذوالنورین اور پھر حضرت علی بن طالب کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور وہی خلفاء راشدین ہیں اور وہی ہدایت کے امام ہیں) امام طحاویؒ نے انہی چار خلفاء کو خلفاء راشدین قرار دیا ہے اور ان کے لیے ائمۃ الھدیٰ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

(۱۰) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔امام برحق و

خلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عمر فاروق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہ۔ وافضلیت ایشاں بہ ترتیب خلافت است الخ (مکتوبات جلد دوم مکتوب ۶۷، ص ۱۳۰)۔ حضرت ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق اور خلیفہ علی الاطلاق حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ آپ کے بعد حضرت عمر فاروق آپ کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین اور آپ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خلافت کی ترتیب سے ان کو باہمی فضیلت حاصل ہے۔

بطور نمونہ محققین اہل سنت کی دس عبارتیں پیش کر دی ہیں جن میں خلفائے راشدین کو امام یا ان کی خلافتِ راشدہ کو امامت قرار دیا گیا ہے۔ حکیم محمود احمد ظفر صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ آپ نے پہلے ان کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا یا مطالعہ تو کیا ہے لیکن ناواقف اہلِ سنت کو فریب دینے کے لیے جھوٹ بولا ہے یا آپ ان مفسرین۔ محدثین۔ متکلمین اور مجددین کو اہلِ سنت ہی نہیں مانتے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یزید یا خلافت راشدہ کے متعلق جو مسلک حکیم صاحب موصوف پیش کر رہے ہیں۔ یہ مسلک اہلِ سنت کے خلاف ہے۔ اسی لیے وہ اپنے قیاسات اور مزعومات سے کام لیتے ہیں اور صدیوں کے محققین اہلِ سنت پر شیعیت سے متاثر ہونے کا بہتان لگاتے ہیں۔

مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی

خلافت راشدہ جنتری ۱۹۹۰ء میں جو زیرِ بحث مضمون حکیم صاحب کا شائع ہوا ہے۔ اس پر ادارہ جنتری کا تبصرہ حسب ذیل ہے: "حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی

پاکستان کے عظیم مؤرخ اور نامور محقق ہیں۔ ان کی کتاب ''حضرت معاویہؓ شخصیت و کردار'' کی دو جلدوں نے اپنوں اور غیروں سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے بارے میں ان کی جملہ تصریحات انتہائی قیمتی ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے صاحب زادے کے متعلق ان کا موقف ردِ عمل کا نتیجہ ہے۔ اس سے جمہور اہل سنت متفق نہیں ہیں۔ اس مؤقف کے بارے میں اختلاف و کلام کی کافی گنجائش ہے۔ ہمارا ادارہ حضرت معاویہؓ کے متعلق ان کی نادرہ تحقیقات اور اعلیٰ معلومات کی فراہمی پر جہاں انہیں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے وہاں یزید کے متعلق ان کے مؤقف سے دیانت دارانہ اختلاف رکھتا ہے۔ (ناظم اعلیٰ)

تبصرہ

(۱) یزید کے بارے میں ادارہ نے جمہور اہل سنت کے مسلک کی واضح حمایت نہیں کی۔ حالاں کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک یزید فاسق تھا اور علامہ ابن خلدون نے تو اپنے مقدمہ کتاب میں بلاخوف لومۃ لائم لکھ دیا ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ یزید کے فسق پر متفق تھے اور حافظ ابن حجر مکی نے بھی صواعق محرقہ میں تصریح کر دی ہے کہ یزید کا فسق متفق علیہ ہے۔

(۲) حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی حکیم صاحب کا موقف جمہور اہلِ سنت کے خلاف ہے اور مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی کا ادارہ حکیم صاحب کی جن تصریحات کو نادرہ تحقیقات قرار دے رہے ہیں، وہ دراصل نادرہ تلبیسات ہیں جیسا کہ بندہ نے ان کی عبارات کو عقیدہ اہلِ سنت کی روشنی میں جہل و خیانت پر مبنی ثابت کر دیا ہے۔

(۳) حکیم صاحب نے اپنی کتاب ''حضرت معاویہؓ شخصیت و کردار'' اور خلافت راشدہ جنتری ۱۹۹۰ء کے مضمون ''حضرت معاویہؓ اور خلافت راشدہ'' میں

اپنے جن خود ساختہ نظریات کا اظہار کیا ہے یہ گویا کہ مولوی ضیاء الرحمٰن کے دل کی آواز ہے کیوں کہ خود فاروقی صاحب موصوف کا ایک مضمون ''خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۷ء میں بعنوان ''کیا حضرت امیر معاویہ خلیفہ راشد تھے'' شائع ہو چکا ہے جس میں انہوں نے سوال و جواب کی شکل میں لکھا ہے۔ (سوال) حضرت امیر معاویہؓ کو خلیفہ راشد کہنا کیسا ہے۔ بعض اصحاب اہل سنت بھی انہیں خلیفہ راشد کہنے سے ہچکچاتے ہیں، جب کہ آپ نے اپنی خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۶ء میں چھٹے نمبر پر خلیفہ راشد لکھا ہے۔ (جواب) اس معاملے میں میری رائے ان اصحاب کے بارے میں یہ ہے کہ ان پر رفض کے پروپیگنڈے کا اثر ہے اور حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں ہمارے بعض اہلِ سنت علماء کی مسلسل خاموشی ان کی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے ہے، جب کہ قرآن پاک میں صحابہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ اولئک ھم الراشدون تو اس میں جملہ اصحاب کرامؓ کو ہدایت دینے والا یعنی راشد قرار دیا گیا ہے۔

(۲) مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب نے اسی مضمون میں آیت استخلاف سے استدلال کیا ہے اور آیت استخلاف کا ترجمہ بھی غلط لکھا ہے اور آیت میں بھی منکم کا لفظ نہیں لکھا اور ترجمہ میں منکم کا ترجمہ حذف کر دیا ہے۔ چونکہ مولوی ضیاء الرحمٰن کا یہ مضمون جہالت اور خیانت پر مبنی تھا اور اس کے تاثر سے اکابر اہلِ سنت سے ناواقف لوگوں کے متنفر ہونے کا احتمال تھا، اس لیے میں نے مدرسہ اظہار الاسلام کی سالانہ روئیداد میں ان کی جہالتوں کو بے نقاب کر کے مسلک اہلِ سنت کو مدلل طور پر پیش کر دیا اور کتابی شکل میں بھی وہ مضمون شائع کر دیا گیا۔

(۳) حکیم ظفر صاحب بھی خلفاء صحابہ میں سے حضرت معاویہؓ تک ہی خلفاء کو راشد مانتے ہیں اور اس کے جنتری کے ٹائٹل پر وہ چھ صحابہ خلفاء کے نام ہی

لکھتے ہیں حتیٰ کہ ۲ جون ۱۹۹۱ء والی انٹرنیشنل حق نواز شہید کانفرنس کے پہلے اشتہار پر بھی انہوں نے ۶ خلفاء کے نام ہی لکھتے ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت صدیق اکبرؓ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا نام خلفاء صحابہ میں نہیں لکھتے، حالاں کہ ان کی مدت خلافت ۹ سال ہے اور حکیم ظفر صاحب نے بھی اپنی کتاب (حضرت معاویہؓ شخصیت و کردار) میں یزید کو تو خلیفہ راشد قرار دیا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو بازیچۂ اطفال (بچوں کا کھیل) بتایا ہے۔

(۴) مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب فاروقی نے خلافت راشدہ جنتری ۱۹۸۷ء ص ۱۴ پر۔ خلافت راشدہ کا دور پچاس سالہ لکھا ہے اور سن وار اس کے واقعات درج کیے ہیں۔ حالانکہ خلافت راشدہ موعودہ کا دور حسب حدیث نبوی الخلافة بعدی ثلثون سنة تیس سال ہے۔ اگر کسی محقق اہل سنت نے خلافت راشدہ کا دور پچاس سالہ قرار دیا ہے۔ تو حکیم ظفر صاحب اور مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب اس کا حوالہ پیش کریں؟

سپاہ صحابہؓ کی خدمت میں

سپاہ صحابہؓ کا قیام خصوصیت سے صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمتوں کی تبلیغ اور اس کے تحفظ کے لیے ہے۔ اہل سنت والجماعت حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ صحابہ کرام (مع اہل بیت عظامؓ) سب کو درجہ بدرجہ جنتی مانتے ہیں اور ان حضرات کی محبت ہمارے ایمان کی جز ہے لیکن شیعہ اور خارجی اس میں افراط تفریط کرتے ہیں اور خارجی رافضیوں سے کچھ کم خطرناک نہیں ہیں۔ شیعہ تو اپنا امتیازی تشخص اختیار کر چکے ہیں اور شیعیت کے عنوان پر کام کر رہے ہیں لیکن خارجی اہل سنت کے لبادہ میں مختلف تدبیروں سے کام لے کر ناواقف سنی مسلمانوں میں حُب

صحابہؓ کے نام پر اپنے اثرات پھیلا رہے ہیں۔ سپاہ صحابہ کو اس بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔ تنظیمیں بنتی بگڑتی رہتی ہیں اور شخصیتیں بھی آتی جاتی ہیں لیکن مسلک حق میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ صدیوں سے جو مسائل وعقائد اہل السنّت والجماعت کے ہاں متفق علیہ ہیں ان پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے۔ وقتی اور ہنگامی پالیسی پائیدار نہیں ہوتی۔ آج کل جو حمایت یزید کی تحریک جاری ہے یہ بھی بہت خطرناک ہے۔ عموماً حامیان یزید خارجیت کو اپنا چکے ہیں خواہ وہ قوم کے سامنے کسی لبادہ میں ظاہر ہوں۔ ہم شیعیت، یزیدیت اور خارجیت کے علاوہ مودودیت کو بھی ایک خطرناک فتنہ سمجھتے ہیں جیسا کہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور قطب زماں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور قدوۃ الصلحا، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارنپوری ثم المدنی قدس اللہ اسرارہم نے اپنی اپنی تصانیف میں اس فتنہ مودودیت کی نشاندہی کردی ہے۔ بندہ کسی جماعت سے ذاتی کوئی عناد نہیں رکھتا۔ صرف یہی جذبہ ہے کہ متفق علیہ مسلک حق کا تحفظ کیا جائے۔ ماہنامہ حق چار یارؓ میں میرا ایک مضمون ''مولانا قاضی شمس الدین اور یزید ٹولہ'' جو قسط وار شائع ہو رہا ہے یہ بھی اسی داعیہ کی بنا پر ہے اور بہ نسبت دوسروں کے قاضی شمس الدین صاحب نقشبندی مجددی درویش کی حالت قابلِ رحم ہے کہ وہ بھی جمہور اہلسنت اکابر علماء دیو بند اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے تحقیقی مسلک کے خلاف نبرد آزمائی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو رجوع الی الحق کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

حکیم صاحب، عباسی تنقید کی زد میں

دورِ حاضر میں یزیدیت اور جدید خارجیت کے فتنہ کے بانی محمود احمد عباسی ہیں۔ حکیم ظفر محمود احمد ظفر صاحب سیالکوٹی بھی عباسی نظریات سے ہی متاثر ہیں اور

ان کی تحقیق کا سرمایہ عباسی تصانیف ہی ہیں لیکن محمود عباسی صاحب کو حکیم ظفر صاحب کے طریق تالیف و تصنیف سے بھی شکایت ہے۔ چنانچہ عباسی صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں دوسری تالیفات کا ذکر بھی اپنی کتاب ''حقیقت خلافت وملوکیت'' میں کیا ہے جس میں ایک کتاب ''حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی'' مؤلفہ پروفیسر مولوی احمد علی عباسی بھی ہے۔ اس کتاب کے متعلق عباسی صاحب لکھتے ہیں: یہ معرکۃ الآراء کتاب بڑی سائز کے ساڑھے چار سو صفحات پر چند سال پہلے چھپی تھی۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی تالیف ہے اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ قانونی پابندی کے باوجود مانگ برابر جاری ہے اور لوگ دوگنی قیمت دے کر مطالعہ کے لیے حاصل کرنے کے مشتاق نظر آتے ہیں۔ اسی مضمون پر ایک اور کتاب حکیم محمود احمد صاحب ظفر کی مؤلفہ شائع ہوئی ہے ''سیدنا معاویہؓ شخصیت و کردار''۔ جس کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ظفر صاحب نے ''حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی کتاب سے استفادہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے سامنے رکھ کر اپنی کتاب مرتب کر ڈالی۔ قدرے لفظی تغییر کے ساتھ عنوانات بھی اسی طرح کے اور مضمون بھی اکثر و بیشتر وہی ہے۔ یہ صاحب کراچی آ کر راقم الحروف سے کئی بار ملے۔ اپنا عندیہ ظاہر کر دیتے۔ اپنی اور اپنے بھتیجے کی کتاب سے مواد لینے کی اجازت بڑے شوق سے دے دی جاتی، کیوں کہ مقصد تو تحریک کی اشاعت ہے۔ یوں بلا اجازت مضامین نقل کر کے کتاب مرتب کر لینا کہاں تک مناسب ہے۔ اسی بحث پر ابو یزید محمد دین بٹ کی کتاب ''رشید بن رشید'' اچھی تالیف ہے نیز کتابچہ ''معارف یزید بھی'' (حقیقت خلافت وملوکیت ص ۵۵۷)۔ یہ ہے حکیم محمود ظفر صاحب کی تالیف و تحقیق کی حقیقت جس کا خود ان کے مقتدا عباسی صاحب نے ہی بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ مولوی علی احمد عباسی، محمود احمد عباسی کے بھتیجے ہیں۔

قاضی شمس الدین درویش وفات پا گئے:

حضرت مولانا عبدالحی صاحب بھوٹی گاڑ والوں کے فرزند حکیم احمد حسن صاحب نے بذریعہ خط مجھے لکھا کہ:

اطلاعاً عرض ہے۔ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب نقشبندی مورخہ ۳/جون ۱۹۹۱ء بروز سوموار انتقال فرما گئے ہیں۔ الخ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں۔ آمین اس فانی زندگی کا کیا بھروسہ۔ کُلُّ نَفْسٍ ذائِقَةُ الْمَوْت ۔ ایک اٹل حقیقت ہے۔

ہر آنکہ زاد بناچار باید شد نوشید ز جام دو ہر مے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانْ

(۲) مولانا قاضی شمس الدین درویش مرحوم سے مسئلہ فسق یزید اور مشاجرات صحابہؓ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے بارے میں بذریعہ خط و کتابت تین چار سال میری بحث رہی ہے۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے موقف کی تائید اور میرے پیش کردہ موقوف کے خلاف ایک مفصل مضمون (از ص ۱۰ تا ص ۳۸) ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان (جون ۱۹۹۰ء) میں شائع کیا تھا جس کے جواب الجواب میں میرا ایک مضمون بعنوان ''مولانا شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ'' ماہنامہ حق چار یار میں دس قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔ دسویں قسط بھیجنے کے بعد مجھے جناب درویش مرحوم کے انتقال کی خبر ملی ہے۔ اس دسویں قسط میں بندہ نے ان کے متعلق یہ لکھا تھا کہ:

بندہ کسی جماعت سے ذاتی کوئی عناد نہیں رکھتا۔ صرف یہی جذبہ ہے کہ متفق علیہ مسلکِ حق کا تحفظ کیا جائے۔

ماہنامہ حق چار یار میں میرا ایک مضمون ''مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ'' جو قسط وار شائع ہو رہا ہے یہ بھی اسی داعیہ کی بنا پر ہے اور بہ نسبت

دوسروں کے قاضی شمس الدین درویش مجددی کی حالت قابلِ رحم ہے کہ وہ بھی جمہور اہلِ سنت اکابر علمائے دیوبند اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کے تحقیقی مسلک کے خلاف نبرد آزمائی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو رجوع الی الحق کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین"

لیکن کیا معلوم تھا کہ وہ میرے اس مضمون کی اشاعت سے پہلے ہی اس دارِ فانی سے انتقال کر جائیں گے۔ انا للّٰہ وَ انا الیہ راجعون۔

ممکن ہے ایامِ مرض میں انہوں نے رجوع کرلیا ہو۔ واللہ اعلم۔ حکیم احمد حسن صاحب قریشی موصوف نے اپنے مکتوب میں مجھے یہ بھی لکھا ہے کہ "جناب اور حضرت قاضی صاحب زندگی کے آخری حصہ میں ایک اہم مسئلہ پر تحقیق فرماتے رہے۔ آپ دونوں بزرگوں کی کاوش سے ہم لوگوں کے لیے بہت کچھ منظر عام پر آیا۔ حضرت قاضی صاحب اپنی نجی مجلسوں میں ہمیشہ پورے احترام اور قدر کے ساتھ آپ کا تذکرہ فرماتے۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دُعا فرمائیں۔"

(۳) قاضی درویش صاحب مرحوم نے میرے مضامین کے جواب میں بعُنوان: قاضی مظہر چکوالی سے میری قلمی جنگ" ضمناً دو قسطیں شائع کی ہیں اور مستقل طور پر جواب الجواب میں ان کی پہلی قسط بعنوان "قاضی مظہر چکوالی اور سبائی ٹولہ" ماہنامہ نقیب ملتان (جون ۱۹۹۱ء) میں ص ۴۴ تا ص ۵۳ شائع ہوئی ہے اور دوسری قسط بھی نقیب جولائی ۱۹۹۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔

پہلی قسط بطور تمہید کے ہے جس میں انہوں نے اپنا اور اپنے خاندان کا تعارف ہی کرایا ہے اور ایرانیوں کی سازشوں کا بھی ذکر کیا ہے اور مضمون کی ابتدا میں انہوں نے لکھا ہے کہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو زمینوں اور آسمانوں کی

رحمت اور بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے دُنیا میں بھیجا، اس لیے دین کے متعلق نبی علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا، وہ حکم خداوندی ہے اور بنی نوع انسان میں صرف آپ ہی واحد نبی معصوم بلکہ خاتم المعصومین ہیں ﷺ۔ اور آپؐ کے بعد حضرات خلفاء راشدین بھی معصوم نہیں (ابن کثیر ج ۷، ص ۳۳۱) اور حضرت امام مالکؒ کا فرمانا ہے۔ کُلُّ اَحَدٍ یُترک قوله ویؤخذ الاصاحب هذا القبر صلی الله علیه وسلم۔ دلیل صحیح کے ساتھ ہر شخص کی بات کو رد بھی کیا جا سکتا ہے اور قبول بھی کیا جا سکتا ہے۔ صرف نبی علیہ السلام کے فرمان عالی شان کو ہر حال میں قبول ہی کرنا ہوگا۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہرگز ہرگز رد نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑے سے بڑا انسان بھی غلطی کر سکتا ہے اور اس کی غلطی کا اظہار بھی کیا جا سکتا ہے۔ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ میں مہر کم کرنے کا مشورہ دیا تو عورتوں کی صف میں سے ایک عورت کھڑی ہوگئی اور اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو ڈھیروں مال (قنطار) کے حساب سے مہر دینے کی اجازت دیتا ہے۔ تم کون ہوتے ہو مہر کو کم کرنے والے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے دوبارہ خطبہ دیا اور اس میں اس عورت کی تصدیق کی۔ اپنی رائے واپس لے لی۔ (تفسیر ابن کثیر زیر آیت قنطار ص ۴۶۷، طبع مصر)

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کچھ لونڈیوں کو آگ سے جلا دیا تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ آگ کا عذاب دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ میں ہوتا تو ان کو آگ میں نہ جلاتا بلکہ قتل کر دیتا، کیوں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دو۔ من بدل دینه فاقتلوه (بخاری کتاب استتاب المرتدین جلد دوم)

(۳) اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ مکتوب نمبر ۳۶۔ دفتر دوم ص ۸۴۔۸۵ طبع امرتسر میں فرماتے ہیں:

معلوم رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام اختلافی امور میں حضرت علیؓ ہی (لازماً) حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ اگرچہ ان مشاجرات میں حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا، یعنی خلیفہ راشد صرف آپ ہی تھے، کیوں کہ صدر اوّل کے علماء نے بہت سے اختلافی معاملات میں حضرت علیؓ کا خلاف کیا ہے...... اس اصول کے مطابق اگر کوئی بڑے سے بڑا بزرگوار بھی کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں اور وہ پانچ نہیں چار ہی ہوں گے اور ان بزرگوار کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ ان کو سہو ہو گیا ہے یا بے خیالی میں یہ غلط بات ارشاد فرما دی ہے۔

تبصرہ

(۱) بے شک تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم امام المعصومین ہیں اور غیر انبیاء میں سے کوئی بھی معصوم نہیں اور معصوم وہ ہے جس سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن غیر انبیاء میں سے محفوظ ہو سکتے ہیں یعنی ان سے گناہ کا صدور ہو تو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲) اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام کی اکثریت محفوظ ہے اور اِکا دُکا اگر کسی صحابی سے گناہ کبیرہ کا بھی صدور ہوا ہے۔ مثلاً حضرت ماعز رضی اللہ عنہ، تو حق تعالیٰ نے ان کو کامل توبہ کی توفیق دی ہے کہ ان کی توبہ بھی دوسروں کے لیے ایک معیار بن گئی۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وفات کامل الایمان ہونے کی حالت میں ہوئی ہے اور وہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔

(۳) قاضی شمس الدین صاحب درویش مرحوم نے واضح طور پر لکھ دیا ہے

کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین بھی معصوم نہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خلفاء راشدین سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے...... کاش کہ درویش مرحوم معصوم اور محفوظ کا فرق بھی بیان کر دیتے۔ اور جب خلفاء راشدین اور صحابہ کرام سے گناہوں کا صدور ہو سکتا ہے۔ (کیوں کہ غیر معصوم ہونے کا یہی مطلب ہے) تو ان سے خطا بھی ہو سکتی ہے اور قاضی درویش صاحب مرحوم نے اس کا بھی صاف طور پر اقرار کر لیا ہے، بلکہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی خطاؤں کی مثالیں بھی لکھ دی ہیں...... اور انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی تائید میں یہ ارشاد بھی نقل کر دیا ہے کہ:...... کُل احد یترک قوله ویؤخذ الا صاحب هذ القبر صلی الله علیه وسلم: دلیل صحیح کے ساتھ ہر شخص کی بات کو رد بھی کیا جا سکتا ہے اور قبول بھی کیا جا سکتا ہے۔ صرف نبی علیہ السلام کے فرمان عالی شان کو ہر حال میں قبول ہی کرنا ہوگا۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہرگز ہرگز رد نہیں کیا جا سکتا۔ اہلِ السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اُمت محمدیہ کا بڑے سے بڑا انسان بھی غلطی کر سکتا ہے اور اس کی غلطی کا اظہار بھی کیا جا سکتا ہے۔ الخ

اگر قاضی درویش صاحب زندہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ جب آپ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کی غلطی کو ثابت بھی کر سکتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کر سکتے ہیں اور ان کے اقوال کو حسب ارشاد امام مالکؒ رد بھی کر سکتے ہیں تو پھر ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے اور آپ کے مسلک میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے۔ انہوں نے بھی جماعتی دستور میں یہی لکھا ہے کہ

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اس معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو۔ اس کو درجہ

میں رکھے۔" صحابہ کرامؓ کی خطاؤں کا اظہار کرنا اور ان کے اقوال کو رد کرنا، اسی کا نام تو تنقید ہے جس کا خود قاضی درویش صاحب ارتکاب کر رہے ہیں لیکن تعجب ہے کہ قاضی صاحب کی اس وضاحت پر نقیب ختم نبوت والے کوئی گرفت نہیں کرتے اور ادارہ کی طرف سے درویش صاحب کے مضمون کی قسط دوم سے پہلے ان کی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی لکھا جا رہا ہے کہ:...... "ہم صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے والوں کا محاسبہ و تعاقب جاری رکھیں گے۔" قاضی درویش صاحب نے یہاں یہ بھی نہیں لکھا کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کی خطا اجتہادی نوعیت کیا ہے جس پر ایک اُجر ملتا ہے اور میں نے تو ہر جگہ یہی لکھا ہے کہ مشاجرات صحابہؓ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہوگئی تھی اور اس میں کوئی تنقیص نہیں پائی جاتی بلکہ حسبِ حدیث نبویؐ مجتہد کو اجتہادی خطا پر بھی ایک گونہ اجر ملتا ہے لیکن اس کے باوجود چکوالی تو بن گیا، صحابہ کا مخالف اور درویش صاحب بن گئے، صحابہ کرامؓ کے حامی اور محب۔ ایں چہ بوالعجبیست۔

(۳) قاضی شمس الدین صاحب مرحوم نے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جو مکتوب حضرت علیؓ کی اجتہادی خطا کے بارے میں پیش کیا ہے وہ تو خود میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۱۰ پر نقل کیا ہے۔ چنانچہ میں لکھا ہے کہ:...... "محققین اہل سنت ہر امر میں حضرت علی المرتضیٰ کے اجتہاد کا صحیح ہونا لازمی نہیں قرار دیتے بلکہ وہ بیعت وانعقاد خلافت اور جنگ جمل وصفین کے مسئلہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں حضرت علیؓ کو حق وصواب پر مانتے ہیں۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:...... "لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ محق باشد ومخالف ایشاں برخطا...... ہر چند در امر محاربہ حق بجانب امیر بودہ" الخ (مکتوبات جلد دوم مکتوب نمبر ۳۶ طبع قدیم ص ۵۸)۔

یہ لازم نہیں ہے کہ حضرت امیرؓ تمام (اجتہادی) امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر، البتہ محاربہ (جنگ وقتال باہمی) میں حق وصواب حضرت امیر (علی المرتضیٰؓ) کی طرف تھا۔

ہم اہلِ السنّت والجماعت حضرت علی المرتضیٰؓ کو معصوم نہیں مانتے اور نہ ہی خطائے اجتہادی سے ان کو محفوظ مانتے ہیں اور نہ ہی قاضی درویش صاحب اور میرے درمیان زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے یا نہیں۔ زیرِ بحث مسئلہ تو یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں فریقین میں سے کس کا اجتہاد صحیح تھا اور کس کا غلط۔

میں نے جمہور اہلِ سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ مسلک پیش کیا ہے کہ اس محاربہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ مصیب تھے اور دوسرے حضرات مخطی۔ اور حضرت مجدد صاحبؒ کے منقولہ مکتوب سے میری تائید اور درویش صاحب کے پیش کردہ موقف کی واضح تغلیط ہوتی ہے۔ وللّٰہ الحمد۔

امام مالکؒ کا ارشاد

قاضی درویش صاحب مرحوم نے اپنی تائید میں جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد پیش کیا ہے۔ اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ جب ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ مسائل بیان کرنے میں تو کیا۔ امام مالکؒ ان کے نزدیک خطا سے محفوظ ہیں۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ان کی یہ بات غلط ہے۔ درویش صاحب تو اپنے وضع کردہ نظریہ کی بنا پر کسی غیر معصوم کا قول بحث میں پیش ہی نہیں کر سکتے۔ ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے موقف کو صرف قرآن وحدیث کی نصوص سے ثابت کرتے۔

(۲) امام مالکؒ کا مذکورہ قول تو مودودی صاحب جہاں صحابہ کرامؓ کو تنقید

سے بالاتر نہ قرار دینے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ مودودی جماعت اسلامی کے دستور کی زیرِ بحث عبارت پہلے نقل کی گئی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد محدث مدنیؒ نے جب مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت میں دستور کی مندرجہ عبارت سے اعتراض کیا تو حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر المنبر فیصل آباد نے اپنی کتاب ''کیا جماعت اسلامی حق پر ہے'' میں اور عامر عثمانی مرحوم نے ماہنامہ تجلی دیوبند میں امام مالکؒ کا یہی قول اپنی تائید میں۔ حجۃ اللہ البالغہ کے حوالے سے پیش کیا ہے جس کا جواب میں نے ردِ مودودیت میں اپنی پہلی تصنیف ''مودودی جماعت کے عقائد اور نظریات پر ایک تنقیدی نظر'' میں دیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت حسب ذیل ہے:......

وکان الامام المالک رضی اللہ عنہ یقول. مَا مِن احد الاوھو ماخذ من کلامہ وَمَردودٌ علیہ الارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (متن عربی ص ۱۵۷. الکلام علی حال الناس قبل المأۃ الرابعۃ):......امام مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کا کلام اختیار کرنے اور رد کرنے کے قابل ہے'' (حجۃ اللہ البالغہ مترجم مفسر قرآن از مولانا عبدالحیٔ حقانی (حکیم عبدالرحیم اشرف نے اس عبارت کا ترجمہ بھی غلط لکھا اور مطلب بھی غلط سمجھا تھا اور قاضی شمس الدین درویش مرحوم نے بھی امام مالکؒ کے اس ارشاد کا مطلب نہیں سمجھا۔ میں نے تنقیدی نظر میں لکھا کہ:......اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے کلام کا بعض حصہ قبول کیا جائے گا اور بعض حصہ قابلِ ترک ہوگا۔ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے......امام مالکؒ کے اس قول کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اگر کسی کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو وہ قبول نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے الانصاف میں امام مالکؒ کا یہ قول اس بحث کے تحت

نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے کسی کا قول قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ اس سے پہلے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت وکیعؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی جس کے سننے کے بعد ایک شخص نے کہا کہ حضرت ابراہیم نخعی سے ایسا منقول ہے اس پر حضرت وکیعؒ سخت غضب ناک ہوئے اور فرمایا:...... قول لک قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وتوقل قال ابراهيم النخعی):...... یعنی میں تجھ سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور تو کہتا ہے کہ ابراہیم نخعی نے یہ فرمایا۔ تو اس کا مستحق ہے کہ تجھ کو قید میں رکھا جائے، حتیٰ کہ تو توبہ کرے۔"

یہ روایت نقل کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے امام مالکؒ وغیرہ کا یہ قول نقل کیا ہے:...... مَامِن احد الّا وھو مأخوذ مِن حامه الخ (الانصاف مترجم ص ۴۱) اسی طرح دوسرے ائمہ کے جو اقوال نقل کیے گئے ہیں، ان کا محل بھی یہی ہے جو ہم نے عرض کیا (تنقیدی نظر ص ۶۱-۶۲)

(۳) امام مالکؒ کا قول ابن حزمؒ نے اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کیا تھا جس کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے دیا۔ اس کی مزید توجیہہ بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ہی فرماتے ہیں:...... انما یتم فیمن له ضرب من الاجتهاد ولو فی مسئلة واحدة و فیمن ظهر علیه ظهوراً بیّناً ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم امربکذا ونهیٰ عن کذا وانه لیس بمنسوخ الخ قول ابن حزم اور اس کی یہی توجیہہ شاہ صاحب نے بعینہٖ عقد بالجید میں بھی لکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابن حزم کا یہ قول کہ سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی انسان کے سارے اقوال قبول کرنے جائز نہیں ہیں"۔ اس شخص کے لیے ہے جو خود مجتہد ہو۔ اور اس شخص کے لیے ہے جس پر پورا واضح ہو

جائے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات کا حکم دیا یا فلاں کام سے منع فرمایا۔ اور یہ حدیث منسوخ بھی نہیں۔'' شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اس توجیہہ سے بھی یہی ثابت ہوا کہ غیر رسول علیہ السلام کا وہ قول قابلِ ترک ہے جو حدیث غیر منسوخ کے خلاف ہو یا مجتہد اپنے اجتہاد کی بنا پر کسی قول کو ترک کر دے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا اور نہ اس کا ہمارے مسئلہ متنازعہ فیہ سے کوئی تعلق ہے۔ الخ (تنقیدی نظر ص ۶۲)

قارئین اندازہ فرمائیں کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کا مطلب کیا تھا لیکن قاضی درویش صاحب مرحوم نے نافہمی کی بناء پر اپنی تائید میں پیش کر دیا۔ حالاں کہ درویش نہ مجتہد تھے نہ مجدد۔ پھر میں نے تو مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی اجتہادی غلطی کا ذکر کیا تھا لیکن درویش مرحوم نے صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کی غلطیاں ثابت کرنے کے لیے ایک ضابطہ پیش کر دیا۔ اب کہاں ہے وہ اصول جو بڑے زور و شور سے پیش کیا گیا تھا کہ...... ''ہم صحابہؓ کے اجتہادات کے مقابلے میں اُمت کے دیگر بزرگوں کے فیصلوں، محاکموں اور آراء کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کو دیتے ہیں۔ ہمارے اس رویے اور رائے کو ناپسند کرنے والے لوگ اُمت کے ان بزرگوں کے تشخص و منصب کو بچانے کے لیے تاویل کا پھاٹک کھول کر ان کے مجروح، غیر معقول اور جانبدارانہ اقوال کی تاویل کرتے ہیں اور کسی نہ کسی شکل میں صحابہؓ کو مطعون رہنے دیتے ہیں۔ اور اپنے اس رویئے کو دفاع صحابہؓ کا نام دیتے ہیں۔ حالاں کہ جب ایسے لوگ غیر صحابی بزرگ کے اقوال کی تاویل یا اپنے اقوال کی تاویل کرتے ہیں تو بین السطور سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ نام نہاد وکلائے صحابہ دراصل اپنی جانوں اور اپنے غیر صحابی بزرگوں کا دفاع کر رہے ہیں، نہ کہ صحابہ کا۔

ہم دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اپنی رائے تاویل اور محاکہ کو

ثابت کرنے کے لیے اپنے غیر صحابی بزرگوں کی عبارتوں کو بطور حوالہ واستدلال پیش کرتے ہیں، وہ نادانستہ طور پر ان بزرگوں کو بھی تاقیامت اور مؤلین کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں اور یہ کوئی مستحسن اقدام نہیں۔ خوبی تو یہ ہے کہ صحابہ کی رائے اور فیصلہ کے مقابلہ میں اپنے ان مرحوم بزرگوں کو خطاوار مان لیا جائے تا کہ نزاع رفع ہو جائے الخ (نقیب ختم نبوت ملتان ص ۱۸۔ مئی ۱۹۸۹)

(۲) یہی لیجیے کہ تمام علمائے دیو بند نے اگر حضرت معاویہؓ کو صورتاً باغی کہا ہے تو کیا یہ حضرت معاویہؓ کی شخصیت کی توہین نہیں ہے۔ کیا ان کی مجتہدانہ رائے سے اختلاف غیر مجتہد اور عام درجہ کے آدمی کی ناقص وعیب دار رائے نہیں۔ کیا یہ رائے اور مسلک صحابہؓ پر تنقید نہیں، پھر کیا صحابہؓ پر تنقید کا حق دیو بند کے علماء کو ہے، یا دوسروں کو بھی یہ حق ہے، کیا یہ تنقید معاویہؓ وشیعان معاویہ پر جائز ہے یا علیؓ وشیعان علی پر بھی جائز ہے۔ کیا دیو بند کے اکابر کو مشاجرات صحابہ میں حکم مانا جا سکتا ہے اور یہ حکم بننے کا شرعی جواز کیا ہے اور ان بزرگوں کے علاوہ کوئی اور شخص جو ان کے بھی اسلاف معظم میں سے ہو۔ اس کو حکم مانا جا سکتا ہے، یا ان بزرگوں کے بعد آنے والے کسی شخص کو حکم مانا جا سکتا ہے۔ یہ ناقد حضرات ان سوالات کا معقول جواب دینے کے بجائے اپنے اپنے دار الافتاء کے مہیب جبڑے کھول لیتے اور سائلین کو عذاب وثواب کے برہمی پھندوں میں جکڑ لیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ الخ (نقیب ختم نبوت دسمبر ۱۹۸۸ء ص ۱۳۔۱۴)

اگر قاضی شمس الدین مرحوم زندہ ہوتے تو میں ان سے ان سوالات کے جواب کا مطالبہ کرتا اور پوچھتا کہ آپ نے غیر صحابی اور غیر مجتہد ہو کر کس شرعی دلیل کی بناء پر حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور دوسرے صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کی خطائیں ڈھونڈنے اور ان کے اظہار اور اشاعت کو جائز اور ضروری قرار

دیا ہے؟ باقی رہے ہم خدّام اہلِ سنت تو ہمارا جواب یہ ہے کہ جمہور اہل السنّت و الجماعت کا (خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین) یہی مسلک ہے کہ مشاجرات صحابہؓ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت امیر معاویہؓ اور آپ کی جماعت سے اپنے اجتہاد میں خطا ہوگئی اور چونکہ وہ مجتہد تھے، اس لیے ان کو اس میں بھی ایک اجروثواب ملے گا اور جس عمل پر من جانب اللہ اجروثواب ملتا ہے وہ تنقید کا مصداق ہے ہی نہیں جس سے صحابہ کرامؓ بالاتر ہیں۔

فیض عالم خارجی سے عقیدت کیوں

نقیب ختم نبوت ملتان (مارچ ۱۹۹۰ء) کے ٹائیٹل پر شہدائے ناموس اصحاب رسول علیہم السلام کے عنوان کے تحت حسب ذیل نام لکھتے ہیں:۔ ''مولانا حق نواز جھنگوی۔ حکیم فیض عالم صدیقی۔ مولانا احسان اللہ فاروقی۔ مولانا سید منظور الحسن ہمدانی۔ مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر''۔ حیرت ہے کہ حکیم فیض عالم صدیقی جہلمی کو بھی شہدائے ناموس اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا گیا ہے۔ حالاں کہ وہ کٹر خارجی تھا اور اس کی حسب ذیل عبارتیں اس کی خارجیت کو بے نقاب کرتی ہیں۔

(۱) حکیم فیض عالم نے بیسیوں مرتبہ اپنی کتاب ''خلافتِ راشدہ'' میں حضرت علیؓ کی خلافت کو نام نہاد خلافت لکھا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حق پر ماننے والوں کو رافضی قرار دیا ہے۔

(۱) سیدنا علیؓ کی یہ نام نہاد خلافت خود آپ کی ذات والا صفات کے لیے کانٹوں کا تاج بن کر رہ گئی الخ (ص ۳۶)

(۲) حدیث۔ ان ھذا الامر بدأ رحمة ونبوة ثم یکون رحمة و خلافة ثم کائن ملکاً عضوضاً: اسلامی حکومت کی ابتدا رحمت ونبوت سے ہوگئی

پھر رحمت و خلافت ہوگی پھر ملک عضوض کا دور ہوگا۔ خلافت نبوت کا خاتمہ سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت پر ہوا۔ رحمت و خلافت کا دور امیر معاویہؓ سے ہشام تک اور اس کے بعد سادات بنو اُمیہ کی خلافت میں زوال شروع ہوگیا اور حکومت بنی عباس میں چلی گئی۔ (ص ۴۲) یہاں حکیم فیض عالم نے اس حدیث کے مصداق سے حضرت علیؓ کو بالکل ہی خارج کر دیا ہے اور رحمت و خلافت کا دور حضرت امیر معاویہؓ سے شروع کیا ہے۔

(۳) اگر سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت کے معاً بعد سیدنا علیؓ کو خلافت کی زمام کار سنبھالنے کا موقع ملتا اور خلافت کا تسلسل قائم رہتا۔ اگرچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کی تاویل ہی کیوں نہ کرنی پڑتی۔ عدم انقطاع کی وجہ سے وہ لوگ کسی حد تک حضرت علیؓ کو خلافت میں شمار کرنے میں حق بجانب سمجھے جاتے جو آنجناب کے لیے حق چار یارؓ کی اصطلاح کی تخلیق کے بل پر خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں۔ مگر سیدنا ذوالنورینؓ کی شہادت پر خلافت نبوت کا خاتمہ ہوگیا۔ الخ (ص ۲۷) یہاں بھی حکیم فیض عالم خارجی نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت علیؓ خلفاء راشدین میں شامل نہیں ہیں۔

(۴) مدینہ میں موجود صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک نے بھی آپ کے ہاتھ سے خلافت کی بیعت نہ کی۔ (ص ۳۳)

(۵) عنوان ہے: حضرت علیؓ کو حق پر سمجھنے والے رافضی ہیں۔ (ص ۳۳)

(۶) خارجی موصوف نے چاروں خلفاء راشدین کو بارہ خلفاء والی حدیث کے مصداق سے خارج کر دیا ہے اور ان بارہ خلفاء میں سے پہلا نام حضرت امیر معاویہؓ کا لکھا ہے۔ اس کے بعد یزید کا اور پھر آخر میں ہشام بن عبدالملک کا ہے۔ (۴۳)

(۷) جہالت۔ضد۔ہٹ دھرمی۔نسلی عصبیت کا کوئی علاج نہیں۔اپنے خود ساختہ نظریات سے چمٹے رہنے یا مزعومہ تخیلات کو سینے سے لگائے رکھنے کا دفعہ ناممکن ہے مگر سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت کے متعلق قرآنی آیات حضورؐ صادق و مصدوق کے ارشادات کی روشنی میں حقائق گزشتہ صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں (ص ۵۵)

(۸) ذرا تعمق سے اس بات پر غور کرنا مطلوب ہے کہ جس طرح اصحاب ثلثہ کی شخصیتیں مسلمانوں کی سربراہی یا خلافت کی وجہ سے قد آور نہیں ہوئیں بلکہ خلافت کو ان کی شخصیتوں کی وجہ سے بلند مقام ملا۔ اسی طرح اگر سیدنا علیؓ کو بھی مسلمان منتخب کر کے خلیفہ بناتے تو ان کی ذات کی وجہ سے خلافت کو ضرور وقار ملتا۔ مگر سیدنا علیؓ نے خلافت کے ذریعے اپنی شخصیت اور ذات کو قد آور بنانا چاہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی سیلاب آسا فتوحات ہی ٹھپ ہو کر رہ گئیں۔ بلکہ کم و بیش ایک لاکھ فرزندان توحید خاک وخون میں تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے...... سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت کے نظریہ کے ثبوت کے لیے سرے سے تائیدی اثر کا کوئی وجود نہیں۔ سیدنا علی حصولِ خلافت کا خیال نہ معلوم کب سے اپنے قلب کی گہرائیوں میں دبائے بیٹھے تھے مگر اس خیال کا سب سے پہلے حضور صادق و مصدوق کے سفر آخرت کے وقت ظہور ہوا۔ الخ (ص ۵۷)

یہاں خارجی فیض عالم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اخلاص پر حملہ کیا ہے، حالاں کہ حضرت علیؓ بیعت رضوان والوں میں ہیں۔ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مصداق ہیں۔

(۹) ہمیں اس مقام پر یہاں مکرر یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ سیدنا علیؓ کی نام نہاد خلافت نہ تو قرآنی معیار پر پوری اُترتی دکھائی دیتی ہے نہ ہی نبی کریم نے

آپ کی خلافت کے متعلق کوئی ارشاد فرمایا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ وَلَا اَدرُکُم فاعلین ۔اور نہ ہی کسی صحابی نے آپ کی خلافت پر آپ کی بیعت کی تھی اور نہ محض زبانی ہی آپ کی خلافت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی بعد کے مورخوں نے آپ کی خلافت کے حق میں کوئی ثبوت پیش کیا ہے۔تو آج کے ان بزعم خویش مولاناؤں کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ کو خلافت راشدہ میں شمار کر کے بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تکذیب کا ارتکاب کریں۔حضور صادق ومصدوق کے فرمودات کو جھٹلانے کی جرأت کریں اور صحابہ کرامؓ کے عمل کو باطل قرار دینے کا اقدام کریں۔گویا اللہ تعالیٰ و نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کو جو بات نہ سوجھی وہ زکوٰۃ وصدقات اور خیرات کی روٹیوں پر پلنے والوں اور یتیم خانوں کے بطخوں کی ہنڈیاں چٹ کر پروان چڑھنے والے نام نہاد مولویوں کو نظر آگئی اور آج انہوں نے خلافت راشدہ حق چار یار کے نعروں سے ایک عالم کو پریشان کر رکھا ہے (ص ۷۸-۷۹)

(۱۰) حق چار یارؓ کی اصطلاح پر تنقید کرتے ہوئے خارجی حکیم فیض عالم نے لکھا ہے کہ ''شاید کسی اور مقام پر بھی چار یار صحابہ کرامؓ کا ایک جگہ ذکر ہو مگر یہ بات یقینی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمان ذوالنورینؓ کے اسماء مبارک کے ساتھ سیدنا علیؓ کا اسم مقدس اس التزام سے کہیں منقول نہیں۔

لیجیے جناب۔حق چار یار کے نعروں پر سر ہلانے والے سُنی بھی کیا یاد کریں گے۔ہم نے ان کے لیے چھ مقامات پر چار کا عدد پورا کر کے پیش کر دیا ہے مگر افسوس کہ ہم اپنی بھرپور طالب علمانہ کاوش اور کوشش کے باوجود بھی ان کی اس خواہش کو پورا کرنے سے محروم رہے یعنی کسی ایک مقام پر بھی حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے اسمائے مبارکہ اس ترتیب سے تلاش نہ کر سکے۔ہاں اگر کوئی مقلد سنی یا غیر مقلد

مولوی ہماری اس خواہش کو پورا کرسکیں تو ہم نہ صرف ان کی علمی فضیلت کے قائل ہو جائیں گے، بلکہ شاید ان کے اس علمی انکشاف سے بہتوں کا بھلا ہو جائے'' (ص ۷۷) تلک عشرہ کاملہ۔

تبصرہ

حکیم فیض عالم کی دس عبارتیں ہم نے یہاں پیش کر دی ہیں جن میں حکیم مذکور نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت راشدہ کا بالکل انکار کیا ہے۔ نام نہاد خلافت قرار دیا ہے اور آپ کو خلافت کا خواہش مند قرار دے کر آپ کے خلوص و تقویٰ کا مذاق اُڑایا ہے اور حق چار یارؓ کی اصطلاح سے اس کا خون اس لیے کھول رہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اس اصطلاح کی وجہ سے چوتھے خلیفہ راشد تسلیم کیے جاتے ہیں، جو اس کے خارجیانہ عقیدے کے لیے چیلنج ہے۔ مصنف مذکور کے مطالبہ پر ہم یہاں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں خلفاء ثلثہ کے ساتھ بالترتیب حضرت علی المرتضیٰؓ کا نام موجود ہے:...... مشہور محدث قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:...... وقال (صَلّی اللّٰہ علیہ وسلم) فی حدیث جَابر اِنَّ اللّٰہ اختار اصحابی علی جمیع العالمین سوی النبیین والمرسلین و اختار لی منھم اربعةً ابا بکر و عمر و عثمان و علیاً فجعلھم خیر اصحابی وَ فِی اصحابی کُلُّھم خیر (الشفاء تبعریف حقوق المُصطفیٰ جلد ثانی ص ۱۱۹ طبع دمشق)

ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ نے میرے اصحاب کو سوائے انبیاء اور مرسلین کے تمام جہانوں میں چن لیا ہے۔ اور ان میرے اصحاب میں سے اس نے ان چار کو بہتر بنایا ہے۔ ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور میرے تمام اصحاب میں خیر و بھلائی ہے۔ یہ حدیث مسند بزاز میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

بعد میں تو حکیم فیض عالم مقتول ہو گئے لیکن ان کی زندگی میں مَیں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۴۱ پر ان کے مطالبہ کے جواب میں یہ حدیث پیش کر دی تھی۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت راشدہ کا ثبوت قرآن مجید کی آیت تمکین اور آیت استخلاف میں بطور اقتضاء النص موجود ہے:...... سورۃ الحج کی آیت تمکین میں الذین اخرجو مِنْ دیارھم یعنی مہاجرین اوّلین صحابہ میں ان کو تمکین دینے کی پیشین گوئی کے ساتھ یہ فرمایا...... الذین ان مکناھم فی الارض اقامو الصلوٰۃ وآتو الزکوٰۃ و امر و ابالمعروف و نھوا عن المنکر (اگر ہم ان مہاجرین کو ملک میں تمکین وحکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ نیکیوں کا حکم دیں گے اور منکرات (برائیوں) سے روکیں گے۔'' حکیم فیض عالم خواہ کتنا ہی انکار کرے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ منصب خلافت پر متمکن ہوئے۔ اگر آپ خلیفہ نہ تھے تو پھر حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کا آپ سے مطالبہ کیوں کیا گیا۔ خلیفہ تو یقیناً ہوئے اور حکیم فیض عالم جیسے خارجی ذہنیت والے ان کو نام نہاد خلیفہ اس معنی میں سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں احکام اسلام نافذ نہیں کر سکے تو یہ نظریہ زیرِ بحث آیت تمکین کے خلاف ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ ''اگر ہم مہاجرین صحابہ میں سے کسی کو تمکین واقتدار دیں تو وہ ضرور نماز وزکوٰۃ پر عمل کریں گے اور ہر کروٹ (نیکی) کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہاجرین اوّلین میں سے جو جو خلیفہ بنیں گے، وہ ضرور مذکورہ چار صفات کا مصداق ہوں گے اور مہاجرین اوّلین میں سے سوائے ان چار کے اور کوئی مہاجر صحابی خلیفہ نہیں بنے۔ یہی چار مہاجر صحابی خلیفہ بنے ہیں۔ یہاں چوتھے حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔ اگر ان کو

ان علامات وصفات سے متصف خلیفہ چہارم نہ تسلیم کیا جائے تو اس آیت کے مضمون کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم فیض عالم جیسے خوارج کو ہدایت عطا فرمائے۔ اگر ہدایت ان کی قسمت میں نہ ہو تو اہلِ السنّت والجماعت کو ان کی شر سے محفوظ فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

تنبیہ

یہ خارجی گروہ اہلِ السنّت والجماعت کے مسلک حق کی مخالفت کر کے شیعوں کے اصل مقصد کی تکمیل کر رہا ہے۔ کیوں کہ شیعہ یہ چاہتے ہیں کہ عوام اہل السنّت والجماعت اپنے مذہب حق سے بے خبر اور غافل رہیں۔ ان کی راہ میں سنی مذہب ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کیوں کہ سنی مسلمان صحابہ کرام۔ امہات المومنین اور تمام اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جنتی مانتے ہیں اور سب کی محبت کو اپنا جزو ایمان تسلیم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے شیعوں کا یہ پروپیگنڈا کامیاب نہیں ہو سکتا کہ سنی مسلمان اہل بیت کے مخالف ومنکر ہیں اور جب سنّیت کے نام پر خارجیت ان کے سامنے آتی ہے اور خارجی لوگ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو اپنی تنقید و جارحیت کا نشانہ بناتے ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یزید کو ترجیح دیتے ہیں تو رافضی...... پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ دیکھو جی یہ سُنی لوگ اہلِ بیتؓ کے منکر ہیں اور ایک شیعہ مصنف نے تو اپنے دل کی بات کھل کر پیش کر دی ہے۔ چنانچہ ایک شیعہ مصنف مولوی سجاد حسین کی کتاب ''تقریر دل پذیر'' کے ٹائیٹل پر لکھا ہے کہ

اسلام میں صرف دو (۲) فرقے ہیں، ایک شیعہ اور دوسرا خارجی۔ سنی کوئی نہیں۔ میں نے کتاب مذکورہ ''تقریر دل پذیر'' کی اور عبارتیں بھی ''دفاعِ صحابہ'' میں نقل کر دی ہیں۔ وہاں دیکھ لی جائیں۔

امام حسینؓ اور فیض عالم

حکیم فیض عالم خارجی مذکور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو صحابی نہیں مانتا بلکہ تابعی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے:......لقد رضی اللہ عن المؤمنین. رضی الله عنهم وَرَضُوا عنه ......ان مقدس کلمات کی روشنی میں ہر صحابی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات کہنا اور لکھنا ضروری ہیں۔ کسی غیر صحابی کے لیے ان الفاظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہے۔ تابعین تبع تابعین کے لیے رحمت اللہ علیہ کے کلمات بولے اور لکھے جاتے ہیں۔ مگر رفض کی وسیسہ کاریوں نے ایک صحابی۔ دو تابعین اور آٹھ غیر معروف قسم کے افراد کو علیہ السلام بنا دیا۔ الخ (ص ۱۶۷)۔ یہاں ایک صحابی سے مراد حضرت علیؓ ہیں اور دو تابعین سے مراد حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں (رضی اللہ عنہما) اور آٹھ غیر معروف قسم سے مراد شیعوں کے نامزد ائمہ معصومین ہیں۔ امام زین العابدین سے امام حسن عسکری تک اور بارھویں امام مہدی تو ۲۵۵ھ سے روپوش ہیں اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ اہلِ السنّت والجماعت کے نزدیک صحابی ہیں۔

(۳) حسنینؓ کو تابعی قرار دینے کے بعد خارجی فیض عالم ان کے بارے میں کیا لکھتا ہے۔ (۱) سیدنا حسنؓ کی موت کے متعلق میں اپنی تالیفات ''عزتِ رسول اور حسنؓ بن علیؓ میں بدلائل ثابت کر چکا ہوں کہ کثرت جماع ذیابیطس اور تپ محرقہ سے ہوئی۔ آپ کہاں شہید ہوئے تھے۔ آپ کو کس نے شہید کیا تھا۔ (ص ۱۱۵)۔ (۲) حضرت حسینؓ'' کے متعلق لکھا ہے کہ:...... حقیقت یہ ہے کہ آپ برسام کے مریض تھے اور اس مرض کے مریض اوّل تو مر جاتے ہیں ورنہ پاگل ہو جاتے ہیں اور اگر بچ بھی نکلیں تو ان کی زبان لکنت آمیز ہو جاتی ہے اور ذہن کما حقہ سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے محروم ہو جاتا ہے''۔ (ص ۱۳۹) ان عبارتوں پر تبصرہ کی

ضرورت نہیں ہے۔لفظ لفظ سے خارجیت ٹپک رہی ہے۔

فیض عالم خارجی کے جھوٹ

اس کی ساری تصانیف بدفہمی۔ تضاد بیانی اور کذب و افتراء کا مجموعہ ہیں۔ یہاں ہم بطور نمونہ ان کی عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ (۱) ایک تو یہی اس کا چٹا سفید جھوٹ ہے کہ حضرت علیؓ کی کسی صحابی نے بیعت نہیں کی اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے جو بیعت کی ہے وہ بھی جبر بیعت ہے۔ حالاں کہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی نے بھی لکھا ہے کہ جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار نے حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم کر لی تھی...... (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۲)

اور قاضی شمس الدین درویش مرحوم بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کو چوتھا خلیفہ راشد مانتے ہیں جیسا کہ ان کی عبارتیں نقل کر دی گئی ہیں اور حکیم محمود ظفر صاحب بھی بارہ خلفاء والی حدیث میں حضرت علیؓ سمیت پہلے چار خلفاء راشدین کو شامل کرتے ہیں مگر فیض عالم خارجی یہ بھی تسلیم نہیں کرتا۔

(۲) امام ابن تیمیہؒ کے متعلق لکھتا ہے کہ:...... آپ سے سیدنا علیؓ کی خلافت کے متعلق کوئی قول ان کی تالیفات میں موجود نہیں۔ البتہ سیدنا علیؓ کے فضائل ومناقب ضرور ہیں الخ (ص ۸۶) یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے...... حالاں کہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: وعلى آخر الخلفاء الراشدين الذين ولايتهم خلافة نبوة و رحمة (منهاج السنة جلد رابع ص ۱۲۱۔ طبع مصر):...... حضرت علیؓ ان خلفاء الراشدین میں آخری خلیفہ راشد ہیں جن کی حکومت خلافت نبوۃ ہے"

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق لکھتا ہے:...... شاہ ولی اللہ نے اپنی تالیف قرۃ العین میں اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر ازالۃ الخفاء سے گزشتہ صفحات میں شاہ صاحب کے جو بیسیوں اقوال سیدنا علی رضی اللہ عنہ

کی خلافت کے متعلق بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں قرۃ العین کی ایک عبارت کو شاہ صاحب کے ذہول یا تسامح کا شاہکار قرار دیا جائے گا۔ شاہ صاحب سیدنا علی کی خلافت کے ہرگز قائل نہ تھے۔ بلکہ اس فقرہ کو ہم شاہ صاحب کے دوسرے اقوال کے مقابلہ میں بھرتی کا فقرہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں (ص ۸۷)

فیض عالم کا یہ بھی ایک لمبا چوڑا جھوٹ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت علیؓ کی خلافت کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ حالاں کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء'' میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے یہی ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ خلفاء راشدین ہیں بلکہ ان چاروں حضرات کو وہ خلافت راشدہ خاصہ کا مصداق قرار دیتے ہیں اور حکیم فیض عالم نے جس حدیث (خلافت نبوت و رحمت) کے مصداق سے حضرت علی المرتضیٰؓ کو خارج کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسی حدیث کا مصداق خلفاء اربعہ کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:......اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مستفیضہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت نبوت و خلافت رحمت ہوگی اور اس کے بعد ملک عضوض (مارکاٹ کی بادشاہت) اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متصل واقع ہوئی۔ وہ خلفاء اربعہ کی خلافت تھی تو ان کی خلافت خلافت نبوت و رحمت ہوئی۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم فصل ہفتم ص ۱۴۰۲)

قارئین اندازہ فرمائیں۔ حکیم فیض عالم کے اس جھوٹ کا کہ...... ''شاہ صاحبؒ سیدنا علیؓ کی خلافت کے ہرگز قائل نہ تھے۔'' حکیم فیض عالم پہلے غیر مقلد (اہل حدیث کے مسلک پر) تھا۔ پھر یزیدی بنا اور آخر میں خارجی بنا۔ اور انجام کار کسی نامعلوم قاتل نے اس کو اس کے گھر (شہر جہلم) میں قتل کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ

خارجیت کی نحوست نے فیض عالم کومخبوط الحواس اور ماؤف الدماغ کردیا تھا۔ جیسا کہ اس کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ الھادی

تازیانۂ عبرت

اگر مشاجرات صحابہؓ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کی جائے (اور یہی جمہور اہل سنت کا مسلک ہے) تو اس کو سبائیت سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حکیم فیض عالم جو اپنی عبارات کے پیش نظر کٹر خارجی ہے اور کھلم کھلا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا منکر ہے، اس کو ''نقیب ختم نبوت'' میں شہید فی سبیل اللہ لکھا جاتا ہے۔ ایں چہ بوالعجبیست۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

(۲) میرے سامنے فیض عالم کی کتاب ''خلافت راشدہ'' کے دو ایڈیشن ہیں۔

(۱) غیر مجلد ناشر خانزادہ ولی اللہ خان بنگش محلہ خان دربار ہنگو ضلع کوہاٹ۔

(۲) مجلد۔ ناشر اسلامک بک بینک لاہور۔ میں نے اس مضمون میں کتاب خلافت راشدہ کے اس دوسرے ایڈیشن کی عبارتیں نقل کی ہیں۔

(نوٹ) قاضی شمس الدین درویش مرحوم کے جوابی مضمون کی قسطیں ''نقیب ختم نبوت'' جون اور جولائی ۱۹۹۱ء میں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے بعض عبارتوں کا جواب دے دیا ہے۔ جی نہیں چاہتا کہ ان کی وفات کے بعد ان کے جواب الجواب میں مضامین شائع کروں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ ماہنامہ حق چاریار میں بالاقساط شائع شدہ میرے مضمون ''مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ'' کا جواب الجواب کوئی اور حامی یزید لکھیں، خواہ وہ قاضی درویش صاحب مرحوم ہی کے جوابی مضامین سے استفادہ کرلیں اور ویسے ہی میں نے مسئلہ فسق یزید اور

مسئلہ اجتہادی خطا کے موضوع پر اپنے مضمون کی تکمیل کرنی ہے۔ کیوں کہ میرا مقصد مسلک اہل السنّت والجماعت کا دفاع اور تحفظ ہے۔ **وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم**

قاضی شمس الدین درویش مرحوم کے جواب میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضور رحمتہ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحب زادیوں میں سب سے چھوٹی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراء ہیں۔ رضی اللہ عنہا۔

چھوٹی صاحب زادی کون ہیں؟

ماہنامہ حق چار یارؓ شعبان و رمضان ۱۴۱۰ھ میں مفتی مزمل حسین کا پڑیا (کراچی) کا ایک مضمون بعنوان ''خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ'' شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: یہ بچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں۔'' اس پر قاضی درویش صاحب نے ماہنامہ حق چار یارؓ کے ایڈیٹر مولانا حافظ محمد طیب صاحب کو اپنے مفصل خط میں امام ابن حزم کے حوالہ سے یہ لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور پیاری صاحب زادی حضرت اُم کلثومؓ تھیں جس کے جواب میں بندہ نے ماہنامہ حق چار یارؓ ذیقعدہ۔ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ میں یہ ثابت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراء تھیں اور اس پر (۱) حافظ ابن کثیر محدّث کی البدایہ والنہایہ مترجم باب ۵۷، ص ۵۲۷۔ (۲) قاضی محمد سلیمان صاحب سلیمان منصور پوری کی کتاب رحمتہ اللعالمین جلد دوم، ص ۱۰۸۔ (۳) امام قسطلانیؒ محدث کی کتاب مواہب لعانیہ ص ۲۳۱، جلد ۲۔ (۴) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب مدارج النبوۃ مترجم جلد دوم ص ۷۸۷ کی عبارتیں پیش کی گئی تھیں لیکن قاضی

درویش صاحب کی اس سے تسلی نہیں ہوئی۔ وہ حضرت ام کلثومؓ کے آخری صاحب زادی ہونے پر مصر رہے بلکہ انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ جو لوگ حضرت فاطمۃ الزہراء کو چھوٹی صاحب زادی مانتے ہیں، وہ سبائی ہیں اور حضرت ام کلثومؓ کو چھوٹی صاحب زادی ماننے والے اہلِ سنت ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک نعت کے حاشیہ پر یہ لکھا کہ: "بنات رسول علیہ السلام کے ناموں میں وزن بیت کے لیے ترتیب بدل دی ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک صحیح ترتیب یہ ہے۔ زینب۔ رقیہ۔ فاطمہ۔ اُم کلثوم اور سبائیوں کے نزدیک یوں ہے: زینب، رقیہ۔ اُم کلثوم۔ فاطمہ۔ بعض شیعہ پہلی تین بیٹیوں کو حضور ﷺ کی اولاد ہی نہیں مانتے۔ صرف سیدہ فاطمہ کو حضور ﷺ کی اکلوتی بیٹی مانتے ہیں۔ (نقیب ختم نبوت نومبر ۱۹۹۰ء۔ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ، ص ۱۹)

(۲) قاضی درویش مرحوم اپنے جوابی مضمون بعنوان "قاضی مظہر چکوالی اور سبائی ٹولہ" (تیسری اور آخری قسط) میں مفتی مزمل حسین کاپڑیا کے مضمون پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس مضمون میں تین روایتوں کا تذکرہ تھا (۱) پہلی یہ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ چونکہ سبائی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پہلی تین بیٹیاں سیدہ خدیجہؓ کے پہلے خاوند میں سے ہیں۔ سیدہ خدیجہ اور حضور ﷺ کی صرف چوتھی اکلوتی بیٹی سیدہ فاطمہ ہیں جو حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ اس لیے سبائی سیدہ فاطمہؓ کو سب سے چھوٹی بیٹی قرار دینے پر زور لگاتے ہیں اور بعض سُن مُن سُنّی بھی بے خیالی میں اس گپ کو صحیح مان لیتے ہیں۔ (۲) دوسری موضوع روایت یہ تھی کہ میدانِ قیامت میں ایک آواز آئے گی، لوگو سر جھکا کر نظریں نیچی کر لو کیوں کہ سیدہ فاطمہؓ اب پل صراط سے گزرنے والی ہیں۔ چنانچہ سیدہ فاطمہؓ ستر ہزار حوروں کے جلوس میں بجلی کی رفتار سے پل صراط سے

گزر جائیں گی۔ (۳) تیسری روایت یہ تھی کہ حدیث فاطمہ بضعۃ منی کی یہ روایت ابتداء تو حضرت علیؓ کی وجہ سے بیان کی گئی ہے۔ یہی بعد میں سبائیوں نے اس کو صدیق اکبرؓ کے غصب باغ فدک اور حضرت عمر فاروقؓ سے منسوب فرضی مظالم کی مذمت کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا اور جہاں بھی موقع ملتا ہے، یہ خبیث اس حدیث کی رٹ لگا کر حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے صحابہ کو ڈنگ مار جاتے ہیں اور چکوالی صاحب کا اندرونی مذاق یہ ہے کہ سبائیت کو بہر صورت تحفظ دیا جائے لیکن چکوالی صاحب کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی صاحب زادی ہونے کی جب دو ٹوک پختہ روایت نہ ملی تو موصوف نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کرنے شروع کر دیے لیکن حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے دو گنا مزید فضائل بھی صحیح روایات سے ثابت ہوں تو ہر سُنی کے سر آنکھوں پر لیکن چکوالی صاحب نے آخری بیٹی ہونے کے متعلق جتنی روایات بیان کی ہیں، سب میں تشتت ہے۔ ابن کثیر کی ایک روایت کو نقل کر لیا اور فقیر کو یوں للکارا کہ: "قاضی موصوف عموماً ابن کثیر کی روایتیں استدلال میں پیش کیا کرتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ ابن کثیر کی یہ روایت کیوں قابلِ قبول نہیں (ص ۳۷ ماہنامہ حق چار یارؓ (جواب) فقیر نے یہ روایت اس لیے قبول نہیں کی کہ اس کے بعد اسی صفحہ ۳۰۷ ج ۵ پر خود ابن کثیر نے تین روایتیں اور لکھی ہیں جن میں صاف تصریح موجود ہے کہ سیدہ اُم کلثوم ہی آخری اور سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ پہلی روایت سعید بن عبدالعزیز کی ہے۔ دوسری روایت اسی صفحہ پر مصعب بن عبداللہ کی ہے۔ اس میں گو سیدہ فاطمہ کو پہلی صاحب زادی لکھا ہے لیکن چوتھی اور آخری صاحب زادی یہاں بھی اُم کلثوم ہی کو لکھا ہے۔ تیسری روایت لہیعہ کی ہے۔ اس میں بھی آخری صاحب زادی اُم کلثوم کو ہی لکھا ہے۔ اب فقیر بھی کہتا ہے "چکوالی صاحب کو

ابن کثیر کی یہ تین روا تیں کیوں قابلِ قبول نہیں ہیں۔ چونکہ ابن کثیر نے متعدد متشتت روایات لکھ دی ہیں اور خود چکوالی صاحب کی روایات میں بھی تشتت موجود ہے۔ چنانچہ ص ۵۷ سطر اوّل پر چکوالی صاحب لکھتے ہیں اور ایک قول ہے اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی تھیں۔ مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۵۵۷۔ پھر اسی ص ۵۷ کی سطر ۶ پر لکھتے ہیں تو بعض اقوال حضرت رقیہؓ یا حضرت اُم کلثومؓ کی چوتھی صاحب زادی ہونے کے بارے میں بھی ہیں الخ۔ تو ان روایات سے بھی تشتت ہی ثابت ہوا اور دوٹوک بات صرف حضرت امام ابن حزم نے انساب العرب میں لکھی ہے کہ سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ہی حضور علیہ السلام کی آخری بیٹی ہیں۔ اسی لیے فقیر نے اس کو زیادہ صحیح سمجھا۔ دوسرے یہ کہ اس سے سبائیوں کے زعم فاسد کی بھی تردید ہوتی ہے کہ سیدہ فاطمہؓ ہی آخری اور اکلوتی بیٹی ہیں۔ رضی اللہ عنہا۔

(نقیب اگست ۱۹۹۱ء ص ۴۲۔۴۳)

الجواب

قاضی شمس الدین مرحوم یہ بھی لکھتے ہیں کہ سبائیوں کے نزدیک حضرت فاطمہؓ اکلوتی بیٹی ہیں اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ سبائیوں کے نزدیک آنحضرتﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی ترتیب یوں ہے۔ زینب، رقیہ، اُم کلثوم، فاطمہ۔ اگر زندہ ہوتے تو میں پوچھتا کہ: ''حضرت درویش جب آپ کے نزدیک بھی سبائی حضور علیہ السلام کی ایک ہی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو مانتے ہیں اور دوسری تین کو بناتِ رسول ﷺ مانتے ہی نہیں تو پھر سبائیوں کے ہاں چار صاحب زادیوں کی ترتیب کہاں سے آگئی؟ مندرجہ جواب الجواب کی آخری سطر میں بھی درویش صاحب نے لکھا ہے کہ: اس سے سبائیوں کے زعم فاسد کی بھی تردید ہوتی ہے کہ سیدہ فاطمہؓ ہی آخری اور اکلوتی بیٹی ہیں۔ یہ آخری اور اکلوتی بیٹی کیوں کر صحیح ہوسکتی ہے۔ اگر آخری

ہے تو پھر اکلوتی نہیں اور اگر اکلوتی ہے تو پھر ان کے ہاں آخری بیٹی ہونے کا کیا سوال؟ درویش صاحب مرحوم اختلافِ ذہنی کا شکار ہو چکے تھے جو یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں۔

(۲) جب اہلِ سنت ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحب زادیاں مانتے ہیں تو بنات اربعہ کی ترتیب کا اختلاف اہلِ سنت میں ہی ہوگا۔ اس ترتیب کے ساتھ سبائیوں اور شیعوں کا کوئی تعلق ہی نہیں رہتا اور پھر درویش صاحب یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ: ''اس لیے فقیر نے اس کو (یعنی ابن حزم کے قول کو) زیادہ صحیح سمجھا۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت اُم کلثومؓ کی چھوٹی صاحب زادی ہونے کا قول زیادہ صحیح (اصح) ہے تو حضرت فاطمۃ الزہرأؓ کی چھوٹی صاحب زادی ہونے کا قول بھی صحیح ہوگا، نہ کہ فاسد اور غیر صحیح۔ تعجب ہے کہ جب سبائی اکلوتی بیٹی کے قائل ہیں اور ان کے ہاں بناتِ اربعہ کی ترتیب کا مسئلہ ہی کوئی نہیں ہے اور میں نے حضرت فاطمۃ الزہرأؓ کی چھوٹی صاحب زادی ہونے کا قول پیش کیا تو مرحوم نے میرے متعلق یہ لکھ دیا اور چکوالی صاحب کا اندرونی مذاق یہ ہے کہ سبائیت کو بہر صورت تحفظ دیا جائے۔ درویش صاحب مرحوم پر سبائیت کا ہوا کچھ ایسا سوار تھا کہ ان کو چاروں طرف سبائیت ہی نظر آتی تھی اور وہ صدیوں کے محققین اہلِ سنت کے اقوال کو بلا تامل سبائیت قرار دے دیا کرتے تھے۔

ع اے تیرگیٔ طبع تو برمن بلا شدی

(۳) جناب درویش کی پریشان حالی ثابت ہو جانے کے بعد اس امر کی ضرورت نہیں رہی کہ ان کی دوسری باتوں کا جواب دیا جائے لیکن ناواقف قارئین کے اطمینان کے لیے ان کا جواب بھی عرض کیا جاتا ہے۔

(۱) میں نے مدارج النبوۃ مترجم جلد دوم ص ۸۷ کی یہ عبارت پیش کی تھی

کہ: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحب زادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں''۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے چوتھی صاحب زادی ہونے میں دوسرے اقوام بھی پیش کیے تھے کہ: ''ایک قول سے سیدہ رقیہ اور ایک قول سے اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی تھیں''۔تو یہ بعض اقوال ہیں لیکن حضرت شیخ کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو انہوں نے پہلے لکھا ہے کہ: چوتھی صاحب زادی سیدہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا ہیں۔

(۲) شارح صحیح بخاری امام احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلائیؒ کا یہ قول پیش کیا تھا کہ: آپؐ کی چار صاحب زادی ہیں جن میں بڑی زینبؓ ہیں اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ ان سے اصغر ہیں۔ یہ صحیح قول ہے (ترجمہ مواہب لدینہ جلد دوم ص ۲۲۱) اس میں امام قسطلائیؒ نے صحیح قول یہی قرار دیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ چھوٹی صاحب زادی ہیں لیکن اس کے باوجود درویش صاحب نے لکھا کہ چکوالی کوئی دوٹوک پختہ روایت نہیں پیش کر سکا۔

(۳) قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری کی کتاب ''رحمۃ للعالمین جلد دوم کی یہ عبارت پیش کی تھی کہ: سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری دختر ہیں۔ ۳ھ میں ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اسی لیے ان کو ذوالنورین کا خطاب ملا...... سیدۃ النسائ العالمین فاطمہ علیہا السلام خدیجہ الکبریٰ کے بطن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں الخ (ص ۱۰۷۔۱۰۸)

(۴) میں نے درویش صاحب کی یہ عبارت بھی پیش کی تھی کہ: حضور علیہ السلام کی چار صاحب زادیوں میں سے تین شہزادیوں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ اور سیدہ اُم کلثومؓ کی شادی خاندان بنو عبشم کے حضرت ابوالعاصؓ عبشمی اور حضرت عثمانؓ عبشمی سے ہوئی تھی۔ آخری شہزادی سیدہ فاطمۃ الزاہرءؓ حضرت علیؓ کے گھر میں تھیں۔''

(عجمی سازش ۲۰) یہاں تو جناب ندویش مرحوم نے خود بھی حضرت فاطمۃ الزہراء کو آخری شہزادی تسلیم کرلیا۔ گویا کہ ان کے نظریہ کے تحت وہ خود بھی سبائی بن گئے۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ علاوہ ازیں حسب ذیل حوالجات پیشِ خدمت ہیں۔

(۵) حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں کہ: واختلف فی الصغری منها وقد قیل ان رقیة اصغر منها ولیس ذالک عندی صحیح...... والذی تسکن الیه النفس علی ماتوارث بها الاخبار ترتیب بنات رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم ان زینب الاولیٰ ثم الثانیة رقیه ثم الثالثه ام کلثوم ثم الرابعه فاطمة الزهراء (الاستیعاب مع الاصابہ ص ۳۷۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت رقیہ سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور جس پر دل مطمئن ہوتا ہے اور وہ متواتر خبروں سے ثابت ہے اس کی ترتیب یہ ہے کہ حضرت زینب پہلی پھر دوسری حضرت رقیہ پھر تیسری حضرت ام کلثوم اور پھر چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزاہرہ ہیں رضی اللہ عنہن۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: قال عبد الرزاق عن ابن جریح قال لی غیر واحد کانت فاطمة اصغر بنات النبی صلی الله علیه وسلم (الاصابہ ص ۳۷۷) عبدالرزاق ابن جریج سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایک سے زیادہ راویوں نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔

(۷) مورخ مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں: سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ ان کے بعد حضرت زینب پھر عبداللہ جن کا لقب طیب وطاہر تھا پھر رقیہ پھر ام کلثوم پھر فاطمہ: (رضی اللہ عنہن) لیکن ان میں سوائے

حضرت فاطمہؓ کے جو سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور کسی بیٹی سے نسل نہیں چلی۔

(۸) علامہ شبلی نعمانیؒ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا اسی ترتیب سے ذکر کیا یعنی حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ: (رضی اللہ عنہن) (سیرت النبی اول مجلد دوم)

(۹) حضرت مولانا محمد نافع صاحب زید مجدھم (مولف کتاب ''رحماء بینھم'') لکھتے ہیں: آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں مشہور قول کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ ان کا اسم گرامی فاطمہ ہے اور زہرا اور بتول مشہور لقب ہیں۔ یہ چاروں صاحبزادیاں (حضرت زینب، رقیہ، کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضرت خدیجہ الکبرےٰ کی اولاد شریف ہیں۔ اور باہمی حقیقی بہنیں ہیں۔ (بنات اربعہ ص ۲۵۴)

(۱۰) میں نے البدایہ والنہایہ سے حافظ ابن کثیر محدث کی یہ عبارت پیش کی تھی: اور حضرت فاطمہ سب سے چھوٹی تھیں (البدایہ مترجم باب ۷ ص ۵۲) اس کے علاوہ میں نے البدایہ سے دوسری روایت بھی پیش کی تھی جس میں ترتیب یوں لکھی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے لڑکے قاسم تھے پھر زینب پھر عبداللہ پھر ام کلثوم پھر فاطمہ پھر رقیہ الخ

اس کے جواب الجواب میں قاضی شمس الدین درویش مرحوم نے لکھا کہ: فقیر نے یہ روایت اس لیے قبول نہیں کی کہ اس کے بعد اسی ص ۳۰۷ جلد ۵ پر ہی خود ابن کثیر نے تین روایتیں اور لکھی ہیں۔ جن میں صاف تصریح موجود ہے کہ سیدہ ام کلثوم ہی آخری اور سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ (نقیب اگست ۱۹۹۱ء)

الجواب

(۱) درویش صاحب مرحوم نے جو تین روایات پیش کی ہیں ان کی ترتیب

میں آخری نام حضرت ام کلثوم کا ہے لیکن ان کا ابن کثیر کی طرف منسوب کر کے یہ لکھنا کہ: سیدہ ام کلثوم ہی آخری اور سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں، بالکل غلط ہے حافظ ابن کثیر کی روایات میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ام کلثوم سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں بلکہ حافظ ابن کثیر نے تو حضرت فاطمہ: الزاہراء کے بارے میں یہ تصریح کی ہے کہ: **ثم ولدت فاطمة و كانت اصغر هم** (البدایہ النہا جلد۵ ص ۳۰۷) پھر حضرت فاطمہؓ کی ولادت ہوئی اور وہ ان میں سب سے چھوٹی تھیں۔ پھر ص ۳۰۸ پر یہ روایت لکھی ہے کہ: **فقال عبدالرزاق عن ابن جريح قال لی غير واحد كانت زينب كبر بنات رسول الله صلى الله عليه وسلم و كانت فاطمة اصغر هن واجهن الى رسول الله صلى الله عليه وسلم** (عبد الرزاق ابن جرتح سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایک سے زیادہ آدمیوں نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے سب سے بڑی حضرت زینبؓ اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ تھیں اور آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور یہی روایت الاصابہ سے پہلے درج کی گئی ہے البتہ اس میں یہ نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے پیاری تھیں۔ ابن کثیر کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری صاحبزادی تھیں اور قاضی درویش صاحب خود یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ چھوٹی اولاد زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ بہر حال حضرت فاطمہ: الزہرء رضی اللہ عنہا کا سب سے چھوٹی اور سب سے زیادہ پیاری صاحبزادی ہونا منقولہ بالا روایات سے ثابت ہو گیا۔ تو کیا یہ سارے حضرات محدثین و مورخین سبائی ذہنیت رکھتے تھے اور یہ سارے حسب مقولہ درویش صاحب سُن مُن ہی تھے یا خود درویش صاحب ہی سُن مُن تھے جو مسلک اہل السنّت والجماعت کو سبائیت سے تعبیر کرتے تھے انا للہ وانا الیہ راجعون

افضلیت حضرت فاطمہؓ

مندرجہ عنوان کے تحت درویش مرحوم لکھتے ہیں: ص ۷۵ پر اس بغلی عنوان سے جناب چکوالی صاحب نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی اپنی دوسری بہنوں پر افضلیت ثابت کرنے کے لیے خاصی طویل نویسی کی ہے اور اگر کسی صحیح روایات سے حضرت سیدہ کی افضلیت ثابت ہو تو ہر سُنی کے سر آنکھوں پر۔ لیکن موصوف کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکے جس میں حضور علیہ السلام نے صراحتاً فرمایا ہو فاطمة افضل بناتی کہ فاطمہ میری بیٹیوں میں سب سے افضل بیٹی ہیں، جب کہ فقیر کے پاس یہ روایت موجود ہے کہ زینب افضل بناتی ک ۳۳۱، ج ۳ یعنی زینب میری بیٹیوں میں سب سے افضل بیٹی ہیں کہ اس کو میری وجہ سے مصیبتیں پہنچی ہیں اور ان مصیبتوں کی وجہ سے ہی صحابہ کرامؓ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو شہید فی سبیل اللہ سمجھتے تھے اور صاحبِ مشکوٰۃ نے الاکمال فی اسماء الرجال ذکر امامہ میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام ان سیدۃ امامہ بنت سیّدہ زینب وابوالعاص عبشمی کو جماعت کی فرض نماز میں اُٹھائے رکھتے تھے۔ جب سجدہ میں جاتے تو اس امامہ کو زمین پر بٹھا دیتے پھر اُٹھا لیتے۔ سبحان اللہ کیا شان تھی سیّدہ امامہ بنت سیدہ زینبؓ کی اور یہ ایک بے مثال سلوک تھا جو کسی دوسری نواسی سے نہ تھا۔" (نقیب ختم نبوت ص ۴۳۔ ۴۴ اگست ۱۹۹۱ء)

الجواب

(۱) میں نے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی افضلیت کے تحت یہ حدیث پیش کی تھی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة سیدة النساء اهل الجنة (بخاری شریف باب مناقب قرابت رسول اللہ صلی اللہ وسلم) رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور اس حدیث کی بنا پر حضرت فاطمہؓ کو خاتونِ جنت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قاضی شمس الدین صاحب موصوف بھی اپنے اس

مکتوب محررہ ۸ شوال ۱۴۱۰ھ میں لکھتے ہیں: اگر صحیح روایات سے حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی جتنی بھی تعریفیں ثابت ہوں، چشم ماروشن دل ماشاد (ماہنامہ حق چار یارؓ ص ۶۷۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ)

(۲) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حسبک من نسآء العالمین مریم بنت عمران و خدیجۃ بنت خویلد و فاطمۃ بنت محمد واسیۃ أمراۃ فرعون (ترمذیؒ شریف کتاب الفتن فی مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں بھر کی عورتوں میں فضیلت کے اعتبار سے تجھ کو یہ چار عورتیں کافی ہیں۔ مریم۔ خدیجہ۔ فاطمہ۔ آسیہ۔ اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔ و ذکر عائشہ دریں حدیث نہ کرد از جہت اکتفاء کردن بنا کردے در احادیث دیگر۔ اور اس حدیث میں حضرت عائشہؓ کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ دوسری احادیث میں ان کا ذکر موجود ہے اور دوسری حدیث میں ہے۔ وفضل عائشہ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام (بخاری و مسلم مشکوۃ شریف باب بدء الخلق) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ کو باقی عورتوں پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو باقی کھانوں پر ہے) اور علامہ علی القاری حنفی محدث اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: والاظہر انہا افضل من جمیع النساء کما ھو ظاھر الاطلاق من حیث الجامعیۃ للکمالات العلمیۃ والعملیۃ الخ: (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد نمبر ۱۱ باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ تمام عورتوں سے افضل ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے۔ اس حیثیت سے کہ آپ کو علمی عملی کمالات کی جامعیت حاصل ہے۔ تمام عورتوں سے بہتر اور افضل ہونے میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بھی شامل کیا ہے لیکن کسی حدیث میں باقی تینوں صاحب زادیوں میں سے کسی کا نام بھی دوسری عورتوں سے بہتر اور افضل ہونے میں ذکر نہیں فرمایا۔ اور یہی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ اپنی تمام بہنوں میں افضل ہیں اور یہی اہل السنّت والجماعت کا مسلک ہے۔

(۳) قاضی شمس الدین مرحوم نے جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے افضل ہونے کی روایت پیش کی ہے تو اس میں کتاب کا نام واضح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بخاری اور ترمذی کی حدیث میں جب حضرت فاطمہؓ کا دوسری عورتوں سے بہتر اور افضل ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس کے مقابلے میں اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں اس روایت سے حضرت زینبؓ کی صرف جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ کلی اور اس کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ اصیبت (کہ میری وجہ سے اس کو مصیبتیں پہنچائی گئی ہیں) درویش مرحوم نے روایت کے یہ الفاظ تو نہیں لکھے، البتہ ترجمہ لکھ دیا ہے۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب زید مجدہم نے اس حدیث کے لیے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ امام بیہقی کی دلائل النبوۃ ج ۲ص ۴۲۶۔ (۲) علامہ ہیثمی محدث کی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱۳) اور مولانا موصوف بھی اس روایت کی بحث میں دوسری توجیہہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے حق میں جو الفاظِ فضیلت فرمائے گئے ہیں، جو آنجناب ﷺ کی دیرینہ رفاقت پر آپ کو حاصل رہی اور حضرت سیدہ فاطمہؓ کے حق میں جو الفاظ مروی ہیں، وہ فضیلت کے عامہ کے اعتبار سے ہیں الخ۔ (بنات اربعہ ص ۱۱۵) علاوہ ازیں حضرت مولانا موصوف لکھتے ہیں: اس طرح سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بنات طیبات وطاہراتؓ کا باہم فرق درجات ہے اور حضرت فاطمۃ الزہراء سب سے افضل واعلیٰ ہیں اور ان کی بڑی بہن حضرت زینب تحمل شدائد اور برداشت مصائب پھر

استقامت دین کے لحاظ سے خیر کے شرف سے مشرف ہیں۔" (بنات اربعہ ص ۳۲۱)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمة بضعة منی فمن اغضبها غضبنی و فی روایة یریبنی ماارابها ویو ذینی ماازاها (بخاری و مسلم۔ بحوالہ مشکوۃ شریف) فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو غضب ناک کیا، اس نے مجھ کو غضب ناک کیا اور ایک روایت میں ہے جو چیز اس کو پریشان کرتی ہے، وہ مجھے بھی پریشان کرتی ہے اور جو چیز اس کو ایذا (دُکھ) پہنچاتی ہے، وہ مجھے بھی دُکھ پہنچاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا، جب کہ انہوں نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ علامہ علی قاری حنفی محدث اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ونعم ماقال الامام المالک ولا افضل احدا علی بضعة رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم (مرقاۃ شرح مشکوۃ) اور امام مالک نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ٹکڑے پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا۔" اس حدیث سے بھی حضرت فاطمہؓ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے اور احادیث میں آپ کے دوسرے مخصوص فضائل بھی مذکور ہیں لیکن بخوفِ طوالت یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ بہر حال حضرت فاطمہؓ افضل البنات ہیں اور دیگر عورتوں پر بھی آپ کو فضیلت حاصل ہے، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے جو اُمہات المومنین ہونے کی وجہ سے ان کی بھی مومن مائیں ہیں (وازواجهم امهاتهم) رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

(۵) حضرت زینبؓ کی صاحب زادی اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نواسی امامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیاری تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز میں بھی اُٹھائے رکھتے تھے۔ اس سے حضرت زینبؓ کا دوسری بہنوں سے افضل ہونا کیسے ثابت ہو گیا جس سے قاضی درویش مرحوم نے استدلال کیا ہے۔ یہ بھی استدلال کی عجیب قسم ہے۔

(۶) امام حسینؓ اور امام حسنؓ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے صاحب زادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ احادیث میں ان کے جو فضائل مذکورہ ہیں، کیا حضرت امامہ نواسی کے بھی ایسے فضائل مذکورہ ہیں۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین دونوں کو اپنی چادر مبارک میں چھپا کر اُٹھایا ہوا تھا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے سوال پر فرمایا

وابنا ابنتی اللھم انی احبھا فاحبھما واحب من یحبھا (ترمذی) فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ تو ان دونوں سے محبت رکھ اور جو شخص ان دونوں سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر۔

علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے۔ وعن بریدہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطبنا اذ جآء الحسن و الحسین علیہ قمیصان احمران یمشیان و یاثران فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر فحملھا و وضعھا بین یدیہ ثم قال صدق اللہ انما اموالکم والاولاد کم فتنۃ الحدیث (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی۔ ابوداؤد نسائی) حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے کہ حسنؓ اور حسینؓ اس حال میں آئے کہ انہوں نے سرخ قمیصیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ پھسلتے پھسلتے چل رہے تھے (ان کو دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور ان دونوں کو اُٹھا لیا اور ان دونوں کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں۔ علاوہ ازیں ان دونوں پیارے نواسوں کے اور فضائل بھی احادیث میں مذکور ہیں لیکن یہاں ان کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔

☆☆☆

ادارہ مظہر التحقیق لاہور کی دیگر مطبوعات